1982

(۱)

عمدۃ المفسّرین، قدوۃ المحدثین، رئیس الفقہاء،

امام اہلِ سُنّت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں

بریلوی قدس سرّہٗ

کی دینی اور علمی خدمات کا تحقیقی و ادبی جائزہ

معارفِ رضا

مُرتّبہ

سیّد محمّد ریاست علی قادری بریلوی

ناشر: ادارہ معارفِ رضا

۳۷، بی۔ ۱۱ سی۔ ون سرسید ٹاؤن، کراچی

عمدۃ المفسرین، قدوۃ المحدثین، رئیس الفقہاء

امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں

بریلوی قدس سرہٗ

کی دینی اور علمی خدمات کا تحقیقی اور ادبی جائزہ

معارفِ رضا

مرتبہ

سید محمد ریاست علی قادری بریلوی

ناشر: ادارہ معارفِ رضا

۳۷، بی۔ ۱۱ سی۔ ون سرسید ٹاؤن، کراچی

مُجلہ ــــــــ معارفِ رضا

مرتبہ ــــــــ سیّد محمد ریاست علی قادری بریلوی

تصحیح کتابت ــــــــ حافظ محمود احمد ناصر

مطبع کا نام ــــــــ مشہور آفسٹ، کراچی

ناشر ــــــــ ادارہ معارفِ رضا۔ نارتھ کراچی

سنہ طباعت ــــــــ صفر ۱۴۰۳ھ

اشاعت و تعداد ــــــــ اوّل، ایک ہزار

قیمت ــــــــ ۲۰ روپے

ادارہ معارفِ رضا ۔ ۳۷، بی ۱۱ ایس ای ۱۔ سرسیّد ٹاؤن۔ نارتھ کراچی۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارۂ معارف رضا کراچی نے اپنا پہلا یادگاری مجلہ معارف رضا، یوم امام احمد رضا کے مبارک موقع پر ۱۹۸۱ء میں شائع کیا تھا جس کی پاک و ہند میں بڑی پذیرائی ہوئی اور بہت سے خطوط ملے۔ ان کرم فرماؤں کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا ممکن نہیں۔ ہم سب حضرات کے تہہ دل سے ممنون ہیں کہ انہوں نے معارف رضا کی قدر فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ بعض حضرات نے مجلے کی خامیوں کی نشاندہی بھی فرمائی۔ ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں۔ ہم نے اصلاح کی کوشش کی ہے۔ انشاء اللہ العزیز خوب سے خوب تر کی کوشش میں ہم برابر رواں دواں رہیں گے۔ اور نقش ثانی، نقش اول سے بہتر ہوگا۔

سنہ ۱۹۸۱ء کے بعد اب معارف رضا کا دوسرا یادگاری مجلہ یوم امام احمد رضا کے موقع پر شائع کیا جا رہا ہے۔ اس موقع پر پاک و ہند کے اخبارات و رسائل خصوصی مضامین شائع کرتے ہیں لیکن معارف رضا اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے ان سب میں منفرد ہے۔ اس میں آپ کو محققین اور مشہور و معروف قلمکاروں کے ایسے مقالات ملیں گے جن کو "مطالعہ رضا" میں قابل قدر اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ بالخصوص حضرت شمس بریلوی (سرپرست ادارۂ معارف رضا) کا مقالہ قارئین کرام کے لئے نئی چیز ہوگا۔ موصوف نے امام احمد رضا کے تقریباً چالیس قلمی حواشی پر کام شروع کیا تھا مگر جب وہ بڑھتا نظر آیا تو چند حواشی کا انتخاب کر کے مقالہ مکمل کر لیا گیا — معارف رضا کے دامن میں اتنی وسعت نہیں کہ طویل مقالات شائع کئے جائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ مقالہ مفصل و مبسوط لکھوا کر کتابی شکل میں شائع کرایا جائیگا۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد علمی حلقوں کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ اُن کا مضمون "عالمی جامعات اور امام احمد رضا" محققین، اساتذہ اور طلبہ کی تحقیقات و تاثرات کا ایک مختصر جائزہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان کا یہ مضمون علمی حلقوں میں سراہا جائیگا۔

معارف رضا کے قلمکاروں کی ایک خوبی یہ ہے کہ سب ہی نے بغیر کسی ادنیٰ معاوضے کے مقالات سپرد کئے ہیں۔ دور جدید میں کہنہ مشق قلمکاروں کا ایسا مخلصانہ تعاون شاذ و نادر ہی کہیں نظر آئیگا۔ جن قلمکاروں نے اخلاص و ایثار کا ثبوت دیا ہم ان کے تہہ دل سے ممنون ہیں اور دعاگو ہیں۔ یقیناً ان کا یہ جذبہ لائق تحسین ہے۔

اس سلسلے میں ادارۂ معارف رضا کے روح رواں اور صدر جناب سید محمد ریاست علی قادری کا ادارہ احسان مند ہے کہ انہوں نے امام احمد رضا کے قلمی اور غیر مطبوعہ کتب و حواشی کا ایک عظیم ذخیرہ جمع کیا ہے جس سے ہمارے بعض قلمکاروں نے استفادہ کیا۔ موصوف

کے پاس تقریباً ڈھائی سو کتب و حواشی ہیں۔ ان میں بعض نوادرات پر حضرت شمس الدین شمس بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پروفیسر ابرار حسین۔ جناب شاد گیلانی اور دوسرے حضرات نے کام کیا ہے اور کر رہے ہیں۔

امام احمد رضا ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر حسن رضا نے اپنے مقالہ ڈاکٹریٹ "فقیہ اسلام" (مطبوعہ الہ آباد ۱۹۸۱ء) میں امام احمد رضا کے ۶۶۶ کتب و حواشی کی تفصیلی فہرست دی ہے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد امام احمد رضا کی مبسوط سوانح لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے اب تک ۴۴۸ کتب و حواشی ریکارڈ کئے ہیں۔ امام احمد رضا کے معاصرین میں عالم اسلام میں اتنی تصانیف و حواشی کسی عالم کے ریکارڈ نہیں کئے گئے۔ اس خصوص میں امام احمد رضا منفرد و یکتا ہیں

ہم پاکستان کے اہل قلم اور علماء کرام سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس علمی ذخیرہ سے استفادہ کریں جو جناب سید محمد ریاست علی کے پاس محفوظ ہے۔ ہم حکومت پاکستان کی وزارت تعلیم سے بھی امید رکھتے ہیں کہ اس طرف خصوصی توجہ دے گی کیونکہ اس قسم کے تاریخی اور صبر آزما علمی کام کے لئے حکومت کی سرپرستی ضروری ہے۔ وزارت تعلیم نے گیارھویں بارھویں جماعت نیز بی اے اور ایم اے کے لئے مطالعہ پاکستان کا جو نصاب تجویز کیا ہے اس میں امام احمد رضا کی خدمات کی شمولیت کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کو صحیح سمت پر صحیح قدم تصور کرتے ہیں۔

(ادارہ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی مندرجہ ذیل تصانیف عنقریب منظر عام پر آنیوالی ہے

١- حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی

اسلامی کتب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ

٢- امام احمد رضا اور عالم اسلام

مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی

٣- گناہ بے گناہی

مرکزی مجلس رضا، نوری مسجد، بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور

٤- دائرۂ معارف امام احمد رضا

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ١- سی/١١/٧ سی، نارتھ کراچی

★ یہ دونوں کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

فقہ حنفیہ

کا

تیرہ سو سالہ تحقیقی جائزہ

یعنی دوسری صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک

فقہائے احناف، ان کی تصانیف، شروح

اور حواشی کا تعارف جس کے ذریعہ

آپ کسی کتاب کے نام سے اس کے مؤلف اور اس کے عہد کو معلوم کر سکتے ہیں اور اس مصنف کی دوسری کتب سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح صرف کسی مصنف کے نام سے اس کے عہد اور اس کی تصانیف کا آپ ادراک کر سکتے ہیں۔ جس میں امام احمد رضا خان قدس سرہ کے متعدد حواشی کا تعارف بھی شامل ہے۔

ایک عظیم الشان اور نادر الموضوع

طبقات الحنفیہ

یا

معجم کتب فقہ حنفیہ

از

محقق یگانہ حضرت **شمس بریلوی** مدظلہ العالی

انشاء اللہ نومبر ۸۲ء کے اواخر تک یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی ۱۰۰۰ صفحات کی یہ کتاب خواجہ تاشان رضویت کی خدمت میں صرف چالیس روپے میں ہم پیش کریں گے بشرطیکہ کتاب کی بروقت طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں وہ اپنی خریداری سے ہم کو مطلع کریں اور صرف پچیس فیصدی رقم پیشگی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کو اس پتہ پر ارسال فرمائیں :-

سید ریاست علی قادری رضوی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا

۲۷-بی - سی - ون نارتھ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے حواشی کا تحقیقی جائزہ

جائزہ نگار:- رئیس المترجمین، محقق بے نظیر حضرت شمس بریلوی

اعلیٰحضرت عظیم المرتبت مقتدائے اہل سنت امام احمد رضا کی تصانیف کا جب ذکر آتا ہے یا آپ کی سوانح حیات کے ضمن میں آپ کی تصانیف متعددہ کا مذکور ہوتا ہے تو یہ کہہ کر بآسانی اس مشکل مقام اور تحقیقی نکتہ سے گزر جاتے ہیں کہ آپ نے صدہا کتب پر حواشی تحریر فرمائے ہیں (جو آپ کی متعدد تصانیف کے علاوہ ہیں) جو آپ کے تبحر علمی کے شاہد ہیں بیشک یہ کہنا صحیح بجا اور درست،... عقیدت اس نکتہ پر آئی ہے اور وجدان ارادت اس مقام پر وجد میں آجاتا ہے عقیدت کیشوں کا دقار علمی سر جھکاتا ہے اور طرۂ رضویت کچھ اور سربلند ہو جاتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضرت والا مرتبت کے تبحر علمی کے اعتراف سے پہلو تہی کرنے والے اور آپ کے وقار فضل و کمال کے سامنے سر نہ جھکانے والے ہمارے اس دعوے کے سامنے جو سراسر حقیقت پر مبنی ہے۔ کیا حقیقت پسندی کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں اور کیا وہ حضرت والا مرتبت کے تبحر فضل و کمال کے گن گانے ہیں! جی نہیں! بلکہ وہ تو اس دعویٰ کا ثبوت چاہتے ہیں! وہ اس حقیقت کو مبرہن دیکھنا چاہتے ہیں!!

میری یہ دیرینہ آرزو تھی کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکتہ فاضل بریلوی قدس سرہ کے ان حواشی کا کوئی صاحب قلم ارباب علم و فضل کمال کے سامنے تعارف کرائے اور مختلف الموضوعات حواشی کا تحقیقی اور علمی جائزہ پیش کر کے بتلائے کہ یہ حواشی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے لئے نازش افتخار نہ ہی لیکن دنیائے فضل و کمال میں وہ کتنے گراں مایہ اور بیش بہا ہیں اور حضرت کے بارگاہ علم و فضل کی برتری و سرفرازی میں ان کا کیا مقام ہے تاکہ کم نگاہوں اور کوتاہ بینوں کو بھی یہ اعتراف کرتے بن پڑے کہ دنیائے رضویت کا دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے محض صدائے عقیدت یا خروش ارادت نہیں ہے۔

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے حواشی تک رسائی ایک بڑی کٹھن منزل اور دشوار گزار راہ تھی لیکن ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، بارگاہ رضویت کے ایک مخلص بے ریا، اعلیٰحضرت کے نام پر جان چھڑکنے والے، اعلیٰحضرت کے نام کو روشن کرنے والے شب و روز اسی فکر میں کوچہ گردی کرنے والے کہ کس طرح اعلیٰحضرت کے مقام ارفع و اعلیٰ کو عوام و خواص کے سامنے ٹھوس حقیقتوں کے ساتھ پیش کیا جائے اور حضرت والا مرتبت کے وقار علمی کو بلند سے بلند تر کیا جائے یعنی سید ریاست علی قادری رضوی بریلوی کے حصے میں یہ سعادت آئی کہ انہوں نے ڈیڑھ دو سو حواشی جو کتابچوں کی شکل میں جداگانہ مرقوم ہیں حاصل کر لئے۔ وہ سفر ہند سے یہ عظیم تحفہ پاکستان میں لائے لیکن چھ ماہ سے زیادہ گزر گئے کہ وہ یہ صدا لگاتے رہے کہ ~~ تن قاش فروش دل صدپارۂ خویشم لیکن ان کی اس صدا پر کسی نے کان نہ دھرے اور کسی نے ان کی ان مساعی کو نہ سراہا! مجھ ہیچمداں، ہیچ میرز کم بخ قلم سے جو شمس بریلوی کے نام سے چند ہزار صفحات کو سیاہ کر چکا ہے اور اپنے بریلوی ہوتے پر نازاں ہے، نہ رہا گیا اور میں نے عزیز مکرم سید ریاست علی صاحب قادری بریلوی سے کہا کہ اس متاع عزیز کا اگر کوئی خریدار نہیں بنتا اور ان حواشی کے تعارف اور تحقیقی جائزہ کے لئے اگر

کوئی تیار نہیں ہوتا تو لائیے مجھے دیجئے! آخر ایک مدت مدید کے انتظار کے بعد کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ بھی ہر طرف سے مایوس ہو کر پیش کیا ہے
انشاء اللہ حواشی امام رضا کا تحقیقی جائزہ بعد میں ہی پیش کروں گا۔ میں اپنی متاع فکر کو برسر عام پیش کرنے سے نہیں گھبراتا۔ گھبرائے تو وہ جو ابجد خوانی
ہو کر ہمہ دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب ہمہ دانی کا معیار سامنے پیش کیا جاتا ہے تو علم و فکر کے زر کم عیار گرہ میں باندھ کر روپوش ہو جاتے ہیں
الحمد للہ کہ نہ مجھے دعویٰ فضل و کمال اور نہ آرزوئے قبول عوام! جس طرح اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام کا تحقیقی جائزہ اپنی نسبت رضویت کا ایک فرض
سمجھ کر لکھا اور خواجہ تاشانِ رضویت میں بہت سے اس سے محظوظ ہوئے اور بعض نے معیار سے بلند سمجھ کر زحمت مطالعہ ہی گوارا نہیں فرمائی[1] اس صورت
میں داد کیا ملتی صرف داد ملی ایک شخص سے اور وہ ہیں میرے مکرم و محترم والا مرتبت محدث عظیم و فقیہہ بے عدیل حضرت مولینا علامہ عبد المصطفیٰ ازہری
دامت برکاتہم العالیہ (محدث جامع امجدیہ) اور میں ان کی تحسین و ستائش پر نازاں ہوں اور ان کی تحسین میری ان تمام کاوشوں کا حقیقی صلہ ہے جن
سے نگارش جائزہ میں مجھے دوچار ہونا پڑا ہے! قارئین میری اس ہرزہ سرائی سے تنگ آگئے ہوں گے یا اس کو بے محل سمجھیں لیکن حضرت امام رضا قدس سرہٗ کے
حواشی کے جائزہ کی اس نگارش کا انجام جانتا ہوں اور اپنی کاوشوں کے صلہ سے قبل از وقت ادبی ہوں لیکن ادبی جائزہ کی طرح حواشی کے جائزہ کو بھی
اپنی نسبت رضویت کا ایک فرض سمجھ کر اس سنگلاخ پر قدم رکھ رہا ہوں آبلہ پائی کا خوف نہیں۔" ادارۂ معارف رضا" کا بھی مجھ پر ایک حق ہے۔
اس طرح ایک خدمت سے دو حقوق ادا ہو رہے ہیں۔ میرا قلم اعلیٰ حضرت کے وقار علمی کی قسم کھانے کو تیار ہے کہ اس نگارش کا مقصد
اعلیٰ صرف یہ ہے کہ ان ادبی و علمی حلقوں پر بھی امام رضا کے خورشید فضل و کمال کی کچھ کرنیں پڑ جائیں جو اپنی جاہلانہ کور نگاہی کے باعث ضیائے خورشید
کے منکر ہیں اور اپنے ممدوح کے ذروں کو آفتاب بنا کر پیش کرتے ہیں اور گلستان علم کے خس و خاشاک کو جان گلستاں اور عین بہاراں کہتے کہتے اُن کے
منہ نہیں تھکتے انکے سامنے گلستان رضویت کے چند سدا بہار پھول پیش کر کے بتاؤں گا کہ دیکھو یہ ہے عطر صد بہار!! یہ ہے نخرِ جدان و افکار، یہ ہے زر کامل

مجھے جو حواشی قلمی کتابچوں کی شکل میں دیئے گئے ہیں وہ متنوع الموضوع ہیں، اس لئے اُن کے تعارف سے قبل میں ان کو موضوع وار منقسم
کر رہا ہوں، ان پچاس قلمی حواشی[2] میں اور موضوع وار تقسیم کچھ اس طرح کی جا سکتی ہے۔

---

[1] بعض نے تو جائزہ" کی گرانقدر قیمت کا عذر تراشا اور صرف حدائق بخشش ہی کو اپنے لئے کافی سمجھا۔
[2] اعلیٰحضرت کے حواشی کی تعداد چند صد سے فزوں ہے لیکن مجھے جو حواشی دیئے گئے ہیں میں نے ان کی تعداد بتائی ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے
کہ یہ اعلیٰحضرت کے کل حواشی کی تعداد بیان کی ہے۔
شمس

حواشی بر کتب احادیث و تذکرۃ المحدثین و فقہ و اصول فقہ و کتب سیر و سوانح

کتب حدیث شریف

۱۔ حاشیہ ترمذی شریف
۲۔ 〃 فتح الباری شرح بخاری
۳ 〃 نسائی شریف
۴ 〃 سنن داری
۵ 〃 بدائع الصنائع
۶ 〃 موضوعات کبیر
۷ 〃 لالی مصنوعہ ..... سیوطی
۸ 〃 کنز العمال

کتب فقہ

۱۔ حاشیہ بر فتاوی عالمگیری
۲۔ فتاوی بزازیہ
۳۔ 〃 حاشیہ مراقی الفلاح
۴۔ 〃 القول البدیع
۵۔ 〃 رسائل شامی
۶۔ زرقانی شرح بیضاوی
۷۔ تبیین الحقائق، للزیلعی
۸۔ 〃 فتاوی عزیزیہ
۹۔ 〃 رسائل قاسم
۱۰۔ 〃 کتاب الخراج و معین الاحکام
۱۱۔ 〃 کتاب حلیہ
۱۲۔ 〃 بحر الرائق بخنۃ الخالق
۱۳۔ 〃 فتاوی زینبیہ
۱۴۔ 〃 فتاوی حدیثیہ از علامہ ابن الحجر
۱۵۔ 〃 فتاوی القرویہ
۱۶۔ 〃 مسلک المتقسط
۱۷۔ 〃 حموی شرح اشباہ النظائر
۱۸۔ 〃 بحار الانوار
۱۹۔ 〃 فتاوی حامدیہ
۲۰۔ 〃 الاعلام بقواطع الاسلام

شرح کتب فقہی

۱۔ حاشیہ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی
۲۔ 〃 عمدۃ القاری شرح بخاری از عینی
۳۔ 〃 شرح معانی الآثار
۴۔ 〃 مدخل جلد اول دوم سوم
۵۔ 〃 درر الاحکام شرح غرر الاحکام

حواشی بر کتب سیر و سوانح

۱۔ 〃 حاشیہ بر بہجۃ الاسرار
۲۔ 〃 فوائد السہیلیہ
۳۔ 〃 اصابہ فی معرفۃ الصحابہ
۴۔ 〃 الخصائص الکبری لسیوطی
۵۔ 〃 حلیہ شرح منیۃ المصلی جلد اول

حواشی بر کتب تصوف

۱۔ کتاب ابریز از حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ

حاشیہ نگاری کی ابتدا اور تدریجی ترقی

تفحص اور تلاش سے پتہ چلتا ہے کہ حاشیہ نگاری کا آغاز ساتویں صدی ہجری میں ہوا اور سب سے پہلے محشی یا حاشیہ نگار نجم العلماء علی بن محمد بن احمد بن علی ۔ آپ نے ہدایہ کے مواقع مشکلہ پر فوائد کے نام سے حاشیہ لکھا ہے آپ نے ۶۶۷ھ میں وفات پائی اس لئے حاشیہ نگاری کی ابتدا ہم ساتویں ہجری کو قرار دے سکتے ہیں۔ جبکہ شرح نگاری کا آغاز صدیوں پہلے ہو چکا تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب میں اعلیٰ حضرت امام رضا کی شرح کا آپ سے تعارف کراؤں گا تو اس وقت شرح نگاری کی تاریخ پیش کروں گا !۔

ساتویں صدی ہجری کے حاشیہ نگاروں میں تلاش کے بعد صرف آپ ہی کا حاشیہ فوائد کے نام سے پایا جاتا ہے البتہ قرن ہشتم میں مندرجہ ذیل حضرات نے شہرت حاصل کی یہ عرض کرنا ضروری کہ حواشی ان حضرات کی شہرت کا معیار و مدار نہیں تھے بلکہ دوسری بلند پایہ تصانیف کے ساتھ ساتھ ان حضرات نے اس طرف بھی توجہ فرمائی ! آیئے اب میں قرن وار یا صدی کے اعتبار سے حواشی کتب حدیث و فقہ و اصول فقہ اور کلام کا آپ سے تعارف کراؤں۔

ہفتم صدی ہجری

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۱۔ علامہ محدث و فقیہ حضرت حافظ الدین بن احمد نسفی صاحب کنز	ہدایہ کے مقامات مشکلہ	فوائد	ساتویں صدی ہجری ۶۶۷ھ

ہشتم صدی ہجری

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۲۔ مفسر و محدث حضرت علامہ اکمل الدین بابرتی صاحب عنایہ شرح ہدایہ	تفسیر کشاف ہدایہ	حاشیہ تفسیر کشاف	متوفی رمضان ۷۸۶ھ
۳۔ علامہ محدث و فقیہ حضرت محمود بن احمد قونیوی	ہدایہ	خلاصۃ النہایہ	متوفی ۷۷۷ھ
۴۔ علامہ تفتازانی مسعود بن محمد بن عبد اللہ تفتازانی	توضیح، تفسیر کشاف شرح مختصر الاصول	تلویح۔ حاشیہ تفسیر کشاف حاشیہ مختصر الاصول	متوفی ۷۸۹ھ

حواشی بہ قرن نہم ہجری

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۵۔ مفسر و محدث عظیم علامہ علی بن علی جرجانی المعروف بہ سید شریف جرجانی	اوائل تفسیر کشاف، مشکوٰۃ عوارف المعارف ہدایہ، شرح مطالع شرح شمسیہ، مطول مختصر معانی، شرح حکمۃ العین عوامل جرجانی، تلویح، شرح عضد، تحریر	ہر ایک حاشیہ کتاب کے نام کے ساتھ موسوم ہے جیسے حاشیہ اوائل تفسیر کشاف، حاشیہ مشکوٰۃ شریف وغیرہ	متوفی ۸۱۶ھ

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
	اقلیدس، قصیدہ کعب بن زہیرؓ		
۶۔ علامہ محمد بن شہاب بن محمد خوانی	حاشیہ بر عضد، حاشیہ بر شرح مفتاح تفتازانی حاشیہ بر طوالع، حاشیہ بر منہاج، بیضاوی		متوفی سنہ ۸۰۱ھ متوفی سنہ ۸۶۰ھ
۷۔ علامۂ عصر فقیہ بے عدیل سید علی عجمی	حاشیہ بر حواشی شرح شمسیہ سید شریف، حاشیہ بر شرح مطالع، حاشیہ بر شرح مواقف		متوفی سنہ ۸۶۰ھ
۸۔ علامۂ دوراں اصغر بیگ رومی قاضی قسطنطنیہ	حاشیہ بر حاشیہ تفسیر کشاف		متوفی سنہ ۸۶۳ھ
۹۔ علامہ احمد بن موسیٰ المعروف بہ خیالی ملقب بہ شمس الدین	حاشیہ بر شرح عقائد نسفی	خیالی: ان حواشی میں بعض مقامات ایسے ادق تھے کہ مدتوں حل نہ ہوئے۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے خیالی پر حاشیہ لکھ کر ان کو حل کیا۔	متوفی سنہ ۸۷۰ھ
۱۰۔ علامہ علی بن مجدالدین محمد المعروف بہ یکے از احفاد امام فخرالدین رازی	حاشیہ بر تلویح، حاشیہ شرح مطالع	حاشیہ، حاشیہ	متوفی سنہ ۸۷۵ھ متوفی سنہ ۸۷۹ھ
۱۱۔ علامہ قاسم بن قطلوبغا مصری	حاشیہ بر فتح المغیث حاشیہ مشارق الانوار	حاشیہ 〃	
۱۲۔ علامہ مولا خسرو محمد بن فرامرز	حاشیہ بر شرح وقایہ	〃	متوفی سنہ ۸۸۵ھ
۱۳۔ علامہ حسن چلپی بن شمس الدین محمد رومی صاحب فصوص البدائع	حاشیہ تلویح، حاشیہ شرح وقایہ حاشیہ شرح تلخیص المعانی، حاشیہ بر مطول، حاشیہ شرح مواقف حاشیہ تفسیر بیضاوی۔	حاشیہ چلپی 〃 〃 〃	متوفی سنہ ۸۸۶ھ
۱۴۔ علامہ سنان پاشا	حاشیہ بر شرح چغمینی، قاضی زادہ	حاشیہ چغمینی	متوفی سنہ ۸۹۱ھ

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۱۵۔ علامہ خواجہ زادہ	حاشیہ بر تہافتہ الفلاسفہ (امام غزالی) حاشیہ بر شرح مواقف حاشیہ بر شرح ہدایۃ الحکمۃ	حاشیہ	متوفی سنہ ۸۹۳ھ
۱۶۔ علامہ علی عربی المعروف بہ علاؤ الدین حلبی	حاشیہ بر شرح عقائد۔ حاشیہ بر مقالات اربعہ توضیح		متوفی سنہ ۸۹۳ھ
۱۷۔ علامہ احمد بن اسمٰعیل کورانی المعروف بہ مولیٰ فاضل ملقب بہ شمس الدین	حاشیہ بر شرح شاطبیہ از جعبری		متوفی سنہ ۸۹۳ھ
۱۸۔ علامہ نور الدین حمزہ قرامانی	حاشیہ بر تفسیر بیضاوی	متوفی سنہ ۸۹۹ھ	
۱۹۔ علامہ لطف اللہ توقانی رومی المعروف بہ مولیٰ لطفی	حاشیہ بر حاشیہ شرح مطالع سید شریف، حاشیہ بر شرح مفتاح		سنہ ۹۰۰ھ
۲۰۔ علامہ یوسف بن حسین کرماستی ترکی	حاشیہ بر شرح تلخیص المفتاح حاشیہ بر شرح وقایہ		متوفی سنہ ۹…ھ متوفی سنہ ۹۰۱ھ

حاشیہ نگاری کا ایک اہم دور
قرن دہم ہجری

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۲۱۔ علامہ حکیم فتح اللہ شیرازی	حاشیہ بر شرح مواقف (بحث الہیات)	حاشیہ	متوفی سنہ ۹۰۳ھ
۲۲۔ علامہ مصطفیٰ ابن حسام الدین المعروف بہ حسام زادہ	حاشیہ بر شرح عقائد نسفی	"	متوفی سنہ ۹۰۴ھ
۲۳۔ علامہ محی الدین عجمی	حاشیہ بر فرائض سراجیہ	"	متوفی سنہ ۹۰۴ھ
۲۴۔ علامہ یوسف بن جنید توقاتی المعروف بہ اخی چلپی	حاشیہ بر شرح وقایہ	ذخیرۃ العقبیٰ	متوفی سنہ ۹۰۵ھ
۲۵۔ علامہ عبد الغفور لاری ملقب بہ رضی الدین	حاشیہ بر شرح ملا جامی حاشیہ بر نفحات الانس جامی	حاشیہ عبد الغفور	متوفی سنہ ۹۱۲ھ
۲۶۔ شیخ الاسلام علامہ احمد بن یحییٰ محمد ملقب بہ سیف الدین	حاشیہ بر تلویح۔ حاشیہ بر شرح وقایہ		متوفی سنہ ۹۱۹ھ
۲۷۔ علامہ قاضی محی الدین (محمد بن حسن سامونی)	حاشیہ بر شرح مفتاح سید شریف	حاشیہ	متوفی سنہ ۹۱۹ھ

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
"قاضی ادرنہ"	برحاشیہ شرح تجرید، حاشیہ برحاشیہ تلویح		
۱۔ علامہ فصیح الدین محمد المعروف بہ اخوند ہراتی	حاشیہ بر ہدایۃ الحکمۃ، حاشیہ تذکرہ شرح اربعین نووی حاشیہ بر مختصر و مطول	حاشیہ ہدایۃ الحکمۃ	متوفی سنہ ۹۱۹ھ
۲۔ علامہ اسمٰعیل بن بالی قرامانی ملقب بہ کمال الدین المعروف بہ قرہ کمال (ادرنہ)	حاشیہ بر تفسیر کشاف، حاشیہ بر تفسیر بیضاوی، حاشیہ بر شرح وقایہ، حاشیہ برحاشیہ خیالی حاشیہ بر شرح مواقف		متوفی سنہ ۹۲۹ھ
۳۔ علامہ ابن کمال پاشا (احمد بن سلیمان رومی) ملقب بہ شمس الدین صدر مدرس ادرنہ	حاشیہ بر تفسیر کشاف، حاشیہ بر اوائل تفسیر بیضاوی، حاشیہ بر شرح چغمینی		متوفی سنہ ۹۳۲ھ
۱۔ علامہ احمد بن عبداللہ یمینی	حاشیہ بر تلویح۔ حاشیہ بر شرح عقائد نسفی، حاشیہ بر شرح لُب۔		متوفی سنہ ۹۴۳ھ
۲۔ علامہ محی الدین محمد قرہ باغی	حاشیہ بر تفسیر کشاف، حاشیہ بر تفسیر بیضاوی، حاشیہ بر تلویح، حاشیہ بر ہدایہ، حاشیہ بر شرح وقایہ،		متوفی سنہ ۹۴۳ھ
۱۔ علامہ مولیٰ عصام الدین ابراہیم بن محمد بن عرب شاہ	حاشیہ بر شرح عقائد نسفی حاشیہ بر تفسیر بیضاوی		متوفی سنہ ۹۴۴ھ
۱۔ علامہ قاضی احمد بن حمزہ المعروف بہ عرب چلپی	حاشیہ بر شرح وقایہ	حاشیہ چلپی	متوفی سنہ ۹۵۰ھ
۱۔ علامہ عرب زادہ رومی (مولیٰ محمد بن محمد) قاضی قاہرہ	حاشیہ بر شرح مفتاح، حاشیہ بر مطول		
۱۔ علامہ محمد آفندی برکلی رومی	حاشیہ بر شرح وقایہ	حاشیہ برکلی	متوفی سنہ ۹۸۱ھ

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۳۷۔ امام العلماء و سید الفقہاء مولیٰ احمد بن مولیٰ بدر الدین المعروف بہ قاضی زادہ	حاشیہ بر اوائل شرح وقایہ، حاشیہ بر تجرید، حاشیہ بر شرح مفتاح سید شریف		متوفی ۹۸۸ھ
۳۸۔ علامہ عبداللہ سندھی، تلمیذ شیخ ابن حجر مکی۔	حاشیہ بر مشکوٰۃ		
۳۹۔ علامہ شیخ وجیہ الدین علوی جابانیری (گجرات) ہند	حاشیہ بر مشکوٰۃ	مشکوٰۃ کے حواشی میں آپ نے حنفیہ کا اثبات فرمایا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے، مشکوٰۃ کو حنفی بنا دیا ہے۔ ایک عظیم المرتبت محشی	متوفی ۹۹۶ھ
	حاشیہ بر تفسیر بیضاوی، حاشیہ عضدی، حاشیہ بر تلویح، حاشیہ بزدوی، حاشیہ بر ہدایہ، حاشیہ بر شرح وقایہ، حاشیہ بر مطول، حاشیہ بر مختصر، حاشیہ بر شرح تجرید، حاشیہ بر شرح عقائد تفتازانی، حاشیہ بر قدیمہ محقق دوانی، حاشیہ بر قدیمہ محقق و عضدی، حاشیہ بر شرح حکمۃ العین، حاشیہ بر شرح مقاصد، حاشیہ شرح چغمینی، حاشیہ بر شرح ملا جامی	حاشیہ عضدی	متوفی ۹۹۷ھ
۴۰۔ علامہ عبدالعلی بن حسین برجندی	حاشیہ بر شرح ملخص چغمینی قاضی زادہ	حاشیہ برجندی	

گیارھویں صدی ہجری کے حواشی نگار حضرات

حواشی کا دور تابناک

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۴۱۔ علامہ دوراں عمر تاشی محمد بن عبداللہ بن احمد خطیب (صاحب تنویر الابصار)	حاشیہ بر درر		متوفی ۱۰۰۴ھ

عہد دور ۹۸/

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
م۔ علامہ ملا قاری ہروی (حضرت علی بن سلطان محمد ہروی) نزیل مکہ المعروف بہ ملا علی قاری	حاشیہ تفسیر جلالین۔ حاشیہ بر مواہب الدنیہ، حاشیہ بدر المعالی	جمالین	متوفی ۱۰۱۴ھ
۲۴م۔ علامہ ملا عبد السلام لاہوری شاگرد ملا فتح اللہ شیرازی	حاشیہ بر تفسیر بیضاوی		متوفی ۱۰۳۷ھ
۴۴م۔ علامہ دوراں، محقق زماں سر آمد معقولین مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ	حاشیہ بر تفسیر بیضاوی، حاشیہ مقدمات تلویح، حاشیہ بر مطول حاشیہ بر شرح عقائد تفتازانی، حاشیہ بر عقائد دوانیہ، حاشیہ بر شرح شمسیہ، حاشیہ بر شرح مطالع حاشیہ بر حواشی عبد الغفور حاشیہ بر شرح ہدایۃ الحکمۃ، حاشیہ بر خیالی، حاشیہ بر قطبی، حاشیہ بر شرح حکمۃ العین، حاشیہ مراح الارواح۔		متوفی ۱۰۶۸ھ
۵۴م۔ علامہ احمد شہاب بن محمد خفاجی	حاشیہ بر تفسیر بیضاوی (آٹھ جلدوں میں حاشیہ شرح فرائض۔ حاشیہ بر حواشی رضی۔		متوفی ۱۰۶۹ھ
۶۴م۔ علامہ شیخ زین العابدین نجیم مصری	حاشیہ بر جامع الفصولین		متوفی ۱۰۷۰ھ
۷۴م۔ علامہ خیر الدین بن احمد رملی	حاشیہ بر اشباہ والنظائر۔ حاشیہ بر بحر الرائق۔ حاشیہ بر جامع الفصولین		متوفی ۱۰۸۱ھ
۸۴م۔ علامہ محمد علی حصکفی صاحب درمختار (فعن کیف بہ دیار بکر)	حاشیہ بر تفسیر بیضاوی (سورۂ بقرہ سے سورۂ بنی اسرائیل تک) حاشیہ بر درر		

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات

قرن دوازدہم
حواشی کا اہم دور ہندیہ

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۴۹۔ علامۂ دوران میرزاہد کابلی بن قاضی محمد اسلم کابلی	حاشیہ برشرح مواقف، حاشیہ بر تصور و تصدیق قطب رازی حاشیہ شرح ہیاکل	میرزاہد	متوفی ۱۱۰۱ھ
۵۰۔ علامۂ دوران ملا قطب الدین سہالوی شہید	حاشیہ برعقائد دوانیہ	نہایت بلند پایہ اور دقیق حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔	متوفی ۱۱۰۳ھ
۵۱۔ علامہ مولانا محمد محسن کشمیری	حاشیہ برہدایہ، حاشیہ برمطول		متوفی ۱۱۱۵ھ
۵۲۔ علامہ حافظ امان اللہ بنارسی ابن نور اللہ بن علامہ حسین بنارسی	حاشیہ برتفسیر بیضاوی۔ حاشیہ برعضدی۔ حاشیہ برتلویح، حاشیہ برحاشیہ قدیمہ، حاشیہ برشرح مواقف حاشیہ برحکمۃ العین، حاشیہ برشرح عقائد دوانی۔ حاشیہ بر رشیدیہ		
۵۳۔ علامہ عنایت اللہ قادری قصوری شطاری	حاشیہ برشرح وقایہ (دو جلدوں ہیں)	غایۃ الحواشی	متوفی ۱۱۴۱ھ
۵۴۔ علامہ نور الدین بن شیخ صالح احمد آبادی	حاشیہ برتفسیر بیضاوی، حاشیہ برشرح مواقف، حاشیہ برشرح المقاصد، حاشیہ برشرح مطالع حاشیہ برتلویح۔ حاشیہ برعضدی حاشیہ برمطول، حاشیہ برمنہل حاشیہ برشمسیہ، حاشیہ برشرح تہذیب، حاشیہ برشرح وقایہ، حاشیہ برشرح ملا جامی۔		متوفی ۱۱۶۰ھ
۵۵۔ علامہ ملا نظام الدین سہالوی	حاشیہ برشرح ہدایۃ الحکمۃ		متوفی ۱۱۶۱ھ
۵۶۔ علامہ شیخ عبد الرشید جونپوری	حاشیہ برمختصر عضدی۔ حاشیہ		

نمبر	نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
		بر کافیہ		متوفی ۱۱۷ھ
۵ا	علامہ مولوی محمد امجد قنوجی	حاشیہ بر صدرا		
۵	علامہ محمد فتح علی قنوجی	حاشیہ بر شرح تہذیب جلالی		متوفی ۱۱۹۹ھ

قرن سیزدہم ہجری

نمبر	نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۵۹	علامہ بحر العلوم ملا عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد لکھنوی ملقب بہ ملک العلماء	حاشیہ بر حواشی میر زاہد جلالی۔ حاشیہ بر میر زاہد۔ حاشیہ بر شرح ہدایت الحکمت	رسالہ	متوفی ۱۲۲۵ھ
۶۰	علامۂ دوراں سید احمد طحطاوی مفتئ مصر	حاشیہ در المختار		متوفی ۱۲۳۱ھ
۶۱	علامہ حافظ محمد احسن خوشابی پشاوری	حاشیہ بر قاضی مبارک (شرح سلم) حاشیہ بر تتمۂ اخوند یوسف		متوفی ۱۲۶۳ھ
۶۲	علامۂ دوراں مولانا فضل حق خیر آبادی	حاشیہ افق المبین حاشیہ بر تلخیص الشفاء، حاشیہ بر شرح سلم قاضی مبارک۔		متوفی ۱۲۷۸ھ
۶۳	علامۂ دوراں مولوی تراب علی ملقب بہ رکن الدین	حاشیہ بر تفسیر جلالین	ہلالین	متوفی ۱۲۸۰ھ
۶۴	علامۂ دوراں حافظ عبد العلیم لکھنوی	حاشیہ بر نور الانوار، حاشیہ بر شرح وقایہ، حاشیہ بر نفیسی شرح موجز۔ حاشیہ بر قدیمہ دوانیہ حاشیہ بر بدیع المیزان حاشیہ بر مصباح النحو۔	قمر الاقمار	متوفی ۱۲۸۵ھ
۶۵	علامہ مفتی محمد یوسف سہالوی	حاشیہ بر شرح مسلم ملا حسن حاشیہ بر شرح مسلم قاضی مبارک حاشیہ بر شرح شمس بازغہ، حاشیہ بر شرح وقایہ		متوفی ۱۲۸۶ھ
۶۶	علامہ مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادی	حاشیہ شرح سلم حمد اللہ حاشیہ شرح جغمینی حاشیہ بر عینی شرح ہدایہ	حاشیہ حمد اللہ	متوفی ۱۲۹۲ھ متوفی ۱۲۹۵ھ

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات

قرن چہاردھم۔ حاشیہ نگاران

نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
۶۸۔ علامہ احمد حسن کان پوری	حاشیہ بر شرح مسلم حمد اللہ		متوفی سنہ ۱۳۲۳ھ
۶۹۔ علامہ احمد حسن دہلوی	حاشیہ بر بلوغ المرام عسقلانی		متوفی سنہ ۱۳۳۶ھ
۷۰۔ علامہ افہام اللہ لکھنوی	حاشیہ بر شرح عقائد، حاشیہ بر حاشیہ خیالی حاشیہ بر شرح شمسیہ۔		متوفی سنہ ۱۳۱۷ھ
۷۱۔ علامہ الٰہی بخش فیض آبادی	حاشیہ شرح تہذیب یزدی، حاشیہ بر شرح مأۃ عامل		متوفی سنہ ۱۳۰۶ھ
۷۲۔ علامہ سید امیر علی لکھنوی	حاشیہ بر توضیح۔ حاشیہ بر تلویح حاشیہ بر تقریب التہذیب۔		
	حاشیہ شرح الوجیز	انوار الحواشی	متوفی سنہ ۱۳۰۲ھ
۷۳۔ علامہ قاضی انور علی لکھنوی	حاشیہ بر سراجیہ۔	ضوء السراج	
۷۴۔ علامہ ایوب بن یعقوب (کوئلی) (علیگڈھ)	حاشیہ بر توضیح و تلویح		متوفی سنہ ۱۳۲۳ھ
۷۵۔ علامہ دوست محمد ٹونکی	حاشیہ بر شرح ہدایۃ الحکمۃ		متوفی سنہ ۱۳۲۳ھ
۷۶۔ علامہ شوکت علی سندیلوی	حاشیہ بر شرح ملا جامی		
۷۷۔ علامہ عبد الحق خیر آبادی	حاشیہ بر حاشیہ غلام یحیٰ بر رسالہ میر زاہد حاشیہ بر حاشیہ مسلم حمد اللہ، حاشیہ بر شرح مسلم الثبوت۔		متوفی سنہ ۱۳۱۸ھ
۷۸۔ علامہ حافظ عبد الرحمٰن امروہوی	حاشیہ بر تفسیر بیضاوی۔ حاشیہ بر مطول۔ حاشیہ بر مختصر معانی،		متوفی سنہ ۱۳۱
۷۹۔ علامہ فضل حق رامپوری	حاشیہ بر حاشیہ ایساغوجی سید شریف۔ حاشیہ بر حاشیہ میر زاہد علی شرح المواقف، حاشیہ بر شرح		متوفی سنہ ۱۳۵۸ھ

عہد وفات	نام حضرت محشی	نام کتاب محشی	نام حاشیہ	حضرت محشی کا عہد وفات
		سلم حمد اللہ۔ حاشیہ بر تلویح، حاشیہ جلالین، حاشیہ بر مشکوۃ المصابیح		
١٣١ / ٨٢ھ	٨١- علامہ شیخ محمد طیب مکی	حاشیہ بر شرح سعدیہ شرح قطبیہ، حاشیہ بر مفصل		متوفی ١٣٣٤ھ
١٣٢ھ / ١٣١ھ	٨٢- علامہ وصی احمد سورتی المعروف بہ محدث سورتی	حاشیہ بر تفسیر مدارک، حاشیہ بر تفسیر بیضاوی، حاشیہ بر تفسیر جلالین۔		متوفی
١٢ھ	٨٣- علامۂ دوراں فقیہ زماں حضرت امام رضا قدس سرہ		آپ کے حواشی دو سو سے متجاوز ہیں ان میں سے چند حواشی کی صراحت آغاز کلام میں کر چکا ہوں۔	متوفی ١٣٤٠ھ

چودھویں صدی ہجری کے ان علمائے کرام، فقہائے عظام اور محدثین فہام کے حواشی کتب متداولہ فقہ، اصول فقہ کلام، معانی و بیان، بلاغت، تفسیر و حدیث کے سلسلہ میں جہانتک تفحص و تلاش کو دخل تھا۔ آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ ان علمائے کرام و مفسرین و محدثین عظام (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) نے جو تعلیقات تحریر فرمائی ہیں اور تصانیف مبسوط کا جو عظیم ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑا ہے اس کے تذکرہ اور تعارف کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے جو انشاء اللہ بشرط حیات پیش کروں گا۔ اس وقت تو آپکے سامنے حواشی کا قرن وار ایک سرسری جائزہ آپ کے سامنے پیش کرنا تھا۔ چودھویں صدی ہجری کے اکابر امت اور فضلائے ملت کے حواشی کی فہرست آپ کی نظر سے گزری اسی چودھویں صدی ہجری میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمۂ ہند ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کو ایک نابغۂ دوراں کے وجود با جود و کرامت سے نوازا تھا۔ جس کے تبحر علمی کا اور فضل و کمال کا اعتراف اپنوں نے ہی نہیں بلکہ غیروں نے بھی کیا ہے میری مراد اس نابغۂ دوراں سے علامہ فہام فقیہ اعظم و محدث امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے جس نے اس برصغیر پاک و ہند میں سرکار دو جہاں سرور ذیشان باعث تخلیق کائنات سرکار ابد قرار فخر آدم و آدمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو کور نگاہوں کی بصارت و بصیرت کے لئے روشناس کرایا اور بتایا کہ

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں ⁂ خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

چودھویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں کچھ کور نگاہوں نے اپنے خبث باطن سے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب عالیہ کی رفعتوں کو شیطان رجیم کے بہکانے سے کم کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کی جاہلانہ اور منافقانہ کوششیں کیں اس نابغۂ دوراں اور بطل جلیل نے اپنے قلم کو جنبش دی اور سیکڑوں رسالے ان بدبختوں اور بدنصیبوں کو راہ راست پر لانے کے لئے لکھے۔ حضرت امام رضا قدس سرہٗ کے وقت عزیز کا زیادہ تر حصہ اسی مبارک اور ضروری کام میں صرف ہوتا تھا۔ ان کا قلم ہر لحظ ورفعنا لك ذكرك کی تفسیر و تعبیر میں منہمک رہتا تھا اور تمام بازیسیں آپ عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سوز و ساز فراہم کرتے رہے۔ بایں ہمہ مصروفیت و مشغولیت آپ کا فضل و کمال اور تبحر علمی آپ کی طبع وقاد کو تصنیف و تالیف کے راستہ پر گامزن رکھتا۔ چنانچہ میں نہیں بلکہ چودھویں

صدی کا ایک مورخ، ادیب اور مصنف جس نے آپ کی ذات گرامی کی بلند قدروں کو گرانے کی سعی ناکام بھی کی ہے یہ کہنے پر مجبور ہے:

والف لبعض الرسائل اثناء اقامتہ بالحرمین. واجاب عن بعض المسائل التی عرضت علی علماء الحرمین. واعجبوا بغزارۃ علمہ وسعۃ اطلاعہ علی المتون الفقہیۃ والمسائل الخلافیۃ وسرعۃ تحریرہ وذکائہ (نزہۃ الخواطر جلد ۸)

مولف نزہۃ الخواطر اپنی سوانح حیات کے سلسلے میں رقمطراز ہیں اور یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ: کان عالماً متبحراً کثیر المطالعۃ واسع الاطلاع. لہ قلم سیال وفکر حاقل فی التالیف تبلغ مولفاتہ و رسائلہ علی روایتہ بعض مترجمہ الی خمس مائۃ مولف ٥

میرے اس مختصر مضمون میں یہ گنجائش نہیں کہ میں اس نابغۂ دوراں امام رضا قدس سرہٗ کی ان پانچ سو تصانیف کی فہرست اس جگہ پیش کر سکوں۔ میں نے التزام کیا ہے جیسا کہ میں اس مضمون کے آغاز میں عرض کر چکا ہوں کہ جن کی نگاہیں اعلیٰ حضرت والا مرتبت کی ان تصانیف تک نہیں پہونچی ہیں اور وہ یہ کہکر تذبذب کا شکار ہوتے ہیں۔ تبلغ مولفاتہ ورسائلہ علی روایتہ لبعض مترجمہ الی خمس مائۃ: ان کے سامنے حضرت امام رضا نور اللہ مرقدہٗ کے سیکڑوں میں سے صرف چند حواشی ان کے تعارف کے ساتھ پیش کر کے یہ بتاؤں کہ اے امام رضا کے فضل وکمال کے اعتراف سے پہلو تہی کرنے والو! تم علی روایتہ لبعض مترجمہ کہکر ان کے فضل وکمال پر کب تک پردہ ڈالو گے۔ آؤ اور دیکھو کہ اس نابغۂ دوراں اور غزالیٔ قرن چہاردہم نے حاشیہ نگاری کے میدان میں سمندر فکر کو کس طرح جولاں کیا ہے اور ان کی فکر رسا نے کن بلند مناروں پر کمندیں ڈالی ہے۔ آپ میری پیش کردہ فہرست حواشی ملاحظہ فرمائیں آپ پر ظاہر ہو جائیگا کہ علامہ سید شریف رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیالکوٹی متعدد حواشی میں سب سے آگے ہیں۔ لیکن حضرت امام رضا کی اس فہرست پر نظر ڈالئے کہ کن موضوعات متنوعہ پر قلم اٹھایا ہے اور ان کے حواشی کی تعداد کتنی ہے۔ اور یہ حواشی جن مختلف موضوع کتب پر لکھے گئے ہیں دنیائے علم وفضل میں ان کتب کا مقام کتنا بلند ہے۔

میرے پیش نظر جو حواشی ہیں ان کی موضوع وار یا فن کے اعتبار سے میں ایک فہرست آغاز کلام میں پیش کر چکا ہوں۔ میں جن حواشی کا تعارف پیش کر رہا ہوں ان کی تعداد پچاس کے قریب ہے اور یہ مختلف موضوع کتب پر ہیں۔ آپ یہ فہرست حواشی امام رضا قدس سرہٗ پر ملاحظہ کر چکے ہیں۔ فقہ اور اصول فقہ، منقولات کی دنیا کا جائزہ لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ علامہ ابن الصائغ یعنی محمد بن عبد الرحمان بن علی المعروف بہ شمس الدین ابن الصائغ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۷۶ھ) نے تعلیقات وحاشیہ نگاری کی ابتدا کی التعلیقہ فی مسائل دقیقہ" تصنیف کی اور اور مغنی ابن حسام پر حاشیہ لکھا یہ سب سے پہلا حاشیہ ہے جو دنیائے فقہ وحدیث میں لکھا گیا۔ یہ آٹھویں صدی کا اواخر ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آٹھویں صدی سے قبل حاشیہ نگاری کی طرف کیوں توجہ نہیں کی گئی۔ اس سلسلے میں معروض ہے کہ قرون سابق تصنیف وتالیف کی صدیاں تھیں۔ ان صدیوں میں جن موضوعات پر اصحاب قلم اور ارباب علم وفضل نے قلم اٹھایا اس کی مختصر سی فہرست بھی اگر میں پیش کروں تو یہ مضمون ایک مستقل کتاب بن جائیگا اور مجھے یہاں حواشی معتبرہ کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جس طرح تیسری صدی ہجری سے تدوین حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کام شروع ہوا اور صحاح ستہ کی تیسری صدی ہجری میں تدوین کی گئی اور اس کے بعد بکثرت مسانید ومعاجم اور جوامع مرتب ہوئیں اور آٹھویں صدی ہجری تک احادیث شریفہ کے صدہا مجموعے مرتب ہوئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تدوین حدیث کی طرف شوافع حضرات کی توجہ

زیادہ تر حضرات حنفیہ نے اپنی تمام ترتوجہ فقہ اور اصول فقہ کی طرف مبذول رکھی اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ اصول فقہ و فقہ میں وہی قلم اٹھا سکتا ہے جو تفقہ فی الحدیث میں کامل البضاعت ہو ہمارے اسلاف کرام جنہوں نے فقہ پر قلم اٹھایا اور اپنی تحقیق کے شاندار نمونے اپنی یادگار چھوڑے ان کی تعداد ہزاروں سے بھی افزوں ہے۔ ان فقہائے کرام کی سوانح حالات ملاحظہ کیجئے اور ان کے اکتساب علمی کی تاریخ پڑھیئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ فقہ پر وہی قلم اٹھا سکتا ہے جو علم تفسیر و حدیث و اصول فقہ میں نگاہ کامل رکھتا ہو۔ میں اس دور کی بات نہیں کر رہا ہوں کہ فقہی مسائل کے دریافت کرنے والے کم سواد حضرات اردو میں سوالات دریافت کرتے ہیں اور مفتیان کرام اردو ہی میں چند سطروں میں اس مسئلہ کے جواز و عدم جواز پر فتویٰ دیدیتے ہیں۔ نہ حوالہ کی ضرورت اور نہ تحقیق و تفحص کی۔ بہت ہوا تو شامی کا حوالہ دیدیا۔ چلئے جیتی ہوئی استنباط فقہی کے لئے جس وقت نظر اور وسعت علمی کی ضرورت ہے اس کو اس دور میں تلاش نہ کیجئے سہل انگاری مانع آتی ہے۔ وقت کا زیاں کون کرے اور نہ مستفتی اس کا خواہاں! اس کے لئے مفتی صاحب سے صرف لفظ جائز و ناجائز کافی ہے۔ دور نہ جائیے ذرا فتاویٰ رضویہ کی جلدیں ملاحظہ فرما لیجئے۔ چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے اس میں تحقیق کا کس قدر حق ادا کیا ہے۔ مسئلہ کے ہر ہر پہلو کا جائزہ لیا ہے اور پھر اس کو فقہائے متقدمین ہی کے اقوال سے مستدل نہیں کیا ہے بلکہ اپنی قوت و استدلال و استنباط سے احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گراں قدر و وسیع ذخیرہ کا جائزہ لیا ہے اور مسئلہ کے جواز و عدم جواز کے لئے حدیث مبارکہ پیش کی ہے۔" اس کا نام ہے تفقہ فی الحدیث" اور کوتاہ بین تعصب کی عینک سے جب دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں" وکان راسخا طویل الباع فی العلوم الریاضیۃ والھیئۃ والنجوم والتوقیت ملما بالرمل والجفر مشارکا فی اکثر العلوم قلیل البضاعۃ فی الحدیث والتفسیر (نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۴۱)

حیرت ہے کہ ایک طرف تو امام رضا کو قلیل البضاعت فی الحدیث" کہا جاتا ہے اور دوسری طرف آپ کو فقیہ کہا جاتا ہے اور آپ کے تفقہ کا اعتراف کیا جاتا ہے یا للعجب؟

یہ مسلمہ ہے کہ علم فقہ پر عبور بغیر حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دسترس کامل اور نظر بالغ کے ناممکن ہے کہ فقہ کا مبنیٰ اس کا مصدر و ماخذ احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی تو ہیں کہ قرآن حکیم نے کلیات شرائع کو پیش فرمادیا ہے اور دینی و دنیاوی زندگانی کے تمام مسائل و معاملات ان کلیات کی شرح یعنی حدیث (نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) میں موجود ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم"

اسی بیان یعنی تشریح و تفسیر کا نام حدیث نبوی ہے۔ میں یہاں اس موضوع پر اور کچھ لکھنا نہیں چاہتا کہ اس وقت میرا موضوع یہ نہیں ہے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تیرھویں اور چودھویں صدی کے وسط تک علوم و فنون" اسلامیہ" باوجودیکہ انگریزی حکومت نے ان کے مٹانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ترقی پر گامزن تو نہیں اس طرح تنزل کا شکار نہیں ہوئے تھے جس طرح چودھویں صدی کے اواخر میں وہ تنزل کی آخری حدوں کو چھونے لگے ہیں۔ اس تنزل کے اسباب و علل پر یہاں بحث کا موقع نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود تھا کہ علوم اسلامیہ تفسیر و حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، شروح کتب معتبرہ حدیث و فقہ، تذکرہ ہائے حفاظ و محدثین، طبقات الفقہاء پر چوتھی صدی میں ہجری سے جو کام شروع ہو کر دسویں صدی ہجری تک برابر ارتقا پذیر رہا اور اس طرح اس کو ترقی ہوئی کہ ملت اسلامیہ کے وسیع دامن میں گنجائش باقی نہیں رہی۔ ان کے کتب خانے اسلامیات پر گرانمایہ تصانیف اور ان کی شروح سے

بھر گئے۔ پھر وتلک الایام نداولھا بین الناس کے مصداق تصنیف وتالیف کی یہ تیز رفتاری ختم ہونے لگی منقولات کا تاج عزت معقولات کے سر پر رکھدیا گیا اور دسویں صدی ہجری سے ہند میں معقولات کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ آج بھی درس نظامی میں معقولات کی کٹھن اور بے سود منزل سے گذرے بغیر چارہ نہیں۔ دسویں صدی ہجری کے بعد اس برصغیر میں علمائے کرام منقولات پر بھرپور توجہ صرف کرتے ہوئے حاشیہ نگاری کی طرف بھی مائل ہوئے اور چودھویں صدی ہجری تک حاشیہ نگاری کو اس کمال تک پہونچا دیا کہ شاید ہی کوئی مستند اور معتبر کتاب خواہ وہ کسی فن پر ہو حاشیہ سے ضرور آراستہ نہ ہوئی ہو۔ حاشیہ نگاروں کے تعارف کے سلسلہ میں یہ بتادوں کہ فقہی حاشیوں کا یہ سرمایہ اور شروح کا یہ ذخیرہ جو میں پیش کر رہا ہوں تمام تر فقہ حنفیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ باقی مذاہب ثلاثہ یعنی شافعی، مالکی اور حنبلی فقہا اور ان کے حواشی کا تعارف میں یہاں پیش نہیں کر رہا ہوں۔ مذاہب اربعہ کے فقہی سرمایہ کو اگر پیش کروں تو یہ مضمون ایک مبسوط کتاب بن جائیگا جبکہ فقہ حنفیہ کے حواشی ہی ایک ضخیم کتاب کی صورت اختیار کر سکتے ہیں اگر میں قدرے تفصیل سے ان پر قلم اٹھاؤں۔

الحمد للہ کہ مذہب حنفیہ فقہ اور اصول فقہ میں ایسا گرانقدر ہی نہیں بلکہ وقیع اور بے شمار کتابوں کا سرمایہ اپنے دامن میں رکھتا ہے کہ اس کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جس کی تفصیل میں یہاں پیش کرنے سے معذور ہوں۔

فقہ حنفیہ کے متون ہی صدہا سے متجاوز ہیں پھر ان کی شرح کا شمار ہزاروں تک پہونچتا ہے اور ان کے ہزاروں حواشی اس پر مستزاد ہیں! یہ گنج گرانمایہ ہمارے اسلاف اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے قلم سے منظر عام پر آئے اور جن کے بارے میں ابتدا میں کچھ عرض بھی کر چکا ہوں۔ کاش امام رضا کی طرح کچھ اور ارباب بصیرت اور صاحبان قلم نے اس طرف توجہ کی ہوتی اور قرون ماضیہ کے علماء کرام اور فضلائے عظام کی طرح ان کتب پر حواشی تحریر کیے ہوتے تو کس قدر عظیم سرمایہ ان حواشی کا آج ہمارے پاس موجود ہوتا۔

ساتویں صدی ہجری تک فقہ حنفیہ پر بڑی تیز رفتاری سے کام ہوتا رہا۔ بالکل اسی طرح جیسے تدوین حدیث پر کام ہو رہا تھا معقولات کی طرف علمائے کرام کی توجہ کم تھی وہ منطق و فلسفہ، معانی و بیان کو تفسیر و حدیث و فقہ پر کس طرح ترجیح دے سکتے تھے چنانچہ علمائے کرام کا تمام تر مطمح نظر تفسیر نگاری، تدوین حدیث اور اس کے بعد فقہ کی تالیف تھی۔ اہل سنت و جماعت کے مذاہب اربعہ مختلف ممالک میں نشو و نما پا رہے تھے اور فقہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ پر کتب کی تدوین و تالیف کا کام جاری تھا اگرچہ چوتھی صدی ہجری سے دور تقلید شروع ہو چکا تھا اور مسائل فقہی پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا تھا لیکن علمائے کرام (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کار دین و ملت سے غافل نہیں بیٹھ سکتے تھے لہذا مسالک مذاہب فقہی کی ان کتابوں کی جو ان مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کا مدار، ماخذ اور مبنیٰ تھیں شروح لکھی جانے لگیں۔ شرح نگاری کا یہ کام جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ساتویں صدی ہجری تک بڑی تیز رفتاری سے ہوا۔ فقہ حنفیہ کی مدار، مبنیٰ اور ماخذ جو کتابیں ہیں میں انکا ہی یہاں ذکر کروں گا۔ دیگر مذاہب ثلاثہ کی بنیادی کتب اور ان کی شروح کا ذکر مقصود نہیں!

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس تدوین فقہ میں جو کتب مرتب ہوئیں وہ فقہ حنفیہ کی کتب اولیہ میں شامل ہیں۔ کتب نوادر، کتب ظاہر الروایات فقہ حنفی کا اصل سرمایہ ہیں۔

کتب ظاہر الروایات اور کتب نوادر میں یہ کتب شامل ہیں ظاہر الروایات میں یہ چھ کتابیں ہیں۔ المبسوط، جامع الصغیر، الجامع

الکبیر، کتاب السیر الکبیر، کتاب السیر الصغیر، زیادات۔ ان کتب ستہ کو حاکم الشہید ابو الفضل مروزی (م ۳۴۴ھ) نے ایک بہت ہی ضخیم کتاب "الکافی" میں جمع کر دیا ہے اور آج یہی "الکافی" مطبوعہ موجود ہے۔ کتب نوادر بھی بہت سی کتابوں پر مشتمل ہے یعنی امالیات، رقیات، ہارونیات، جرجانیات، کتاب المخارج، کتاب الحیل اور زیادۃ الزیادات۔ فقہ حنفیہ کے بیشتر احکام کا مبنیٰ و ماخذ کتب ظاہر الروایات ہیں۔ تیسری صدی ہجری سے ان کتب کی شروح کا کام شروع ہوا اور امام حسن اور امام محمد (رحمۃ اللہ علیہم) کی تمام اہم اور مبسوط اور ضخیم کتابوں کی شروح لکھی گئیں۔

فقہ حنفیہ کی مبنیٰ اور ماخذ کتب میں شاید ہی ایسی کوئی کتاب باقی رہی ہوگی جس کی شرح نہ لکھی گئی ہوں اور پھر ان شروح کی شرحیں اور ان شرحوں کی شروح کا ایک لامتناہی سلسلہ جو شروع ہوا تو گیارہویں صدی ہجری تک قائم رہا۔ مثال کے طور پر صرف دو تین کتابوں کی یہاں نشاندہی کروں گا جس سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ شرح نگاری پر کس قدر کام ہوا۔ چونکہ شرح نگاری کی تاریخ میرا موضوع نہیں ہے اس لئے میں صرف دو کتابوں اور اس کی شروح کے بارے میں عرض کروں گا۔

فقہ حنفیہ کی مشہور اور متداول کتاب ہدایہ مشہور زمانہ ہے جو علامہ برہان الدین مرغینانی کی تالیف ہے (م ۵۹۳ھ) ہدایہ چار جلدوں پر مشتمل ہے اسکی شروح میں علامہ سروجی کی "الغایۃ" علامہ کمر لانی کی کفایہ علامہ تاج الشریعۃ کی "وقایہ" اس وقایہ کا مقدمہ صدر الشریعۃ نے لکھا۔

علامہ سغنانی نے "نہایہ" کے نام سے۔ علامہ بابرتی نے "عنایہ" کے نام سے اور علامہ عینی نے "بنایہ" کے نام سے اور علامہ کمال الدین بن ہمام نے "فتح القدیر" کے نام سے چھ جلدوں میں اس کی شرح لکھی۔

اسی طرح کنز الدقائق، جو فقہ حنفیہ کے چار متون میں سب سے زیادہ مشہور ہے اس کی شروح بھی بکثرت لکھی گئی ہیں۔ تبیین الحقائق مولفہ زیلعی، رمز الحقائق مولفہ علامہ عینی، بحر الرائق علامہ نووی کی نہر الفائق مولفہ عمر بن نجیم منحۃ الخالق مولفہ ابن ابن عابدین، کشف الحقائق مولفہ علامہ افغانی۔ شروح کے بارے میں یہ میں نے جو کچھ عرض کیا بطور نمونہ تھا۔ شروح کے ساتھ ساتھ حاشیہ نگاری پر بھی فضلائے عصر اور علمائے زمانہ قلم اٹھاتے رہے جس کا اندازہ آپ کو حواشی کی قرن دار صراحت سے ہو گیا ہوگا۔

برصغیر پاک و ہند میں دسویں اور گیارھویں صدی ہجری معقولات کی ترقی کا دور ہے۔ میری پیش کردہ حاشیہ نگاری کی تاریخ پر نظر ڈال لیں تو آپ کو صاف نظر آئیگا کہ برصغیر پاک و ہند میں ان صدیوں میں معقولات پر بکثرت حواشی لکھے گئے اور اس کا سلسلہ چودھویں صدی ہجری تک جاری و ساری رہا اور حضرت امام رضا قدس سرہٗ نے معقولات و منقولات، سیر و طبقات کی اکثر مشہور زمانہ کتب پر حواشی تحریر فرمائے۔ ان بے شمار حواشی میں سے چند میں آپ کے سامنے بغرض تعارف پیش کر رہا ہوں جن کی فہرست اوراق سابق میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہے۔ قبل اس کے کہ میں حواشی امام رضا کا آپکے سامنے تعارف پیش کروں۔ یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ حاشیہ نگاری کیا ہے؟ اور مختصر طور پر آپ کے سامنے حاشیہ، تعلیقات اور شرح کی صراحت کردوں تاکہ آپ پر ان تینوں کا باہمی فرق واضح ہو جائے۔ میں سب سے پہلے شرح کے سلسلہ میں کچھ عرض کروں گا۔

حاشیہ، تعلیقات اور شرح

شرح کسی کتاب کی شرح خواہ وہ کسی متن سے متعلق ہو توضیح و مطالب و تصریح کے لئے اصل متن سے زیادہ ضخامت اور حجم کی خواہاں ہوتی ہے کہ شرح نگاری سے شارح کا یہی مقصود ہوتا ہے کہ ان مباحث و مطالب کو جو صاحب متن (یا ماتن) نے پیش کئے ہیں واضح سے واضح تر صورت میں پیش کرے اور جن نکات کو ماتن نے پیش نہیں کیا ہے اور جن مضمرات کی وضاحت نہیں کی ہے ان کی وضاحت پیش کرے اگر متن میں اغلاق ہیں تو شارح ان کی وضاحت کرے۔ حدیث شریف کے اکثر مجموعوں کی شروح لکھی گئی ہیں اور اپنی وضاحت و تعبیرات و مسائل فقہیہ و شرعیہ کے مستدل ہونے کے باعث ہر ایک شرح اس کے متن سے زیادہ ضخیم ہے۔ حدیث کے متعدد طرق جو شارح کی نگاہ میں ہوتے ہیں وہ ان کو پیش کرتا ہے۔ حدیث کے راویوں پر بحث کرتا ہے حدیث کے حسن غریب یا دیگر اقسام پر بحث کی جاتی ہے اگر صاحب متن سے اس سلسلہ میں اختلاف ہوتا ہے تو اس کو استدلال و براہان کے ساتھ بیان کرتا ہے جن فقہی مسائل کا اس حدیث سے استخراج ہو سکتا ہے ان کو مستنبط کرتا ہے اگر کسی مذہب کی وہ حدیث مؤید ہوتی ہے یا اگر کسی مسلک پر اس سے جرح ہو سکتی ہے تو اس کی تعدیل یا جرح کرتا ہے۔ رواۃ حدیث کا بھی شارح تعارف کراتا ہے۔ حدیث کی شان ورود شارح بیان کرتا ہے اگر دوسرے شارحین بھی اس کے موجود ہیں تو ان کے اقوال بھی پیش کرتا ہے لغات حدیث اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے معانی اور بیان کے مسائل پیش کئے جاتے ہیں۔ صرفی اور نحوی نکات زیر بحث آتے ہیں۔ یہاں اتنا موقع نہیں کہ میں شرح کے سلسلہ میں کچھ کھل کر لکھ سکوں میں صرف ایک مثال پیش کروں گا۔ حدیث مشہورہ **انما الاعمال بالنیات** ایک ایسی حدیث ہے کہ صحاح ستہ میں سے کئی ایک صحیح ایسی ہیں جن کا آغاز اسی حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے۔ ائمہ مذاہب اربعہ نے اپنے اپنے مسلک و مذہب کی تائید کے لئے اس حدیث مبارکہ کی تشریح و توضیح کی ہے اور اس پر کھل کر بحث کی گئی ہے کہ باء کا متعلق مقدر کیا ہے۔ حضرات شوافع "تصح بالنیات" کو مقدر مانتے ہیں اور صحت شرعی اس سے مراد لیتے ہیں۔ محققین، فقہاء احناف "ثواب الاعمال بالنیات" کو مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال کے ثواب کا مدار باعتبار نیت ہے یہ تحقیق علامہ شمس الدین سروجی صاحب العنایہ کی ہے جو شارح ہدایہ ہیں اور دوسرے مسالک کے ائمہ نے اپنے اپنے مسلک کی تائید کے لئے دلائل و براہین پیش کئے ہیں اور بات "نیت وضو" تک جا پہونچی۔ حضرات شوافع نے کہا ہے کہ ایسے وضو سے جس کی نیت نہ کی گئی ہو نماز نہیں ہوگی اور احناف کہتے ہیں کہ وضو کے مفتاح الصلوٰۃ ہونے میں نیت شرط نہیں یعنی ہم احناف استدلال میں پانی کے مطہر طبعی ہونے کو پیش کرتے ہیں البتہ تیمم کے لئے نیت شرط ہے اس سلسلہ میں شارحین نے اپنے اپنے تبحر علمی سے عجیب و غریب نکات پیش کئے ہیں صرف اسی ایک حدیث مبارکہ کے تحت اس قدر مباحث آگئے ہیں کہ بعض شروح کے ۲۵ - ۳۰ بڑے سائز کے صفحات کو وہ مسائل محیط ہیں۔

ایسا ہی حال کتب فقہ کی شروح کا ہے۔ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب "تنویر الابصار" ہے (جو ہدایہ کی شرح ہے) اسی تنویر الابصار کی شرح "در المختار" ہے اور اس کی شرح "رد المحتار" ہے۔ میں یہاں تنویر الابصار سے ایک مثال پیش کرتا ہوں جس میں تنویر الابصار کے متن کو خط کشیدہ کروں گا اور اس کی شرح در المختار کو غیر خط کشیدہ رکھوں گا پھر اس کا ترجمہ پیش کروں گا تاکہ آپ کو یہ اندازہ ہو سکے کہ شرح نگاری کے لئے کس تبحر اور دقت نظر کی ضرورت ہے اور کتنا مشکل کام ہے اور ایک شارح کو

کن دشوار مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے تنویر الابصار جلد اول

(در المختار یعنی شرح تنویر الابصار) فرضت فی الاسراء لیلۃ السبت سابع عشر رمضان قبل الہجرۃ لسنۃ ونصف وکانت قبلہ صلوٰتین قبل طلوع وقبل غروبہا (شمنی)

ترجمہ :۔ نماز معراج شریف میں شب شنبہ رمضان شریف کی سترھویں تاریخ کو ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل فرض ہوئی اور معراج شریف سے قبل صرف دو نمازیں تھیں ایک طلوع آفتاب سے قبل اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے شمنی نے ایسا ہی لکھا ہے۔

اب درّ المختار میں اس کی شرح ملاحظہ فرمایئے میں یہاں متن طویل نقل نہیں کروں گا صرف ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

رد المحتار یعنی شرح درمختار اور شارح (تنویر الابصار) یا صاحب در المختار نے رمضان شریف میں وقوع معراج کا ذکر کیا ہے وہ ایک قول ہے اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ معراج ماہ رجب میں ہوئی اور لوگوں میں بھی یہ قول مشہور ہے۔ امام نووی نے "سیر الروضہ" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اسی طرح اس حدیث شریف کی شرح جو بدء وحی کے سلسلہ میں ہے اور علامہ بخاری نے جس کو باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روایت کیا ہے آپ شرح بخاری مطالعہ فرمایئے اور ان ابحاث کو ملاحظہ کیجئے کہ شارحین کرام نے اپنی ذکاوت فہم اور فراست علمی سے کیا کیا نکات پیدا کئے ہیں اور کتنے دینی مسائل کو پیش کر کے اُمت مسلمہ کو مرہون منت بنایا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ بخاری کی شرح "فتح الباری" اور علامہ حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) شرح بخاری از علامہ عینی عالمانہ تحقیق و تدقیق، استنباط و استخراج مسائل فقہیہ اور مسائل علمیہ پڑھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔ شارحین حضرات کا مقام علمی اور تبحر اس وقت آپ پر ظاہر ہوگا۔ مسائل عقلی و نقلی کے دریا بہائے ہیں اور ان شارحین حضرات کی فکر رسا نے ان مناروں پر کمند ڈالی ہے جہاں تک فکر انسانی پہونچ سکتی ہے۔ صرف بخاری ہی پر حصر نہیں ہے بلکہ آپ صحاح ستہ کی شرح کو دیکھئے کہ یہ شروح متون صحاح سے کس قدر ضخیم ہیں۔ اسی طرح حدیث مبارکہ کے اور مجموعے موسوم بہ صحاح و جوامع و مسانید اور معاجم ہیں جن سے ہمارے کتب خانے الحمد للہ معمور ہیں۔ تصریح بالا کا مقصد یہ تھا کہ شارح جب کسی کتاب کی شرح کرتا ہے تو اس کے ہر پہلو پر نظر ڈالتا ہے اور متن کی ہر ہر سطر کی اس طرح وضاحت کرتا ہے کہ جو نکات متن میں مضمر تھے وہ سب کے سب عیاں ہو جائیں۔ شارح کے لئے بھی اتنے ہی مبلغ علم، ذکاوت و دقت نظر کی ضرورت ہے جو صاحب متن کو حاصل تھا۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ شارح نے شرح میں "شارح تنویر الابصار" کے دن کا تعاقب کیا۔ صاحب درمختار کے کمال علمی کے پیش نظر ان کے قول کی تغلیط تو نہیں کی لیکن احتیاط کے ساتھ ایک قول یہ ہے" کہہ کر ان کے قول کی تردید کردی۔

شرح نگاری کی خصوصیات اور لوازم کو بیان کر کے میں اس سلسلہ کو طول دینا نہیں چاہتا۔ آپ کے سامنے صرف فقہ حنفیہ کی مشہور زمانہ کتاب "فتح القدیر" کا ایک صفحہ ایسا پیش کر رہا ہوں جس میں کتاب کا متن پھر متن کے ساتھ اس کی شرح ہے اور شرح کے تحت اس کی شرح اور پھر اس کے حواشی۔ ذیل میں عکسی صفحہ ملاحظہ کیجئے۔ ہدایہ جو فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ہے کتاب کا آغاز لفظ "الحمد" سے ہوتا ہے۔ گویا یہ ہدایہ کا متن ہے۔ اس کے نیچے اس کی شرح "فتح القدیر" ہے اس کے ذیل میں علامہ قاضی زادہ کا تکملہ ہے اسی کے ساتھ علامہ کرلانی کی شرح "کفایہ علی الہدایہ" ہے اور اس پر حاشیہ۔

اس طرح اس صفحہ سے آپ کو متن، اس کی شرح، اس شرح پر حاشیہ سب کے مطالعہ کا موقع مل جائیگا۔

یہ تو تھی شرح نگاری کی مختصر کیفیت اور ایک شارح کے مختصر اوصاف علمی اور اس کا نمونہ ایک مشہور شرح اور اس شرح کی شرح اور اس کے حواشی کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ ایک شارح کن کن مراحل سے گزرتا ہے اور کسی متن کی تشریح و توضیح و تصریح میں اس کی نظر کہاں تک تلاش و تجسس میں پہونچتی ہے اور کن کن زاویوں سے جائزہ لیتی ہے۔ آیئے اب شرح کے بعد تعلیقات کے بارے میں کچھ عرض کروں پھر حاشیہ نگاری کے فن کا جائزہ پیش کروں گا۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد امام رضا قدس سرہ کے حواشی کا آپ سے تعارف کراؤں گا کہ ان تصریحات کے بعد ہی آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حاشیہ نگاری کتنا اہم اور مشکل مرحلہ ہے۔

تعلیقات نگاری

تعلیقات! یا تعلیقات نگاری سے مراد کسی متن کی ایسی صراحتیں ہیں جو تفصیل و تصریح کے سلسلہ میں شرح کی تو محتاج نہیں کہ اس صورت میں اس متن کے لئے شرح کی ضرورت ہوتی اور تعلیقات سے مقصد برا نہیں ہو سکتا تھا۔ تعلیقات نگاری میں متن کے کسی نکتہ کے سلسلہ میں کوئی ایسی وضاحت مقصود ہوتی ہے جو صاحب متن نے ترک کر دی تھی یا کسی اس مسئلہ کے سلسلہ میں جو صاحب متن نے بیان کیا ہے مزید دلائل و براہین پیش کرنے مقصود ہوتے ہیں یا متن سے کسی مسئلہ کا استخراج کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں تعلیقات نگار ذیل متن میں یا متن کے حاشیہ پر اس کو بیان کر دیتا ہے یا کسی خلافی دلیل کو ماتن کے مقابل میں پیش کرتا ہے اور ماتن کا تعقب کرتا ہے یا تعریض ــــ تعلیقات عموماً متن کے ذیل میں نگارش کی جاتی ہے البتہ حاشیہ پر اس وقت تعلیقات کو نذر قلم کرتے ہیں جبکہ متن پر حواشی کی نگارش مقصود و مطلوب نہیں ہوتی شرح اور تعلیقہ کا خاص فرق یہ ہے کہ شرح میں متن کی کسی سطر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ تمام و کمال متن کی تصریح و توضیح کی جاتی ہے اور تعلیقات میں یہ ضروری نہیں۔ تعلیقات نگار متن کے جس جزو کی چاہتا ہے تعلیقات کے ذریعہ وضاحت کرتا ہے اس پر پابندی نہیں کہ شرح کی طرح تمام متن کی وضاحت کرے۔ تعلیقات نگار متن کے جس قدر حصہ پر چاہتا ہے تعلیقات لکھتا ہے اور پھر متن کے اس قدر حصہ کو تحریر کرنے کے بعد خط کھینچ دیتا ہے اور اس کے نیچے "تعلیقات" لکھتا ہے۔ تعلیقات نگاری میں بھی شرح کی مانند اسی دیدہ وری، تبحر علمی، ژرف نگہی، قوت استدلال اور موضوع متعلقہ پر کامل عبور درکار ہوتا ہے۔

تعلیقات نگاری، شرح نگاری یا حاشیہ نگاری کی طرح عام نہیں ہے۔ حواشی اور شروح کتب فقہ و اصول فقہ، حدیث و علم کلام، علم منطق، علم حکمت پر جس قدر لکھے گئے ہیں ان کا شمار و بیان مشکل ہے۔ حواشی سے زیادہ شروح لکھی گئی ہیں تعلیقات ان دونوں سے بہت کم ہیں۔

محقق دوراں، فقیہ زماں، محمد بن احمد بن محمود نسفی (متوفی سنہ ۴۱۴ھ) تعلیقات نگاری میں اولیت کا شرف رکھتے ہیں آپ نے علم خلاف پر تعلیقات تحریر کی ہیں۔ علامہ محمد بن احمد بن محمد بن احمد محمود نسفی فقیہ، محدث و متکلم جو حنفی المذہب اور فنی امتیاز رکھتے اور موصل میں مدتوں منصب قضا پر آپ فائز رہے۔ فقہ کی بعض کتب پر آپ کی تعلیقات مشہور ہیں۔

علامہ ابن صائغ یعنی محمد بن عبد الرحمن بن علی المعروف بہ شمس الدین ابن صائغ کی تعلیقات التعلیقہ فی مسائل الدقیقہ کے نام سے مشہور ہیں۔ میں اس سلسلہ میں مزید تعلیقات نگار حضرات کا تذکرہ نہیں کروں گا کہ مضمون طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے کسی اور موقع پر حواشی نگار حضرات کا جس طرح قرن وار پیش کیا ہے اسی طرح شروح و تعلیقات نگار حضرات کا قرن وار ذکر کروں گا انشاء اللہ۔

اب میں تعلیقات کی وضاحت کے لئے فقہ حنفیہ کی مشہور و معروف کتاب جس کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں یعنی "مختصر قدوری" جو
کا ایک صفحہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ تعلیقات، حاشیہ اور شرح کا کیا فرق ہے۔ مختصر قدوری کا
عکسی صفحہ آپ ملاحظہ کیجئے تعلیقات نگار ہیں حضرت علامہ فہامہ محی الدین سلیمان الانصاری اور ماتن ہیں علامہ دوراں فقیہہ اعظم
اجل ابی الحسین احمد بن محمد ابن جعفر القدوری۔

میں قرن وار تعلیقات کی صراحت سے یہاں اس لئے مجبور ہوں کہ مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے اور ایک مجلہ اس بار گراں یا طوالت
کا متحمل نہ ہو سکے گا۔ ورنہ میں آپ کو بتاتا کہ ہمارے اسلاف کرام (علمائے متقدمین) نے ہر دور میں تعلیقات نگاری پر بھی قلم اٹھایا ہے
تعلیقات کا بھی ایک گرانقدر سرمایہ ہماری سہولت فہم اور رسائی فکر کے لئے چھوڑا ہے لیکن حواشی اور شرح سے کم۔

حاشیہ یا حاشیہ نگاری کیا ہے؟

حاشیہ اگرچہ شرح کی طرح لازمہ ہر سطر نہیں ہوتا لیکن شرح سے زیادہ دقت نظر کا طالب و خواہاں ہے۔ محشی اپنے نقطہ نظر
سے جس جملہ، جس کلمہ یا جس لفظ کو تصریح و توضیح کے لئے ضروری خیال کرتا ہے اس کو حاشیہ کے لئے منتخب کرتا ہے کہیں معنی کی وضاحت
مقصود ہوتی ہے کہیں تصریح اور توضیح کے بجائے وہ ماتن سے اختلاف کرتا ہے اور اس اختلاف کو وہ ماتن کے معاصرین، دوسرے
مصنفین، ماتن کے پیشروں کے بیان کے حوالوں سے مستدل و مبرہن کرتا ہے کبھی خود ہی اختلاف پر دلیل پیش کرتا ہے۔ ان مراحل سے
گذرنے کے لئے ضروری ہے کہ محشی کی نگاہ ان تمام کتابوں تک پہونچی ہو جن کو وہ اپنے تعقب میں بطور استدلال پیش کر سکتا ہو کتب خانہ موجود
اور کتب فقہی پر حاشیہ نگاری اس اعتبار سے ایک بڑا مشکل مرحلہ ہے کہ ہر دو موضوعات پر ہزاروں کتابیں تصنیف و تالیف کی گئی ہیں۔
اصل متون کی صدہا شرحیں اور پھر ان شرحوں پر بے شمار اصحاب علم و فکر کے اقوال بطور تائید یا تعریض موجود ہیں محشی کے مطالعہ سے جب تک
یہ کتابیں نہ گزری ہوں نہ وہ حوالے دے سکتا ہے نہ اپنے قول یا اپنے اعتراض کی تائید میں کسی حوالے کو پیش کر سکتا ہے نہ کسی کے قول کو دلیل
بنا سکتا ہے۔ غرضیکہ محشی کے لئے وسعت مطالعہ، قوت استخراج و استدلال، جودت فکر و ذہن، تبحر علمی اور کمال فن ایسے لوازم ضروری
ہیں کہ ان کے بغیر وہ حاشیہ نگاری کے مشکل راستہ پر قدم نہیں اٹھا سکتا اور ان لوازم کے ساتھ قوت تحفظ و تذکر بھی بہت ضروری ہے
بیان پر اس کو اس قدر قدرت حاصل ہو کہ وہ اپنے اعتراض کو اپنے تعقب کو جو اس نے دوسرے پر کیا ہے۔ مختصر سے مختصر الفاظ میں پیش
کر سکے کہ حاشیہ، تعلیقات یا شرح تو نہیں ہے کہ تفصیل کا متحمل ہو سکے اگرچہ متقدمین فضلاء و علماء نے بعض ایسے حواشی بھی تحریر کئے
ہیں جو اصل متن سے بڑھ گئے ہیں لیکن اس میں تشریحی رنگ پایا جاتا ہے حاشیہ نگاری میں حاشیہ نگار کی نظر اس قدر وسیع ہونی
ہے کہ اکثر مقامات پر وہ ماتن کو راہ صواب دکھاتا ہے اور اس کی غلطی سے آگاہ کرتا ہے اس منزل پر محشی کا تبحر علمی، ماتن سے مراحل
آگے بڑھ جاتا ہے اسلاف پرستی یا شہرت بزرگی یا طنطنۂ عظمت و سربلندی کو وہ اپنی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتا۔

فقہ میں اس حاشیہ نگاری نے ہماری بڑی راہنمائی کی ہے ہم امور دینوی میں جب ایسے مقام پر راہنمائی کی ضرورت محسوس
کرتے ہیں جہاں ہمارے اسلاف کرام نے ہمارے لئے راستہ متعین نہ کیا ہو تو مستند اور معتبر علمائے کرام کے یہ حواشی ہماری راہنمائی کیا
فرماتے ہیں اور شاید ہمارے بزرگوں اور علمائے سلف نے حاشیہ نگاری کو اسی غرض سے اپنایا تھا کہ مسائل یومیہ در معاملات روزمرہ بلکہ

منفرق جہاں کہیں ہم کو کسی عقدۂ لاینحل سے دوچار ہونا پڑے تو یہ حواشی ہماری عقدہ کشائی کریں۔ میں اگر علمائے سلف کی کتابوں
کی سے اپنے اس بیان اور اپنی اس تصریح کی تائید پیش کروں تو بہت سے صفحات پُر ہو جائیں گے اس لئے میں امثال سے گریز
کرتے ہوئے یہ بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی کا کیا مقام ہے اور آپ کے حواشی کا کیا مرتبہ ہے اور
نے حواشی رضا قدس سرہٗ کا یہ جائزہ کیوں پیش کیا ہے؟ حواشی حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے تحقیقی جائزہ سے بجز اس کے
مقصود نہیں کہ قارئین اور ارباب علم و فضل کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت والا مرتبت کا پایۂ علم کیا ہے ان کے تبحر علمی کی
پہنائیوں اور پہنائیوں کا کیا عالم تھا ان کے فکر کی گیرائی کس منزل پر تھی ان کی فکر رسا کن کن مناروں پر کمند ڈالتی تھی۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ ایک مقلد تھے آپ کا مسلک حنفی تھا لیکن آپ ایسے مقلد تھے جس کی تقلید کے دامن میں اجتہاد کی وسعتیں
تمام تر گیرائیوں اور گہرائیوں کے ساتھ سمٹ کر آ گئی تھیں۔ وہ مجدد تھے لیکن ایسے مجدد کہ آپ کے تجدد نے علم و فکر کے ان گوشوں
صاحبانِ طلب کو پہونچایا جو رہنما کی نایابی کے باعث جمود ہو کر بیٹھ گئے تھے اسلاف پرستی اور شخصی عظمتوں کے اعتبارات علم
لئے تحقیق و تجسس، تفحص و تفکر کے راستوں پر اعتماد و یقین کے ایسے دبیز پردے ڈال دیئے تھے کہ نئے راستے ہی نہیں بلکہ قدیم
راستے بھی چھپ گئے تھے اور مدتوں سے قدم ناآشنا بن چکے تھے۔

حضرت رضا قدس سرہٗ بھی عظیم المرتبت اسلاف و بزرگانِ دین و ملت کے خوشہ چیں ان کے فضل و کمال کے معترف، ان
عظمتوں کے مقر، ان کی رفعتوں کے حاکی ان کے علو و اعزاز کے قائل ان کے علمی تبحر کو اجاگر کرنے والے، ان کے فضل و کمال کی شہادت
دینے والے اور ان کے کمالات کو سراہنے والے تھے۔ کیا زبان سے اور کیا اپنے بیان سے لیکن ان کی بصیرت اس راہ میں ان کی راہنمائی کو
ہر دم بیدار رہتی تھی وہ اسلاف کے نقش قدم پر چلنے سے پہلے اس کی صحیح سمت کا اندازہ لگا تے تب قدم تقلید میں اٹھاتے۔

آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متشدد ہمدرد اور سچے مقلد تھے لیکن اس کے یہ معنی آپ کی نظر میں نہ تھے کہ امام اعظم
رضی اللہ عنہ کے اخلاف اور فقہائے متبعین و مقلدین کے سامنے بھی اسی طرح سر جھکا دیا جائے جس طرح حضرت امام اعظم کی
اصابت رائے اور اجتہاد فکر اور قیاس اور استحسان کے سامنے۔ کہ آپ اس کو زر کامل عیار سمجھتے تھے۔ حضرت امام اعظم اور صاحبین
کے بعد جب اجتہاد کے دروازے بند ہوئے اور تقلید کا دور شروع ہوا اور اس دورِ تقلید میں فقہائے حنفیہ نے اپنی تصنیفات سے
فقہ کے خزانوں کو معمور کر دیا اور ایسا معمور کر دیا کہ اس میں مزید زیادت و اضافہ کی بمشکل گنجائش چھوڑی اور ان کی عظمت و شہرت کے
ڈنکے سے گوشہ ہائے فکر و عمل گونجنے لگے تو اس وقت ایک طرف تو تقلید کا سررشتہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جا رہا تھا اور دوسری
طرف جدل و خلاف کے طفلانِ ستہ زور پیدا ہوئے اور رفتہ رفتہ نشو و نما پا کر مستہ زور نوجوان بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال
تھا کہ جدل و خلاف کی بہ نسبت معقولات سے زیادہ منقولات پر تھی۔ ایک فرد کی تفحص و تلاش پر دوسرے فرد نے اعتراض کیا۔ اس اعتراض
کو کسی تیسرے نے رد کیا اور اس تیسرے نے اپنے مستنبط اور مستخرج مسئلہ کو شد و مد کے ساتھ پیش کر کے معترض کے لئے فرار کا
راستہ بند کر دیا۔

اس اختلاف کا مبنی خدانکردہ اغراض نفسانی نہیں تھے بلکہ قرآنِ حکیم کے بعد حدیث نبوی کا ایک بحر ناپیدا کنار ٹھاٹھیں مار رہا تھا
جہاں فکر و نظر نے اس میں غوطہ زنی کی۔ کسی کے ہاتھ موتی نے کوئی خالی ہاتھ جب ابھر کر آیا تو اس نے محض صدف ہی کو غنیمت سمجھا۔
بحر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے شریں سے چار نہریں جاری ہو گئیں۔ یہ نہریں نکالنے والے حضرات اُمت مسلمہ کے عظیم ترین

رجال تھے۔ تدوین حدیث کا کام تیزی سے جاری وساری تھا۔ جوامع، مسانید، مؤطات اور معاجم مرتب ہو رہی تھیں جو احکام فقہی کا ماخذ و مبنیٰ بنتی جا رہی تھیں۔ احادیث میں صحیح، حسن، ضعیف، شاذ و معلل غرضیکہ ہر نوع کی احادیث موجود تھیں۔ مسائل کے استخراج استنباط میں یہی ماخذ و مبنیٰ تھیں نتیجہ ظاہر ہے کہ اختلافات آرا پیدا ہوا اور یہی ان اختلافات کا مستدل ٹھہریں۔ غرضیکہ دوسری صدی ہجری سے تیرہویں صدی ہجری تک ان مسائل مختلفہ کے ضبط و جمع کا سلسلہ جاری ہوا اور ہزاروں تصانیف ان کی شرح، بے شمار حواشی اور تعلیقات فکر و قلم نے اپنی یادگار چھوڑیں۔ یہ حواشی، تعلیقات و شرح فکر و فہم کے ایسے آئینے ہیں جن میں آپ کو اسلاف کرام کے پاکیزہ چہرے نظر آئیں گے چودھویں صدی ہماری ژرف نگہی و دقت نظر کے انحطاط کا دور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی میں آپ کو تفسیر و حدیث، فقہ اور اصول پر تصانیف، شرح اور حواشی بہت کم نظر آئیں گے۔ درس نظامی میں جو کتب شامل ہیں ان کا درس اب بھی دیا جاتا ہے لیکن وہ شعور، فکر و فہم اور جوہر دقت نظر مفقود ہے جو ہمارے اسلاف کا گرانقدر سرمایہ تھا۔ علم و فکر کا وہ دور ارتقا ختم ہو گیا ہدایہ، قدوری، بزدوی کے متعدد حاشیے اور شروح لکھی گئیں۔ تنویر الابصار کی شرح درمختار اور درمختار کی شرح ردالمحتار لکھی گئیں۔ علامہ محب اللہ الہ آبادی کی مسلم پر شروح اور حاشیہ کا گرانقدر سرمایہ مرتب ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلاف والا مرتبت جو علم و فن کی بلندیوں پر کمندیں ڈالتے تھے۔ ان سے معارضہ اور تعاقب کوئی آسان بات تو نہ تھی۔ ان کے اقوال کو پرکھنے کے لئے ان کے اقوال میں تعابل کے لئے قول مرجح کو پیش کرنے کے لئے ویسا ہی فضل و کمال درکار تھا جیسا کہ علمائے متقدمین کو حاصل تھا۔

میں اگر مثالیں پیش کروں تو اک سفینہ درکار ہو گا۔ صرف یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ کسی کتاب پر حاشیہ لکھنا یا تعلیقات پیش کرنا یا کسی کتاب کی شرح لکھنا خواہ اس کا موضوع کچھ ہو وہ حدیث کی کتاب ہو یا فقہ کی، اصول حدیث کی ہو یا اصول فقہ کی۔ وہ تفسیر ہو یا کسی کتاب کی شرح، اس پر حاشیہ نگاری اسی وقت ممکن ہے کہ محشی کم از کم اتنا ہی صاحب بصیرت ہو اور اس کی نگاہ اتنی ہی تیز رو دور رس ہو جو صاحب تصنیف کا وصف رہا ہے اور اگر حاشیہ میں صاحب متن کا حاشیہ نگار نے تعقب کیا ہے یا تخطیہ یا اس کے سہو و نسیاں کی نشاندہی کی ہے تو انصاف شرط ہے آپ ہی بتائیں کہ محشی کے علم کی حدود کیا ہونی چاہئیں۔ صاحب متن سے کم علم رکھنے والا کیا ماتن کے سہو و نسیان کی نشاندہی کر سکے گا یا اس کی غلطی یا سہو و نسیان سے اس کو آگاہ کر سکے گا۔

میں نے قرن وار حواشی کی جو فہرست پیش کی ہے اس کو ملاحظہ کیجئے۔ حاشیہ نگار حضرات میں ایسے ایسے صاحبان فضل و کمال ہیں کہ عقل و آگہی ان کے سامنے سر عقیدت جھکاتی ہے۔ تاریخ ان کی نشاندہی پر نازاں ہے اور علم و فضل کے طرۂ پائے شان ان کے سروں پر نازاں ہیں۔

ان سب حضرات نے اپنے اسلاف کرام کا بھرپور احترام کیا ہے اور ان بزرگوں کی عقیدت کیشی پر مفتخر و نازاں ہیں لیکن جب حاشیہ نگاری کی ہے تو علم و کمال کے تقاضوں کو پورا کیا ہے اور ارادت و عقیدت کو ان تقاضوں کی ادائیگی کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس راہ میں قدم رکھا تو باوجودیکہ ان اسلاف ذوی الاحترام کے لوازم اعزاز و احترام قدم قدم پر انہوں نے پورے کئے ہیں لیکن جہاں بات حق گوئی و حق نگاری کی آپڑی ہے وہاں انہوں نے اس کے بیان کرنے میں کوئی جھجک پیدا نہیں ہونے دی اور جو کچھ کہا ہے لیکن ادب ملحوظ رکھا ہے اور اس طرح کہا کہ اپنے اختلاف کو فاضلین فن کے اقوال سے اور اس فن کی کتب کے حوالوں سے مبرہن کیا ہے عقلی و نقلی دلائل سے اپنے قول کا استدلال پیش کیا آپ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا قدس سرہ نے حاشیہ نگاری میں صرف اعتراضات کو اپنا نصب العین بنایا ہے۔ جی

ایسا نہیں ہے ۔ آپ حاشیہ نگاری میں کہیں قول ماتن کی تصریح فرماتے ہیں جہاں قول ماتن کو شواہد و دلائل سے مستحکم و مبرہن کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو اس کے مطابق دلائل پیش کرتے ہیں۔ تعقب صرف اس جگہ فرماتے ہیں جہاں ماتن نے خطا کی ہے اور آپ اس کی نشاندہی اکثر لفظ "صواب" سے فرماتے ہیں تاکہ ادب کی قدروں پر حرف نہ آئے ۔

مجھے افسوس ہے کہ میں حضرت کے حواشی کا ہر جگہ اردو ترجمہ پیش نہیں کر سکوں گا کہ اس طرح ایک ایک حاشیہ کے لئے مجھے چار چار پانچ پانچ صفحات درکار ہوں گے۔ جہاں کہیں بہت ضروری سمجھوں گا وہاں حاشیہ کے متن کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی پیش کروں گا مختلف الموضوعات کتب پر ان گرانمایہ حواشی کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیائے علم وفن کو معلوم ہو جائے کہ آفتاب علم وفضل حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ضیائیں کس درجہ عالم افروز ہیں اور آپ نے کیسے تاریک گوشوں کو روشن کیا ہے اور ذرہ ہائے فقہ اور اصول فقہ کو کس طرح روشن فرمایا ہے اور آپ کے تبحر علمی نے کیسی کیسی نکتہ آفرینیاں علوم دینی میں فرمائی ہیں اور اکابر محدثین وفقہا کے متون کی کس طرح تنقیح اور توضیح کی ہے اور آپ کی فکر رسا نے کن اچھوتے نکات کو منقح کیا ہے اور آپ کی نگاہ علمی نے کیسی کیسی گرانمایہ کتب کا جائزہ لیا ہے ۔ حدیث و فقہ ، اصول حدیث ، اصول فقہ ان کی شروح اور ان کے حواشی تک آپ کی دسترس تھی بارہ سو سال کی مدت میں جو کتب علوم اسلامیہ پر تصنیف ہوئیں ۔ خواہ وہ علوم نقلیہ سے ہوں یا علوم عقلیہ سے ۔ وہ کتب تاریخ ہوں، یا کتب طبقات ، کتب جدل و خلاف ہوں یا کتب حکمت و منطق ہوں ہر ایک پر آپ کی نظر اس قدر گہری تھی کہ محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کتاب آپ کے مطالعہ میں عرصہ تک رہی ہے ۔

آپ اپنے حواشی میں جب ماتن کا تعاقب کرتے ہیں یا راہِ صواب دکھاتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ آپکا تبحر علمی حقیقت میں ایک بحر ناپیدا کنار تھا ۔ خدا کرے کہ میں آپ کے علمی کمالات کے ان گوشوں کی رونمائی میں کامیاب ہو سکوں اور حق رضویت ادا ہو سکے ۔

یہ چند سطور بطور تمہید آپ کی خدمت میں بے حد اختصار کے ساتھ پیش کی ہیں آیئے اب میں آپ کے سامنے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے حواشی پیش کروں ۔ سب سے پہلے موضوع حدیث کو پیش کر رہا ہوں تاکہ نعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا آغاز ہو سکے ۔

کنز العمال

جمع بین الکتب ستہ اور جمع بین الصحیحین محدثین کرام نے جمع بین الصحیحین کو بھی اپنی فکر کا موضوع بنایا اور پانچویں صدی ہجری سے اس پر کام شروع ہوگیا تھا۔ علامہ ابوبکر برقانی (متوفی ۴۲۵ھ) نے اور علامہ ابراہیم بن محمد بن عبید دمشقی (متوفی ۴۰۱ھ) اور امام ابوعبداللہ محمد بن ابونصر حمیدی (متوفی ۴۸۸ھ) نے بخاری اور مسلم کی احادیث (صحیحین) کو جمع کیا اور بطرز مسانید ابواب پر ترتیب دیکر ان کو پیش کیا۔

اس کے بعد جمع بین الصحیحین کے بجائے جمع کتب ستہ کی طرف محدثین نے توجہ فرمائی اور سب سے پہلے محدث رزینؒ العبدری السرقسطی (م ۵۲۵ھ) نے صحاح ستہ (بجائے سنن ابن ماجہ کے موطا) کی احادیث کو جمع کیا اور اپنی تالیف کا نام "تجرید الصحاح" رکھا۔ انہوں نے تجرید صحاح کو ابواب کے لحاظ سے ترتیب دیا اور صرف متون کو جمع کیا۔ تفسیر اور شرح کہیں نہیں کی۔ امام رزینؒ، حمیدی اور برقانیؒ کی جمع صحیحین اور جمع بین الکتب ستہ کو ایک جگہ ترتیب ابواب کے ساتھ جمع کر دیا اور "جامع الاصول" نام رکھا۔ جامع الاصول کو ہمارے یہاں بڑی قبولیت اور شہرت حاصل ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ غریب اللغات کی تشریح بھی کی اور مشکل اعراب کو سہولت فہم کے لئے بیان کر دیا جو اس کی قبولیت کی وجوہ میں سے ایک اہم وجہ ہے نویں صدی ہجری میں علامہ حافظ جلال الدینؒ عبدالرحمٰن ابن ابی سیوطیؒ المعروف بہ علامہ سیوطی نے صحاح ستہ (بشمول موطا) اور ان مسانید کو یکجا کر دیا جو متون احادیث کے اعتبار سے جامع الاصول سے تو بڑھ گئی لیکن صحت اور دوسرے خصائص میں اس پایہ اور اعتبار کو نہ پہونچ سکی۔ علامہ سیوطی نے اس کا نام "جمع الجوامع" رکھا۔

کنز العمال اسی جمع الجوامع کی بہ ابواب فقہیہ تالیف اور ترتیب ہے جس کے نامور مولف علامہ محمد متقیؒ یعنی علاؤ الدین علی بن حسام الدین (جون پوری) الہندی (متوفی ۹۷۵ھ) ہیں کتاب کا پورا نام "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" ہے۔

کنز العمال کی تالیف اس طرح ہوئی کہ علامہ متقیؒ نے جامع صغیر اور زوائد کو ترتیب دیا اور اس کا نام "منہج العمال فی سنن الاقوال" رکھا۔ پھر بقیہ احادیث قولی کو جمع کیا اور اس کو غایۃ العمال فی سنن الاقوال سے موسوم کیا۔ اس کے بعد جمع الجوامع سے ایک اور کتاب ترتیب دی اور اس کا نام "مستدرک الاقوال" رکھا۔ پھر ان تمام کتب کو جامع الاصول کے طرز پر (بترتیب ابواب فقہی) مرتب کر کے اس کا نام "کنز العمال" رکھا۔

"کنز العمال" کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قبولیت بخشی اور محدثین مابعد میں سے بہت سے حضرات نے اس کا اختصار کیا (کنز العمال چار بڑی جلدوں پر مشتمل تھی) ان تمام مختصرات میں علامہ ابن الربیع شیبانی الیمنی کی مختصر موسوم بہ "تیسیر الوصول الی جامع الاصول" بہت مقبول و مشہور ہے۔ کتب فتاویٰ میں جہاں کذا فی التیسیر یا تیسیر کے نام سے اشارہ اور حوالہ ہوتا ہے اس سے یہی تیسیر الوصول مراد ہوتی ہے۔ کنز العمال کے جامع اور مرتب علامہ زماں فقیہ اعظم حضرت علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان متقی جونپوری ہیں

آپ "علی متقی" کے نام سے دنیائے علم وفضل میں مشہور ومعروف ہیں۔ آپ کی ولادت ۸۹۶ھ میں دکن کے مشہور شہر برہانپور میں ہوئی۔ تحصیل علوم کے بعد ۹۵۳ھ میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں علوم ظاہری وباطنی کی نشر واشاعت میں بذریعہ تعلیم وتصنیف اور تلقین وریاضت ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ ۹۵۷ھ میں کنز العمال کی تالیف سے فارغ ہوئے آپ نے اپنی بقیہ عمر مکہ معظمہ ہی میں بسر فرمادی اور ۹۷۵ھ میں بوقت سحر وفات پائی۔ آپ کے تفصیلی وقائع اور سوانح حالات حضرت محدث دہلوی نے "زاد المتقین" میں تحریر فرمائے ہیں۔ آپ کی مشہور زمانہ تصنیف کنز العمال کے بارے میں محدث اعظم ابو الحسن بکری اس طرح فرماتے ہیں" للسیوطی منۃ علی العالمین وللمتقی منۃ علیہ" یہ تعریف اس قدر جامع ہے کہ اس سے زیادہ تعریف ممکن نہیں ہے۔ علامہ متقی قدس سرہٗ نے "تبویب" اور ابواب فقہیہ پر اس کو مرتب کرنے کے بعد اس کو کنز العمال کے نام سے موسوم فرمایا۔ حضرت امام رضا قدس سرہ نے اس پر جو حاشیہ لکھا ہے وہ کسی جداگانہ نام سے موسوم نہیں ہے بلکہ حاشیہ کنز العمال ہی سے اس کو موسوم کیا ہے۔ آیئے اب کنز العمال کے حواشی کا جائزہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

چونکہ کنز العمال مجموعہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے علامہ سیوطی قدس سرہٗ نے فرمائی تھی۔ حضرت علامہ متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم شاہکار سیوطی کو فقہی ترتیب سے پیش کرکے بقول محدث ابو الحسن بکری منۃ علیہ ایک گرانقدر دینی خدمات انجام دی ہے حضرت امام رضا نے اس کے حاشیہ میں جو نکات پیش کئے ہیں ان کا تعلق رواۃ حدیث، نوع حدیث اور اسی قسم کے مباحث سے ہے۔ میں ذیل میں چند حواشی بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں۔

کنز العمال جلد اول ص۳ قول البزّاز ـــــــ الظاهر انه بزائین كما هو مكتوب وقد ذكر في القاموس وتاج العروس البزائین من المحدثین اربعة وعشرین ليس فيهم احد يحيى بن هلال ولا أدري له بجعلها رمز المسند الامام احمد بن عمرو ابي بكر والبزاز صاحب المسند الكبير الشهير ولعله لانه اذا اتى بشئ منه يقول البزاز واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترجمہ وتبصرہ:۔ اس حاشیہ میں حضرت امام رضا قدس سرہٗ نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ متن میں جس طرح البزاز لکھا ہے قاموس اور تاج العروس میں جو قاموس کی شرح علامہ زبیدی کے قلم سے ہے زائے اول وآخر (زائین) کے ساتھ آیا ہے اس کو ر۔ا۔ز مہملہ (بے نقطہ) بزارنہ پڑھا جائے تو محدثین میں بزاز کے نام سے چوبیس حضرات ہیں اور ان میں کوئی ایک فرد بھی یحی بن ہلال نہیں ہے اور اس قسم کا کوئی رمز یا اشارہ مسند امام احمد بن عمر اور ابی بکر میں نہیں ہے اور یہ بزاز مشہور وعظیم مسند کے مولف ہیں اور جب آپ سے کوئی حوالہ بیان کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں یقول البزاز یہاں حضرت نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ ص۳ پر مولف نے جو البزاز فرمایا ہے یہی صحیح ہے اس کو البزار نہ پڑھا جائے۔ بزاز کے نام کے ساتھ جو دو حضرات مشہور ہیں اور ان حضرات میں یحی بن ہلال کوئی نہیں ہے۔

صفحہ ۱۲۲ قول الابد العالم هو الواقع في نسخة اصله ابن ماجه لكن في التيسير الابدى بياء النسبة وهو الاظهر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترجمہ وتبصرہ:- یہاں حضرت امام رضا قدس سرہٗ نے دو نسخ کے فرق کو ظاہر کیا ہے فرماتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ میں الآبد العالم ہی موجود ہے لیکن صاحب التیسیر نے یائے نسبت کے اضافے کے ساتھ الابدی العالم کہا ہے اس کی صحت زیادہ ظاہر ہے

تصحیح:- جلد خامس، صفحہ ۱۸۲ قولہ عن ابی زوع الکلاعی فی التسییں ابی روح بالحاء واسمہ شبیب

تخطئہ:- قولہ طس ن انظر لعل فیہ خطأ فانہٗ لا یؤخر النسائی عن الطبرانی؎:

تشریح:- قولہ لعا صا جتّادین:- لعسرمشا جتادین ای یبتزون النّاس ثیابھم و یتیھولھا دا الجرد اخذ الشئ جزماً وعنفاً:

کنزالعمال کے یہ چند حاشیے بطور نمونہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں اگر میں ان حواشی کی تشریح کروں اور تعقب تخطئہ وتصحیح کو صراحت سے بیان کروں تو صرف ایک حاشیہ امام احمد رضا؎ ایک مکمل کتاب بن جائے گا اور مجھے تیس چالیس حواشی کا تذکرہ اس مقالہ میں مقصود ہے۔ اس لئے میں حواشی میں جہاں جہاں حضرت امام احمد رضا؎ نے صاحب کتاب محشّٰی کا تعقب کیا ہے یا ان کے قول کی تصحیح کی ہے جہاں میں ضروری سمجھوں گا اظہار کر دوں گا۔ ورنہ بالعموم کتاب محشّٰی کے مصنف، علوم دینیہ میں ان کا مرتبہ اور ان کے عہد کو بیان کرتے ہوئے مختصراً ان کی سوانح حیات پیش کروں گا تاکہ میرے قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ حضرت امام احمد رضا؎ کا حدیث وفقہ، علم الکلام اور دیگر علوم دینیہ میں کیا مقام ہے اور ان کے فہم کی رسائی کن گوشوں تک ہوتی ہے۔ استدراک واستدلال میں ان کا مقام کیا ہے۔ ان کے تبحر علمی کا دائرہ کس قدر وسیع ہے اور ذکاوت فہم میں وہ کس بلندی پر ہیں۔ کتب محشّٰی کی گراں مائیگی اور ان کے مصنفین حضرات کی ناموری اور دنیائے اسلام میں ان کی بلند پائیگی ہی سے آپ کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ فہم امام رضا قدس سرہٗ کی بلندی کا کیا عالم ہے اور ان کی فکر رسا کس قدر بلند مناروں پر کمندیں ڈالتی ہے اور ان کی ذکاوت، ان کی علمی گہری نظر لغزش قلم کا کس طرح جائزہ لیتی ہے۔ میں نے نمونہ کے طور پر کنزالعمال کے حواشی سے چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ اگر میں حواشی کنزالعمال کے چند صفحات ہی پیش کروں اور حضرت والا مرتبت امام احمد رضا؎ قدس سرہٗ کے اعتراضات (تخطئہ، سہو اور تعقب) کو پیش کروں تو مضمون خود ایک کتاب بن جائے گا اس لئے اب میں کتاب محشّٰی، صاحب کتاب کا تعارف کراؤں گا اور امام احمد رضا؎ کے چند حواشی بطور نمونہ پیش کروں گا۔ البتہ کسی معرکۃ الآراء اور اہم نکتہ کی وضاحت سے چشم پوشی نہیں کروں گا اور حد اختصار کو توڑ دوں گا۔ اب میں مزید حواشی امام احمد رضا؎ کے تعارف کی طرف آتا ہوں۔ ملاحظہ کیجئے:

حاشیۂ سنن دارمی

صاحب سنن دارمی کا تعارف:- محدث کبیر عبداللہ بن عبدالرحمٰن آپ کا نام نامی ہے۔ آپ تیسری صدی ہجری کے عظیم محدثین میں سے ہیں۔ آپ کا نسب بہرام بن عبدالصمد تمیمی دارمی سمرقندی سے ملتا ہے۔ دارم بن مالک قبیلہ تمیم کا ایک عظیم خانوادہ کا سردار تھا اس نسبت سے آپ دارمی کہلائے۔ اس لئے آپ اپنے نام سے اس قدر مشہور نہیں جتنے کہ اپنی نسبت دارمی سے چنانچہ آپ کی جامع (مسند) سُنن دارمی کے نام سے دنیائے حدیث میں پہچانی جاتی ہے۔ آپ نے تدوین حدیث کے لئے دور دراز ممالک کے سفر کئے اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جمع کیا۔ آپ کی بلند مرتبگی اور علمی سیادت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ

صاحب صحیح مسلم، محدث ابو داؤد، محدث ترمذی اور محمد بن یحییٰ زہلی جیسے اعاظم محدثین جو منجملہ اصحاب صحاح ستہ ہیں آپ سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں کہ خراسان میں علم حدیث کے حفاظ چار اصحاب ہیں۔ یعنی ابوزرعہ، محمد بن اسمٰعیل بخاری، عبداللہ ابن عبدالرحمٰن دارمی اور حسن بن شجاع بلخی۔ آپ کی فضیلت اور مقام علمی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب آپ کے وفات کی خبر (۲۵۵ھ) صاحب صحیح امام بخاری کو پہونچی تو وہ بے اختیار اشکبار ہو گئے اور ایک حسرت آمیز شعر پڑھا جو آپ کی عادت کے خلاف تھا۔ آپ کی وفات جمعہ کے روز جو یوم النحر تھا۔ واقع ہوئی۔ آپ نے ۷۴ سال کی عمر پائی۔ اسی سال مشہور فقیہ اور محدث عبداللہ بن مبارک نے بھی وفات پائی۔

سنن دارمی میں ۳۵۵۷ احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور ایک ہزار چار سو آٹھ ابواب پر ان کو تقسیم کیا گیا ہے آپ کا دور تدوین حدیث کا دوسرا دور ہے۔ اور اب تدوین میں تبویب کو بھی مد نظر رکھا جانے لگا تھا۔ بعض حضرات نے سنن دارمی اور مسند دارمی کو ایک ہی کتاب تصور کیا ہے جیسا کہ بستان المحدثین میں بیان کیا گیا ہے حالانکہ مسند دارمی کے مصنف ابی سعید عثمان بن سعید خالد السجستانی دارمی ہیں آپ امام اور حافظ ..... کے لقب سے مشہور تھے اور محدث ہرات کہلاتے تھے۔ آپ کی وفات ۲۸۰ھ میں ہوئی۔ آپ کی یہ مسند ایک ضخیم وکبیر مسند ہے۔

حضرت امام قدس سرہ نے حاشیہ سنن دارمی میں اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ اس مجموعہ حدیث کی اصل ہیئت اور اصطلاحی نام کو پیش نظر رکھا ہے اور اس کو بجائے مسند کے سنن دارمی سے تعبیر کیا ہے جبکہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کو مسند کے طور پر ذکر کیا ہے لیکن یہ ضرور کہا ہے کہ یہ مجموعہ اصطلاح کے خلاف مسند کے نام سے مشہور ہو گیا ہے سنن دارمی کے حواشی میں امام احمد رضا قدس سرہٗ بعض رموز کی وضاحت، نکات کی تشریح اور مختصرات کی صراحت فرماتے ہیں۔ تعقب اور تخطیہ کم ہے۔

صراحت وتوضیح کی مثال :- قولہ اخبرنا حیوۃ بن شریح، ثقہ من العاشرۃ (ص۵)

تعقب :- قولہ الحوجاء الظاہر ان صوابہ عوجا جمع عوجاء ال صفۃ السنۃ جمع لسان"

حاشیہ سنن دارمی (خلاف) قولہ اخبرنا الحاکم بن المبارک اقول ابن عدی فی الکامل حدثنا عیسیٰ بن احمد (ص۳۸)

ص۳۸ قولہ والی سلیمان بن ربیعہ، صوابہٗ سلمان بکر اقاضی الکوفہ یقال لہ سلمان الخیل۔

ص۴۵ قولہٗ عن ابی الدرداء، ورواہ عنہٗ ابوداؤد والحاکم وعن زیاد واحمد وغیرہ

ص۵۵ قولہٗ عن ھارون ھو ابن عنترہ کما مرّ فی الصفحۃ المقدمۃ

سنن دارمی کا یہ حاشیہ متن کے صفحات ۳۹۵ تک ہے۔

ناچیز شمس یہ کیسے بتائے کہ یہ حاشیہ کسی قلمی نسخہ پر ہے یا مطبوعہ نسخہ پر جبکہ حاشیہ میں اس طرح کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔ سنن دارمی مصر سے طبع ہو چکی ہے اور اس کے صفحات اور حاشیہ کے صفحات میں تطبیق ناممکن ہے میں نے حاشیہ میں تحریر کردہ صفحات کو تحریر کر دیا ہے۔

۳۔ حاشیہ عُمدۃ القاری شرح بخاری

کتب صحاح میں بخاری شریف کو جو اہمیت و قبولیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ علمائے احناف و محدثین حنفیہ نے بھی بخاری کی صحت و متانت اور تحقیق و رائیت پر اس قدر اعتماد کیا کہ امام بخاری شافعی کی جامع، احناف کے مدارس میں داخل دورۂ حدیث ہے اور علمائے احناف بھی اس سے اتنا ہی اعتنا برتتے ہیں جس قدر شوافع حضرات! جس کا باعث یہ ہے کہ امام بخاری شافعی نے تدوین میں تنقید و تحقیق و تتبع کا حق ادا کر دیا ہے۔ نقد روایات میں امام بخاری مہارت تامہ رکھتے تھے۔ میں یہاں بخاری شریف کے سلسلہ میں مزید کچھ کہنا نہیں چاہتا صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اپنے اوصاف مخصوصہ کی بنا پر بخاری شریف کو جو قبولیت حاصل ہوئی اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کی متعدد ضخیم شروح لکھی گئیں اور یہ سلسلہ بخاری شریف کی قبولیت عامہ کے عہد سے تا ایندم جاری ہے۔ بخاری شریف کی جو متعدد شروح لکھی گئیں ان میں مشہور و معروف شروح یہ ہیں۔

۱۔ فتح الباری شرح بخاری از علامہ ابن حجرؒ عسقلانی
۲۔ ارشاد الساری شرح بخاری از علامہ قسطلانیؒ
۳۔ شرح کرمانیؒ بر صحیح بخاری
۴۔ توشیح علی الجامع الصحیح از علامہ سیوطیؒ
۵۔ عمدۃ القاری شرح بخاری از علامہ بدر الدین عینیؒ (یہ شرح متداول ہے)
۶۔ کتاب النجاح فی شرح الاخبار الصحاح از مفتی الثقلین نجیب الدین عمر نسفی
۷۔ شرح صنعانی علی صحیح بخاری از علامہ صنعانیؒ حنفی
۸۔ شرح صحیح بخاری از علامہ عبدالکریم حلبی دس جلدوں میں۔ یہ بخاری کی ضخیم ترین شرح ہے۔
۹۔ محدث مغلطائی۔ تلویح شرح بخاری
۱۰۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری از علامہ قاری محمد احسن۔ فارسی زبان میں اس کا نام بھی علامہ عسقلانیؒ کی شرح کی طرح فتح الباری رکھا گیا ہے۔
۱۱۔ الکوثر الجاری علی ریاض البخاری از علامہ احمد بن اسماعیلؒ کورانی
۱۲۔ فیض الباری شرح بخاری از علامہ عبدالاول بن علاء حسینی زید پوری
۱۳۔ نور القاری شرح صحیح بخاری از علامہ ملا سید علیؒ قاری ہروی
۱۴۔ تیسیر القاری شرح صحیح بخاری از محدث علامہ نور الحق ابن حضرت محدثؒ دہلوی۔

۱۵۔ لامع الدراری شرح جامع البخاری۔

حاشیہ صحیح بخاری کے سلسلہ میں شروح بخاری کی اس قدر تفصیلات قارئین کرام کی دلچسپی اور معلومات کے لئے پیش کردی ہیں۔ یہ صحیح بخاری کی مشہور شروح ہیں اس برصغیر پاک و ہند میں بھی اردو زبان میں متعدد شروح لکھی ہیں ان کا ذکر اس لئے نہیں کر رہا ہوں کہ وہ اردو زبان میں ہیں اور میں جس شرح کے حاشیہ پر قلم اٹھا رہا ہوں وہ عربی زبان میں ہے جن شروح کی تفصیلات میں نے پیش کی ہیں وہ تمام تر عربی زبان میں ہیں۔ علاوہ فتح الباری از قاری محمد احسن ارشاد الساری او عمدۃ القاری۔ یعنی شرح عینی کو جو شہرت عمومی حاصل ہوئی وہ اور کسی شرح کو نہ مل سکی۔ آیئے اب حاشیہ شرح بخاری آپ کے سامنے پیش کروں۔

کچھ شارح کے بارے میں

عمدۃ القاری صحیح بخاری کی مشہور شرح ہے۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف (شارح بخاری) حضرت علامہ محمود بن احمد موسیٰ بن احمد بن حسین بن محمد بن محمد عینی ہیں۔ بدرالدین آپ کا لقب تھا۔ قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے اور یہی آپ کا خطاب تھا۔ آپ وحید عصر، فرید دہر، امام فاضل، محدث کامل اور ایک فقیہ بے عدیل تھے۔ آپ کو تخریج احادیث اور ان کے معانی تک رسائی میں ایک خاص ملکہ تھا۔ ماہ رمضان ۷۶۲ھ میں آپ مصر میں پیدا ہوئے۔ فقہ میں آپ علامہ سیرانی کے شاگرد تھے اور حدیث کو شیخ زین الدین عراقی اور محدث تقی الدین سے سماعت کیا۔ ۷۸۷ھ میں مصر کی قضا ر مذہب امام ابوحنیفہ آپ کے سپرد ہوئی (کہ مصر کا عام مذہب فقہی اس دور میں شافعیہ تھا)۔ آپ نے بکثرت تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں مشہور ترین کتب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، نہایہ شرح ہدایہ، رمز الحقائق شرح کنز الدقائق، شرح معانی الآثار شرح دُرر البحار، طبقات الحنفیہ، مختصر تاریخ ابن عساکر، شرح منار اور تاریخ کبیر ہیں۔ علاوہ ان کتب مذکرہ مشہورہ کے آپ کی بیس پچیس تصانیف اور بھی ہیں۔ بوجہ اختصار ان کے نام پیش نہیں کر رہا ہوں۔ علمائے احناف میں آپ کو عظیم شہرت اور مرتبہ حاصل ہے آپ نے ذی الحجہ ۸۵۵ھ میں بمقام قاہرہ وفات پائی۔

حاشیہ امام رضا بر عمدۃ القاری

تعقب شارح قولہ وقال ابن المنذر انفرد ابراھیم النخعی

اقول کیف ھذا فقد رواہ مالک عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یعنی "اس روایت میں ابراہیم النخعی منفرد ہیں" میں کہتا ہوں کہ یہ کیونکر درست ہو سکتا ہے جبکہ اس کو امام مالک نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

تصریح و توضیح قولہ منہا حدیث جابر رضی اللہ عنہ "رواہ ابن ماجہ وحسنہ الکیرطی۔

تشریح ص ۸۹۶/۶۱۸ والیہ ذہب ابوحنیفہ والاوزاعی و والمزنی وبہ قال الباقر اثیل وبہ قال عمر بن عبد العزیز والاوزاعی والمزنی وابن المنذر والخطابی واختارہ المبرد وتعلب ا عنیہ ۱۲

تغلیط شارح کل شیٔ مثلیہ آنات عدید کای زمان تلبل بسع مدۃ

الظہر لاسیما فی السفر و ہذا اصح جداً والذی ذکر الکرمانی انہ یبتنی علی زعم مساواۃ
حال الغلول بحال الاشیاء الشاخصہ فی الظلال الشواخص لہما ساعت ظلول التطول لہا
وہو باطل بشہادۃ المشاہدہ وشہادۃ اکابر الشافعیہ کالامام النووی وابن الاثیر
الجزری والقسطلانی وغیرہم ان الظل لا یحصل المثل الا بعد الزوال بکثیر حتی صرح
ابن الاثیر ان حدوث الظل المثل بعد ذہاب اکثر وقت الظہر فلا تساویہا ظل لہا
الا فی اواسط المثل الثانی قطعا ۱۲

حاشیۂ فتح الباری شرح بخاری

صاحب فتح الباری کا تعارف جیسا کہ اس سے قبل عمدۃ القاری کے سلسلہ میں عرض کر چکا ہوں بخاری شریف کی دو شروح نے بہت شہرت پائی ایک عمدۃ القاری، دوسری فتح الباری جو قاضی القضاۃ حاکم الحفاظ علامہ ابو الفضل شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی المقری الشافعی رحمہ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ علامہ ابن حجر شعبان ۷۷۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے جوانی میں حصول علم کے لئے شام، حلب، حجاز و یمن کا سفر کیا۔ آپ کے اساتذہ اور مشائخ، علم حدیث میں ان کی بصیرت، جلالت اور عظمت کے قائل تھے۔ آپ نے ۸۵۲ھ میں مصر میں وفات پائی۔ آپ کے عظمت علمی کا یہ عالم تھا کہ شاہ وقت آپ کے جنازہ میں شریک تھا۔ اور آپ کے جنازہ کو اس نے کندھا دیا۔ قرات حدیث میں کمال رکھتے تھے اور بڑی سرعت کے ساتھ پڑھتے تھے چنانچہ مشہور ہے کہ بخاری کو دس مجلسوں میں ختم کر دیا تھا۔ حافظ ابن حجر اتقان وانضباط علوم میں اپنے معاصرین میں بہت بلند پایہ رکھتے تھے۔ علامہ بدر الدین عینی صاحب عمدۃ القاری آپ کے مشہور معاصرین میں سے ہیں۔ علامہ حجر عسقلانی کی مشہور تصانیف یہ ہیں۔ تہذیب التہذیب، تقریب، اختفال بیان احوال الرجال، طبقات الحفاظ، اصابہ فی تمییز الصحابہ، نخبۃ الفکر مصطلح اہل اثر، شرح الفیہ، الدرۃ الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ، بلوغ المرام فی احادیث الاحکام، امالی حدیث، فتح الباری شرح بخاری، دیوان الشعر، شرح النخبۃ، لسان المیزان وغیرہا۔ آپ آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے مشاہیر علمائے شافعیہ میں سے ہیں متاخرین علماء نے آپ کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے اور آج بھی آپ کی شہرت آپ کی بلند پایہ تصانیف کے باعث قائم ہے۔

حاشیہ فتح الباری

حضرت امام رضا قدس سرہٗ کا یہ حاشیہ فتح الباری پر صرف پارہ اول سے پارۂ پنجم تک ہے۔

تعقب: قولہ لما سئل عن الجمعۃ المنظر الیشئ یرید الحافظ وانما فی المتعلق او سئل عن الظہر ولعل المعنی انہ سائل عن الظہر ومرادہ استنادہ حکم الجمعہ فاجابہ بہ مقر اعلی ذلک کما یاتی عن انا الخبیر ۱۲۔

تصریح: قولہ الحافہا بالظہر، ای فیدیہا۔ ۱۲

مسااوالصحیح :- عن الضحاکؒ عن زیادۃ الراوی ۔ ۱۲ یحتمل انہ من الیاء کما نقل عنہ
زاق ص۲۲ لاکن لا اعلم ص۹۲ فی الرواۃ الضحاک بن زیادۃ والروایات جویبر عن الضحاک
فسر ابن مزاحم ۔
نقب (الجزء الرابع) قولہ فلا نرد الصبح مثلاً اقول کیف ہذا وقد جاء فی الحدیث بلفظ
الجمعۃ" ہذہ کذا فی مسند الامام احمد رضی اللہ عنہ
نقب (الجزء السابع) قولہ ثم وجدتہ فی البویطی عن الشافعی ونقلہ فی النوادر عن
بیب المالکی کما فی الزرقانی ص۳۵ فکان الاولیٰ لایذکر عنہ ابن حبیب فکان قولہ ذکرہ
بن حبیب ۱۲
تصحیح قولہ ویغشی علیٰ من لم یمت ممن استثنیٰ اللہ فی العبارۃ خطاء فکیف یغشی
علیٰ من استثناہ اللہ تعالیٰ من الغشی ولعل الصواب ویغشی علیٰ من لم یمت الا رضی اللمن
ستثنی اللہ تعالیٰ ۱۲

حاشیہ ترمذی شریف

کتاب و صاحب کتاب کا تعارف :- جامع ترمذی یا جامع کبیر ترمذی صحاح ستہ میں بہت معروف جامع ہے۔ جامع ترمذی کی چند خصوصیات یہ ہیں کہ اس کی ترتیب بلند پایہ ہے تکرار سے خالی ہے اس میں حدیث کے ساتھ فقہا کا مذہب اور ہر ایک کا استدلال پیش کیا گیا ہے۔ ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حدیث کے انواع کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ چہارم یہ کہ اس میں راویوں کے نام ان کے القاب اور کنیت کے علاوہ ان فوائد کو بھی بیان کیا گیا ہے جو اسماء الرجال سے متعلق ہیں۔ امام ترمذی یعنی ابو عیسیٰؒ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک سلمی البوغی الترمذی الشافعی امام بخاری کے شاگرد اور جانشین ہیں اور آپ کے مشہور تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے واضح ہو کہ حکیم ترمذی صاحب نوادر الاصول اور ہیں اور امام ترمذی صاحب جامع ترمذی اور ہیں۔ علمائے عراق و حجاز دونوں نے جامع الترمذی پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ امام ترمذی حفظ حدیث میں بے مثل تھے۔ ورع، زہد اور خوف خدا اس درجہ رکھتے تھے کہ خشیت الٰہی سے روتے روتے آپ کی بینائی جاتی رہی ہے۔

امام ترمذی ماہ رجب ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ھ میں آپ نے وفات پائی۔ علم حدیث کی طلب میں بصرہ کوفہ، واسط رے خراسان اور حجاز کا سفر کیا اور بہت سے سال طلب حدیث میں گزار دیئے۔ آپ کثیر التصانیف ہیں لیکن آپ کی سب سے مشہور و مقبول تصنیف یا تالیف جامع ترمذی ہے۔ آپ بخاری اور ان کے شیوخ کے علاوہ مسلم اور ابو داؤد اور ان کے شیوخ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

حاشیہ ترمذی شریف

تصحیحات :- قولہ حسن صحیح ما خلا عن شذوذ و علتہ بروایت العدل الضابط ۔ ۱۲ قولہ محمد بن عقیل بن ابی طالب،

قولہ. وقال ابو شیبۃ عن قتادۃ ۔۱۲

قولہ سئلت عن محمد بن اسماعیل البخاری، قولہ عن یوسف بن ابی بردۃ ابن ابی موسی الاشعری ۔۱۲

تعقب قولہ انما صحیح لانہ قد روی من غیر وجہ فلا وجہ ترجیح حدیث زید کما وقع عن محمد ۔۱۲ قولہ الا من حدیث ابن لھیعۃ وھو مجروح ضعفہ یحیی بن سعید القطان وغیرہ

توضیحات قولہ قال اسباغ الوضوء علی المکارۃ کالبرد والقراحۃ وغیرھما ۔۱۲

قولہ عن رجل من بنی غفار اقول صحابی فلا یقدح جھلہ بعد التھم کافۃ علی ان عاصما قد ذکر اسمہ کما سیاتی فی الروایۃ الآتیۃ ۔۱۲

تعقب قولہ کان ھذا الحدیث ناسخ الحدیث الاول، اقول انما کان لان الحدیث الاول قد یأول بغسل الید والنعم فلیس بمنسوخ، وقد قال مجاھد من غسل ید فقد توضأ ۔۱۲

کتب احادیث کے ان حواشی کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی فکر رسا اور نگاہ دوربین نے اس موضوع شریفہ پر کہاں تک رسائی حاصل کی ہے اور آپ کے تبحر علمی نے محدثین کبار اور شارحین کتب حدیث کا کس قدر گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کے افکار و اقوال کو کس طرح معیار صحت پر پرکھا ہے ۔ روایت و درایت حدیث میں آپ کی نگاہ کن گوشوں تک پہونچی ہے اور صحیح وسقیم میں آپ نے کس طرح تمیز کی ہے ۔ ان کے اقوال کی تصحیح و تصویب، ان کا تعقب اور بعض نکات کی تشریح و توضیح پر کیا اس پر دال نہیں ہے کہ جس طرح فقہ پر آپ کو دسترس کامل حاصل تھی اسی طرح حدیث رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موضوع شریف پر مرتب ہونے والی کتب جو صحیح، جامع، مسند، معجم اور موطا کے نام سے مشہور ہیں پھر ان کی شروح، ان شروح کے متون اور ان کے حواشی پر ان کی نظر کتنی غائر تھی اور آپ کو کس قدر ژرف نگہی اللہ تعالی نے عطا فرمائی تھی اور آپ کی طبع نقاد نے کھوٹے اور کھرے کو کس طرح معیار پر رکھا ہے ۔ آپ کی بالغ نگاہی نے اس موضوع شریف کے کیسے کیسے نکات المآۃ کے چہروں سے نقاب الٹا ہے مگر افسوس کہ بعض ناواقف حضرات یہ کہتے جھجک محسوس نہیں کرتے کہ قلیل البضاعۃ فی الحدیث والتفسیر، یغلو اکثیر من الناس فی شانہ یعتقدون انہ کان مجدد للمأۃ الرابعۃ عشرۃ " (نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص۳۸)

کیا کوئی قلیل البضاعۃ فی الحدیث حدیث شریف کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب مجموعہ ہائے حدیث (جامع صحیح وغیرہ) پر اس طرح داد تحقیق دے سکتا ہے جس طرح امام احمد رضا نے داد تحقیق دی ہے ۔ محدثین کرام کا تعقب کیا ہے اور ان کے اقوال کی تصحیح کی ہے ۔ افسوس کہ تعصب انسان سے حق گوئی کا وصف بھی چھین لیتا ہے ۔

مجھے افسوس ہے کہ میرا یہ مضمون اس قدر طویل ہو چکا ہے کہ میں اس قول قلیل البضاعۃ فی الحدیث کی بے مائگی اور کھوکھلے پن

کے اظہار کے لئے اس کے دامن میں گنجائش نہیں پاتا ورنہ میں بتاتا کہ کچھ فن حدیث میں "مقام احمد رضاؒ" کیا ہے۔ اب رہا صاحب نزہۃ الخواطر کا دوسرا جملہ "یغلوا کثیرا من الناس فی شانہ یعتقدون انہ کان مجدد للمائۃ الرابعۃ عشرہ" تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر زندگی نے وفا کی تو میں کسی موقع پر دلائل و براہین کے ساتھ یہ بتاؤں گا کہ آپ مائۃ الرابعۃ عشرہ کے مجدد تھے یا نہیں؟ اور کیا آپ کے معتقدین اس سلسلہ میں کسی غلو سے کام لیتے تھے یا اظہار حقیقت کرتے تھے۔

حواشی کتب فقہی کا تعارف

حواشی کتب فقہی کے تعارف سے پہلے جی تو یہ چاہتا ہے کہ تدوین فقہ حنفیہ اور اس کے ارتقاء کو بیان کروں لیکن مجبور ہوں کہ جس طرح حواشی کتب حدیث کے تعارف سے پہلے تدوین حدیث کی تاریخ سے گریز ناگزیر تھا اسی طرح یہاں بھی صرف نظر سے کام لینا پڑا کہ یہ مضمون بہت طویل ہوتا جا رہا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ کہیں صرف چند کتب فقہی کے حواشی کے تعارف پر مجھے قلم نہ روکنا پڑے۔ بہرحال اب میں حواشی کتب فقہی کا آغاز کرتا ہوں اور سب سے اول حاشیہ مراقی الفلاح کو پیش کرتا ہوں۔

حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح"

مراقی الفلاح کا تعارف:- مراقی الفلاح فقہ حنفیہ کے مشہور و معروف متن نور الایضاح کی شرح ہے جو خود مصنف نور الایضاح کے قلم نے کی ہے۔ نور الایضاح کے شارح نور الایضاح کے مصنف امام الشیخ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی ہیں۔ آپ اعیان فقہا اور اعلم فضلاء شمار ہوتے ہیں۔ فتاوی میں آپ معتبر تھے۔ آپ نے علامہ عبد اللہ نحریریؒ علامہ محمد محبیؒ اور شیخ علی بن غانم مقدسیؒ سے علم حاصل کیا۔ اور آپ سے مشہور زمانہ فقہائے اکتساب علم کیا۔ آپ کثیر التصانیف تھے ان تصانیف میں شرح منظومہ ابن وہبان درر غرر کے حواشی اور نور الایضاح بہت مشہور ہیں۔ آپ نے نور الایضاح کی شرح امداد الفتاح کے نام سے لکھی تھی۔ چونکہ بہت زیادہ ضخیم ہو گئی تھی۔ اس لئے اس کا اختصار کیا اور مراقی الفلاح نام رکھا۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ اور ماہ رمضان ۱۰۶۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مولد و مسکن شہر ابلولہ یا شہر انبلولہ تھا۔ نواح مصر میں یہ تاجروں کی ایک بڑی بستی تھی۔ آپ کی نسبت اسی سے ہے۔ مراقی الفلاح کا مشہور حاشیہ علامہ طحطاوی مصری ۱۲۳۳ھ نے تحریر فرمایا ہے اور حضرت امام احمد رضاؒ کا یہ حاشیہ علامہ طحطاوی کے اسی حاشیہ پر ہے۔

حاشیہ طحطاوی مراقی الفلاح
پر امام احمد رضاؒ کا حاشیہ

تنبیہہ :- قولہ عدّ من النواقض سقوطہ من اعلیٰ اھ :- اقول رحمہ اللہ السید انما عبارۃ الھندیۃ ھکذا۔ المذی ینقض الوضوء وکذا الودی والمنی اذا خرج من

غیر شہوۃ بان حمل شیئا نسبۃ التی او سقط من مکان مرتفع یوجب الوضو کذا فی المحیط اھ بلفظہ۔ القولہ او سقط عطف علی قولہ حمل شیئا ھو تعبیر آخر لخروج المنی بلا شہوۃ لا تعدد فی موجبات الوضوء بنفسہ ۱۲ فما رایت فی فتاوٰ الامام قاضی خان، خروج المنی لاعن شہوۃ بان سقط من مکان مرتفع او ما ء شبہ ذلک لا یوجب الغسل و ینقض الوضوء الخ ۱۲

تعقب :- قولہ نافذ یدل علی انہ المذھب۔ الصواب کما فی رد المحتار لا بدل ۱۲

قولہ ولو بموجب من ضعف۔ الصواب الا بموجب کما فی کثیر من الکتب ۱۲

تصحیح :- قولہ وبہ افتی قاضی الھدایہ۔ لعلہ تصحیف۔ فاری الھدایہ (صاحب قاضی کے لقب سے معروف نہیں تھے)

قولہ کما سیاتی فی الجمعہ ان شاء اللہ تعالٰی اقول اشبہ علی الفاضل المح مسئلہ صحت الجمعہ فی الفناء بمسئلۃ وجوب الاتیان الجمعۃ علی اھل الف فان الصحیح فی المسئلۃ الاولٰی ھو الجواز وان کان الفناء منفصلا عن المصر والم علی تحقیق۔

تصحیح ۴۴۳ قولہ لا تنقلب بہ سحرہ نبی آدم، صوابہ لا تلعب۔

تصریح :- قولہ او یسارہ انحرف الی الامام ای قریبا منہ کما فی شرح النقایہ للبرجندی۔ ذلک لان البعید ربما یحصل لہ الاستقبال من دون انحراف

حاشیہ حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

شارح یعنی صاحب حلیہ کا تعارف علامہ محمد المعروف بہ امیر الحاج حلبی ملقب بہ شمس الدین قرن نہم کے مشہور معروف فقیہ، محدث اور امام اجل تھے۔ آپ نے علامہ ابن ہمام اور دوسرے فضلائے وقت سے اکتساب علوم کیا۔ آپ شہر قدس میں مسند افادت پر متمکن تھے اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ علوم دینیہ کی اشاعت میں معروف و مشغول رہے۔ آپ کی تصانیف ذخیرۃ الفقہ فی تفسیر سورۃ الحسن، حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی، مقدمۃ ابی اللیث کافی مشہور ہیں اور ان تمام تصانیف میں حلیۃ المحلی کو بڑی قبولیت حاصل رہی ہے۔ آپ کی وفات ۸۷۹ھ بمقام شہر قدس ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

حاشیہ امام رضا بر حلیۃ المحلی

تصریح و توضیح ۴۵ قولہ فی صحیحہ وغیرھما واحمد وابوداؤد والنسائی ، ابن ماجہ والحاکم والبیہقی ۱۲

تعقب ص۱۲ قولہ واذاکان المکروہ لایطلق علی الحرام : اقول وان عم المکروہ الحرام وخص التنزیہی بالنھی نساوی المکروہ والنھی وترکہ بظھورہ ۱۲

تصحیح ص۲۳ قولہ والاصل کالاشتغال بالبول : لعل صوابہ، والاصل کون الاشتغال الخ ۱۲

ص۴۱ قولہ لم یذکرہ فی الخلاصہ : ای صورۃ الشک فی الحل التذکر ۱۲

ص۴۱ قولہ وکذا الیس فی محیط رضی الدین اقول بل ھو فی محیط برھان الدین کما نقل عنہ فی الھندیہ ۱۲۔

ص۵۹ قولہ قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل ۔ سقط من ھنا لفظ بہ ای قال الشیخ الامام الخ کما فی الخانیہ ۱۲

ص۶۶ قولہ نعن عمرانہ کان لایقدم مکۃ الذی رایتہ فی البخاری عن نافع قال کان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما اذا دخل الخ ۱۲

حاشیہ تبیین الحقائق للزیلعی

مصنف تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق کنز الدقائق کو فقہ حنفیہ میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔ میں یہاں کنز الدقائق کے مصنف یعنی علامہ حافظ الدین نسفی کی سوانح حیات نہیں بیان کر رہا ہوں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ فقہ حنفیہ میں علمائے متاخرین نے ان چار متون سے بہت اعتنا کیا ہے۔ وقایہ (مختصر الہدایہ) مولفہ تاج الشریعت علامہ محمود محبوبی۔ مختار اور اس کی شرح اختیار مولفہ علامہ عبداللہ موصلی۔ مجمع البحرین ، مولفہ علامہ ابن ساعاتی۔ کنز الدقائق یا کنز مولفہ علامہ حافظ الدین نسفی لیکن متون اربعہ میں کنز الدقائق کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور اس کی متعدد شروح لکھی گئیں جن میں ممتاز، اہم اور مشہور شروح یہ ہیں۔ تبیین الحقائق مولفہ علامہ زیلعی۔ رمز الحقائق مولفہ علامہ بدر الدین عینی، بحر الرائق مولفہ علامہ زین العابدین ابن نجیم مصری۔ تکملہ بحر الرائق مولفہ علامہ طوری۔ نہر الفائق مولفہ علامہ عمر ابن نجیم مصری۔ منحۃ الخالق مولفہ علامہ ابن عابدین اور کشف الحقائق مولفہ علامہ افغانی حضرت امام احمد رضا نے بھی اس طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی ہے اور آپ نے تبیین الحقائق بحر الرائق اور منحۃ الخالق پر حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ اب میں ان حواشی کا آپ سے تعارف کراتا ہوں۔

تبیین الحقائق کے مصنف علامہ عثمان بن علی بن محجن زیلعی ہیں جو فخر الدین کے لقب سے مشہور و معروف تھے۔ آپ تفقہ فی الدین، فرائض اور علم نحو میں بے نظیر و بے عدیل تھے۔ آپ نے فقہ حنفیہ کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ فقہ کی مشہور زمانہ کتاب کنز الدقائق کی بڑی مبسوط اور جامع شرح لکھی۔ صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ آپ نے فقہ کی مشہور کتاب جامع کبیر کی بھی ایک مبسوط شرح لکھی تھی لیکن تبیین الحقائق کی طرح وہ مشہور نہیں ہوئی۔

آپ کی صحیح تاریخ پیدائش کا علم نہیں ہو سکا۔ آپ نے ماہ رمضان ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔ قیاس کہتا ہے کہ آپ کی ولادت قرن ہفتم کے نصف ثانی میں ہوئی۔ آپ شہر زیلع کی نسبت سے زیلعی کہلاتے ہیں۔ زیلع ساحل حبشہ پر ایک مشہور شہر تھا۔

حاشیہ تبیین الحقائق زیلعی

از امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

تعقب ص۸ قولہ فان وجد فیہ اثر الدم انتقض وضوءہ اقول لو کان ظہور اثر الدم علی الشیئ باتصال ناقضا مطلقا فلم لم ینقض حین دری الدم علی الجنا لا بل الواجب ان تکون فی نفسہ قوۃ التجاوز عن محلہ لا ان یمسہ شیئ فلیحق بہ وھذا اظھر من ان یظھر ولعلہ ھو المقص ای یحرب بل ھو سائل ام کان بادیا و انتقل الی الجزء بالمساس ولعل ظانا یظن ان البادی تعلتہ وعدم نداہ تیغتف بالمساس الاول فاذا وضع الاصبح اذا الکم و اظھر منہ ظھران لہ مدوا فلا یکون بادیا بل خارجا اقول ولیس بشیئ وکفی بالمشاھدۃ رداً علیہ۔

تصریح ص۱۶ قولہ إذا رأت ذلک فلتغتسل اقول ذالک اشارۃ الی الماء لروایۃ نعم إذا رأت الماء ۱۲

تصویب ص۲۰ قولہ او وصفین وبقی وصف واحد۔ صوابہ وتغیر وصف واحد للماء صار مغلوبا لا یجوز الوضوء بہ۔ ۱۲۔ ص۲۱ قولہ فی الاوصاف الثلثۃ فلا یغسلہ یغیر اکثر اوصافہ ۱۲۔ ص۲۲ قولہ وقیل یکفی فیہ قدر النجاسۃ۔ صوابہ یلغی ۱۲

تعقب ص۱۹۴ قولہ ولکن فیہ اشکال۔ اقول ھو سھو منہ رحمۃ اللہ تعالی کما بینتہ علی ھامش رد المحتار ص۱۲۶ ۔ ۱۲

حواشی بحر الرائق ومنحۃ الخالق

چونکہ بحر الرائق اور منحۃ الخالق دو جدا جدا کتابیں ہیں اس لئے محشی کے تعارف سے پہلے ان دونوں کتابوں کا تعارف ضروری ہے۔ بحر الرائق فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب کنز الدقائق کی شرح ہے اور شارح ہیں علامہ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم مصری۔ آپ ایک علامہ محقق، فہامہ دوراں، عالم اجل اور فاضل اکمل تھے۔ آپ یوں تو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں لیکن آپ کی شہرت کا موجب آپ کی شرح کنز الدقائق یعنی بحر الرائق اور اشباہ والنظائر ہیں۔ بحر الرائق اور اشباہ والنظائر کے علاوہ لب الاصول، تعلیقات ہدایہ، حاشیہ جامع الفصولین اور مختلف مسائل پر چالیس رسالے ہیں۔ آپ ۹۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۷۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کی یہ شرح علمائے حنفیہ میں بہت مقبول ہے اور ان کا مرجع وماخذ ہے۔

منحۃ الخالق، اس کے مصنف علامہ امین بن عابدین (مصنف بحر الرائق کے فرزند) ہیں جنھوں نے بحر الرائق پر

منحۃ الخالق کے نام سے حواشی تحریر کیے ہیں۔ منحۃ الخالق کا بھی حنفیہ کے معتبر حواشی میں شمار ہوتا ہے لیکن بحرالرائق سی شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ حضرت امام رضا قدس سرہٗ نے بحرالرائق اور حاشیہ منحۃ الخالق دونوں پر حاشیہ لکھے اور عنوان قائم کردیا ہے یعنی جہاں بحرالرائق پر حاشیہ ہے وہاں اس کا اظہار بھی کردیا ہے اور جہاں منحۃ الخالق پر ہے اس کو ظاہر فرمایا ہے۔ جیسا کہ آپ کے ملاحظہ میں آئے گا۔

حاشیہ امام احمد

بر بحر الرائق و منحۃ الخالق علی البحر

تعقب حاشیہ منحۃ الخالق قولہ صوابہ کما فی الخانیہ اقول بل صوابہ انشاء اللہ ثانی کما فی الشرح وارادبہ الزیلعی حیث نقل عنہ فی البحر التصریح بالکراھۃ قال ھذا اطلاقھا للتحریم فما فی المنتقی موافق لما فی الشرح ۱۲

تصریح۔ بحرالرائق صہ۳۲ قولہ لعدم الخروج ای کانتہ فی الفرج الخارج۔

تغلیط بحرالرائق صہ۳۷ قولہ کذا فی الھدایۃ اقول لیس فی الھدایہ۔ قولہ غیر مخلوط بشیئ فلا یرد علی مایاتی عن الامام الزیلعی۔

تغلیط بحرالرائق صہ۳۷ قولہ فالعبرۃ الا جزاء فان کان الماء المطلق جوازالوضوء الماء المستقطر من مسان الثرو ونحوہ ۱۲

تصویب منحۃ الخالق صہ۳۷ قولہ والجاز الذی فی الینابیع صوابہ الزاج۔

تصویب منحۃ الخالق صہ۴۵ قولہ لحاجتہ صار مستعملا کلہ لعل صوابہ، بغیر حاجتہ ۱۲

تصریح صہ۲۴ قولہ فرواہ ابن ماجہ والنسائی اقول عندھما فمن زاد علی ھذا اساء وتعدی...... ولیس عندھما اونقص۔ نعم ھو عند الامام الطحاوی بسندھما کما ذکرتہ علی ھامشتھا النسائی ۱۲

تصریح بحرالرائق صہ۳۵ قولہ کلامہ واما کلام القول ای کلام الالقانی ۱۲

قولہ فی الاول ودون الثانی ام ای انتھا کلام اخی زادہ۔

تصریح منحۃ الخالق صہ۵ قولہ زاد بعضھم اوفی الثلاثۃ ھو العلامۃ الحلبی شارح الدر المختار۔

حاشیہ مدخل

صاحب مدخل: امام عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ (المعروف بہ حاکم) الضبی الطہمانی نیشاپوری: صاحب

تصانیف کثیرہ ہیں اور اپنی تصانیف عالیہ میں آپ منفرد المقام ہیں۔ آپ کی تصانیف میں مشہور تصانیف یہ ہیں۔ کتاب الاکلیل کتاب المدخل، تاریخ نیشاپور، فضائل الشافعی، آپ نے ۴۰۵ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔ آپ کی شہرت کا سبب آپ کی کتاب مستدرک علی الصحیحین ہے جس کو مستدرک حاکم بھی کہا جاتا ہے اس میں آپ نے ان احادیث صحیحہ کو جمع کیا ہے جن کو امام بخاری اور امام مسلم نے چھوڑ دیا تھا۔ آپ کی جلالت علمی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام بیہقی آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ کتاب مدخل امام حاکم کا ایک مختصر رسالہ ہے لیکن اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت وقیع ہے۔ مجروح محدثین کی اقسام پر بحث کی ہے۔ اس رسالہ میں امام حاکم نے حدیث صحیح کو اپنا موضوع بنایا ہے اور اس کی اقسام بیان کی ہیں پھر جرح پر کھل کر لکھا ہے اور جرح و تعدیل کے دس طبقات کا تذکرہ کیا ہے۔ مدخل اپنے موضوع کے اعتبار سے حدیث شریف کے موضوع پر ہے اس لئے حواشی کتب حدیث ہی کے تحت "مدخل" کا جائزہ پیش کرنا تھا لیکن کتابت کی بعض مجبوریوں کے باعث کتب فقہی کے تحت اس حاشیہ کو پیش کر رہا ہوں۔

حاشیہ مدخل جلد اوّل و دوم

تصریح و توضیح و تعقب قوله فی ذکرها ولم تذکره المدینة واشهد سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم اقول ومن هذا القبیل سمع النبی صلی الله علیه وسلم اصحابه یذکرون الانبیاء والسابقین بفضائلهم فقال صلی الله علیه وسلم قلتم فیه کذا وکذا وفی هذا کذا وهو کذا وانا حبیب الله ولا فخر، الحدیث

توضیح و تعقب :- قوله ذلك فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة ای فی الحدود المسجد علی بابه امامه طه یحدث فی هذا الاذان شیئاً عند محقق المالکیه۔ ایضاً بل ابقاه علی المحل الذی کان علیه فی عهد الرسالة والخلافة الراشدة ۔ الخ

وانما بنکر الامام ابن الحاج تبعا لجمهور المالکیه بتعاملا نقله الامام ابن الاثیر من صاحب المذهب مالك رضی الله عنه کون الاذان بین یدی الخطیب من امر القدیم ویقولون انه لم فی الزمن النبوی والخلفاء بین یدیه بل علی المنارة فلذلك ینسبون احداثه الی هشام مع ان الحق انه الثابت من زمن الرسالة وان هشاما لم یغیره قال العلامه الزرقانی المالکی فی شرح المواهب الخ

تصریح :- قوله وکان المؤذن واحداً : ای فی زمن هشام ایضا لم یکن فی الاذان الاول الا مؤذن واحد کما کان من زمن عثمان رضی الله عنه ثم الناس بعد هشام اجعلوا الاذان الاول ایضا اذان جماعه کما سیصرح به منه ۱۲

حاشیہ شرح معانی الآثار علامہ طحاویؒ

علامہ طحاوی قدس سرہٗ کی دو کتابیں علمائے حنفیہ میں مشہور ومعروف ہیں :

ایک معانی الآثار اور دوسری مشکل الآثار

حضرت امام رضا قدس سرہٗ کے اس حاشیہ کا عنوان ہی ہے جیسا کہ مخطوطہ سے ظاہر ہے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرح معانی الآثار علامہ طحاوی کی تصنیف ہے اس شبہ کو اس امر سے اور تقویت ملتی ہے کہ جب رسالہ "مستطرفہ" مولفہ محمد بن جعفر الکتانی م ۱۳۴۵ھ کا صفحہ ۳۸۹ نسخہ کے سامنے آتا ہے تو وہ تحریر فرماتے ہیں وشرح معانی الآثار لابی جعفر احمد بن محمد سلامہ (بن سلمۃ) ابن عبد الملک الازدی، نسبۃ الی الازد، قبیلۃ کبیرۃ مشہورۃ من قبائل الیمن (الطحاوی) بفتح المہملتین منسوب الی طحا .... المصری الحنفی ....

ھو کتاب جلیل مرتب علی الکتب والابواب ذکر فیہ الآثار المأثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاحکام التی یتوھم ان بعضھا ینقض بعضا وبین ناسخھا من منسوخھا ومقیدھا من مطلقھا وما یجب بہ العمل فیھا فی مجلدین، وقد شرحہ بدر الدین العینی وافرد رجالہ وسمی شرحہ مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار

محولہ عبارت "شرح معانی الآثار لابی جعفر" سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرح معانی الآثار حضرت علامہ ابی جعفر کی تالیف ہے لیکن جب وہ صراحت فرماتے ہیں کہ : وھو کتاب جلیل مرتب علی الکتب والابواب (وہ ایک عظیم کتاب ہے جو کتب اور ابواب پر مرتب کی گئی ہے) تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معانی الآثار حضرت ابی جعفر طحاوی کی ایک مستقل تالیف ہے اور اس کی شرح علامہ بدر الدین عینیؒ نے لکھی ہے۔ گویا شرح معانی الآثار کی نسبت علامہ طحاوی کی طرف نہیں بلکہ علامہ بدر الدین عینی کی طرف ہے اور یہی صحیح ہے اگرچہ علامہ عینی کے ایک ہم عصر علامہ عبد القادر محمد سالم قرشی۔ صاحب جواہر المضیہ نے بھی اس کی ایک شرح اسی نام "شرح معانی الآثار" سے لکھی ہے۔ لیکن ان کی عظیم کتاب جواہر المضیہ فی الطبقات الحنفیہ کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ شرح معانی الآثار کو نہ مل سکی۔ حضرت امام رضا قدس سرہٗ کا حاشیہ جس شرح پر ہے وہ علامہ بدر الدین عینی کی شرح معانی الآثار ہے۔

حاشیہ بر شرح معانی الآثار (از حضرت امام احمد رضاؒ)

صاحب معانی الآثار کا تعارف محدث بے نظیر علامہ دوراں فقیہ زماں حضرت ابو جعفر بن سلامۃ ابن عبد اللہ الازدی الطحاوی آپ کو ازد اور طحا سے نسبت ہے جو یمن کا مشہور قبیلہ تھا۔ تمام اصحاب طبقات نے جن میں علامہ ابن اثیر بھی شامل ہیں آپ کو طحاوی لکھا ہے لیکن علامہ سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں۔ پس ھو منھا وانما ھو من طحوط بصعید مصر فکرہ ان یقال الطحوطی المصری الحنفی ابن

اخت المزنی المتوفی بمصر و دفن بالقرافة سنة احدی وعشرین وثلاث مأة وصنف معانی الآثار وھو کتاب الجلیل مرتب علی الکتب والابواب۔

صاحب رسالہ مستطرفہ شرح معانی الآثار کے متعلق لکھتے ہیں۔

وذکر فیہ الآثار المأثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاحکام التی یتوھم ان بعضھا ینقض بعضھا ویبین ناسخھا من منسوخھا ومقیدھا من مطلقھا فی مجلدین قد شرحہ بدر الدین عینی وافرد رجالہ وسمی شرحہ "معانی الاخبار فی شرح معانی الآثار"۔

حضرت علامہ طحاوی اپنے دور کے سرآمد فقہا و محدثین ہیں۔ مصر میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ریاست آپ پر منتہی ہوتی ہے۔ ابتداءً آپ شافعی المذہب تھے۔ چونکہ آپ کے استاد و مزنی ماموں علامہ مزنی شافعی مذہب رکھتے تھے لیکن جب آپ علامہ طحاوی نے دیکھا کہ وہ خود اکثر مذہب حنفیہ کی کتب زیر مطالعہ رکھتے ہیں تو پھر انہوں نے علامہ ابوجعفر احمد بن عمران حنفی کی صحبت اختیار کرلی ۲۶۸ھ میں مملکت شام میں قاضی القضاۃ ابوحازم عبدالحمید سے استفادہ کیا اور محدثین وفقہا میں بہت ہی بلند مقام پر فائز ہوئے۔ آپ کو علو مرتبت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ محدث ابوبکر مصری، محدث طبرانی اور محدث محمد بن بکر بن مطروح جیسے اعاظم محدثین آپ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں معانی الآثار، مشکل الآثار، احکام القرآن، مختصر فقہ، شرح جامع کبیر، شرح جامع صغیر، کتاب السجلات، کتاب الوصایا، تاریخ کبیر، کتاب مناقب امام ابی حنیفہ، کتاب نوادر الفقہیہ بہت زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ ان کتب کے علاوہ بھی آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۳۰ھ میں اور وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی۔ جیسا کہ حسن المحاضرہ میں مذکور ہے۔ بقول ابن الاثیر آپ کی ولادت کا سال ۲۲۹ھ ہے۔ شارح "معانی الآثار" یعنی علامہ بدر الدین عینی کے مختصر حالات آپ عمدۃ القاری کے سلسلہ میں مطالعہ فرما چکے ہیں یہاں اعادہ نہیں کروں گا۔

حاشیہ شرح معانی الآثار

تصویب قولہ بغندر اقول، لیس ھو غندار محمد بن جعفر صاحب شعبۃ من رجال السنۃ لانہ من طبقۃ التاسعۃ من اتباع التابعین قدیم الوفاۃ مات ۱۹۳ھ کما فی المیزان فاتی یلاقیہ لطحاوی فان کان محمد بن جعفر غیرہ المتاخر منہ مشھور الغندر:۔

تصریح:۔ قولہ بکار بن قتیبۃ کان حنفیاً و مدح جلیل فی وفیات الاعیان ۱۲

تصحیح:۔ قولہ عن جابر بن عبد اللہؓ قلت فی مصنف ابن ابی شیبہ حدثنا مالک بن اسماعیل عن حسن بن صالح عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل من کان لہ امام فقرأتہ لہ قرأۃ وھذا سند صحیح۔

توضیح قالَ حدثنی ابن جابر ہو عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر ثقۃ من رجال الستۃ ۱۲

تصویب ص ۳۲۷ قولہ عن ابن علقمۃ الظرفان الظاہر ان صوابہ عن ابن عمر عن ابیہ ۱۲

تصویب قولہ اتعبہا صوابہ ابغیہا ای اطلب لہا۔ ۱۲

تصویب قولہ والحر بعدہ صوابہ والحی بعدہ ای حدثنی بعدہ بالحدیث قبیلۃ بنی مازن کلہم او کثیر منہم ۔"

حواشی حاشیۃ الاشباہ والنظائر

حضرت محشی یعنی علامہ حموی کا تعارف آپ کا نام نامی شہاب الدین احمد بن سید محمد مکی حسینی حموی مصری ہے حموی کی نسبت سے دو حضرات عالم مشاہیر میں گذرے ہیں ایک علامہ یاقوت حموی دنیائے اسلام کے مشہور جغرافیہ داں جن کا یورپ بھی مدتوں سے خوشہ چیں رہا ہے اور آپ کی مشہور زمانہ کتاب معجم البلدان کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کا نام بھی شہاب الدین تھا۔ لیکن آپ عبداللہ یاقوت حموی کے فرزند تھے اور آپ نے محشی اشباہ والنظائر سے مدتوں پہلے ۶۲۶ھ میں شہر حلب میں انتقال فرمایا۔ ان کی ایک اور کتاب "المقتضب فی انساب العرب" مشہور ہے۔ یہ صراحت میں نے رفع اشتباہ کی بنا پر کر دی ہے تاکہ فقیہ حموی اور عالم جغرافیہ یاقوت حموی میں قارئین کو امتیاز رہے۔ علامہ حموی (شہاب الدین احمد بن سید محمد مکی مدرس اور فقیہ تھے۔ قاہرہ میں مدتوں تک مدرسہ سلیمانیہ اور رحمانیہ میں مسند درس پر متمکن رہے۔ آپ نے ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی۔ آپ نے متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں جن میں تعلیق القلائد علی منظومۃ العقائد، حسن الاحتیاج، شرح کنز الدقائق، عقود الحسان فی قواعد مذہب النعمان اور اتحاف الاذکیا بتحقیق عصمۃ الانبیا بہت مشہور ہیں۔ آپ نے علامہ ابن نجیم مصری کی کتاب "اشباہ والنظائر" پر بھی حاشیہ لکھا ہے۔ حضرت امام رضا قدس سرہٗ کا یہ حاشیہ علامہ حموی کے اسی حاشیہ پر ہے۔

حاشیہ امام احمد قدس سرہ

توضیح ص ۲۸ قولہ الا اذا یقرأ الفاتحۃ فی الصلاۃ بنیۃ الدعا اقول تخصیص الفاتحۃ غیر سدید فانہ او لم یقرأ وقرأ آیۃ الکرسی مثلا لا بنیۃ القرأۃ بل بنیۃ الثناء صحت صلاتہ ولم نواتر فیہا امنیتہ ذا الصواب مع المصنف

توضیح قولہ لان لا یلزم الامام باقتدائہ شیئ اقول ارأیت ان کان مکان ضیق لا یستطیع الامام ان یتقدم ولا المقتدی ان یتاخر او لم یکن ضیق ولکن ام رجلین متوسطاً بینہما فجاء رجل ولم یعلم بہ الامام فلم یتقدم والمقتدیان لم یتاخرا اما لجہلہما بالحکم اولا وغیر ذلک فہل یصح اقتداء وہذا الآتی من

دون نية مع لزوم فساد الصلاة الثلثة الاوّل فليحرر ۱۲

تصریح قوله قال العلامه محمد بن عبد الله التمرتاشي صاحب تنوير الابصار وشرح المنظومية - ۱۲

توضیح قوله وقد نظمها بعض الفضلاء محمد بن عبد الله الغزي التمرتاشي كما في الدر المختار ۱۲

تعقب قوله اقول كلام الخانية مضطرب الخ اقول والحق ان لا اضطراب وقد ذكر الفاضل الشامي وجهًا حسنًا للتوفيق وذكرنا على هامش رد المحتار وجهًا آخر فراجعهما - ۱۲

حاشیہ غرر الاحکام
شرح درر الحکام

صاحب غرر الاحکام اور درر الحکام کا تعارف غرر الاحکام اور اس کی شرح (موسومہ بہ درر الحکام) کے مصنف محمد بن فرامرز مشہور بہ مولیٰ خسرو ہیں۔ آپ علوم معقول ومنقول کے بحر ذخار تھے۔ علوم متداولہ علامہ برہان الدین حیدر ہروی سے حاصل کئے۔ آپ کے فضل وکمال کا شہرہ سن کر سلطان مراد خان عثمانی نے آپ کو قسطنطنیہ کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ جہاں آپ دلجمعی کے ساتھ تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ آپ کی تصانیف میں مرقاۃ الاصول، مطول اور تلویح اور شرح وقایہ کے حواشی شامل ہیں۔ اور فقہ میں مشہور کتاب غرر الاحکام تصنیف کی خود ہی اس کی شرح درر الحکام بھی لکھی جو فقہ حنفیہ میں متداول اور مشہور ہے۔ آپ کے تلامذہ میں یوسف بن جنید، حسن چلپی اور حسن بن عبد الصمد سامسونی بہت مشہور ہیں۔ آپ نے ۸۸۵ھ میں قسطنطنیہ میں وفات پائی اور شہر بروسہ میں دفن کئے گئے۔

حاشیہ غرر الاحکام

توضیح وتصریح قوله ان عدم النفع شرط وليس كذلك كما سياتي وفي الاستنجاء باليدين حتى لو كان نفع وجب الاستيعاب بالنفع وليس كذلك ۱۲-

توضیح قوله وتمامه في الفتح قبيل باب ما يفسد الصلاة - ۱۲

قوله ابدًا الذاتي العناية لعل صوابه الغاية بالمعجمة اذا لمراد منه في العناية الاكمل - ۱۲

تصویب قوله لان صفته على اقول رحمه الله ليس على هذه الاصفته الفا اى الالف التى له على فلا يدل على القضاء لا على القضاء عنه ولذا شرط في الدر المختار لثبوت الرجوع ان يقول مني او على وآنه على ومثله في الهندية

حاشیہ فتاویٰ بزازیہ

تعارف صاحب فتاویٰ بزازیہ علامہ حافظ الدین محمد شہاب بن یوسف الکردی البریقینی الخوارزمی المعروف بابن البزاز۔ آپ اصول و فروع میں وحید عصر اور علام منقول و معقول اور یگانۂ روزگار تھے۔ علوم متداولہ اپنے والد محترم سے حاصل کئے۔ آپ نے مناظرہ میں بھی اپنا بہت سا وقت صرف کیا۔ علامہ شمس الدین فناری سے آپ کے مباحثے مشہور ہیں۔ آپ نے ارض روم کے بہت سے شہروں کا سفر کیا۔ آپ کی تاریخ ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ آپ کا انتقال ۱۰ رمضان ۸۲۷ھ میں ہوا۔

آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ وقیع اور مشہور کتاب وجیز ہے جو فتاویٰ بزازیہ کے نام سے مشہور ہے آپ نے اس کا تکملہ ۸۰۶ھ میں کیا تھا جس کا اظہار خود فتاویٰ بزازیہ میں کیا ہے۔ فتاویٰ بزازیہ کے علاوہ مناقب امام اعظم رضی اللہ عنہ میں بھی آپ نے ایک گرانقدر تصنیف کی ہے جو امام اعظم پر ایک بیش بہا تصنیف ہے۔ آپ کی شہرت کا مدار آپ کی تصنیف فتاویٰ بزازیہ پر ہے جو فقہائے احناف کے لئے ایک گرانقدر ماخذ ہے۔

حاشیہ فتاویٰ بزازیہ

تصریح قولہ والنص افیس، صحیح العامۃ قول ابی یوسف م انہ لایکون سیلانًا مالم یحدرہ اختارہ السرخسی وقال فی الفتح انہ اولیٰ ونص فی جواھر الاخلاطی عن فتاویٰ خوارزمی ان علیہ الفتویٰ فلانظر الی ماوقع ھنا۔ ۱۲

تصریح قولہ والعامۃ علی انہ ینسد ھذا قول العامۃ علی مذھب الائمۃ المتقد مین ومایاتی فی السطر الآتی انہ لایفید علی قول العامۃ فھو علی مذھب المتاخرین افادہ فی الغنیۃ اول ص۴۸۹ فلاتعارض۔ ۱۲

تصریح قولہ عن الامام صاحب منظومۃ نجم الدین نسفی ۱۲

تعقب قولہ ان قال قبلت الصواب قالت فافھم ۱۲

تعقب قولہ فاتاہ الکتاب طلقت صوابہ "الکتابان" کما فی الخلاصۃ

تعقب قولہ انہ یلزمہ التصدیق بالدرھم ایضا ولاتری ان باجتماع العقد والنسی علی الدرھم الحرام یسری الخبیث الی المشتری علی قول الکرخی المفتی بہ۔ ۱۲

تصویب قولہ فمات المدیون او قضی الدین لعل صوابہ الدائن بل ھو الصواب۔ ۱۲

قولہ کفل بنفسہ علی ان المکفول عنہ الکفالۃ بالمال اذا وقعت تابعۃ الکفالۃ بالنفس لان المال اذا لزم فلاسبیل الا الاداء او الابراء۔ ۱۲

حاشیہ فتاویٰ زینبیہ

صاحب کتاب کا تعارف فتاویٰ زینبیہ کے مصنف شیخ ابوطالب حسین بن محمد بن علی بن حسن زینبی الملقب بہ نورالہدیٰ ہیں۔ فقہائے متقدمین میں آپ کو بلند مقام حاصل ہے بغداد کے نقیب النقباء تھے۔ فقہ حنفی کے مشہور مفتی اور عالم متبحر تھے۔ دور عباسیہ میں ۴۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ دربار امرا بنو عباس میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ متعدد بار خلافت عباسیہ کی طرف سے سفیر بناکر دوسرے سلاطین عصر کے پاس بھیجے گئے۔ آپ نے پچاس سال تک مشہد ابی حنیفہ میں درس دیا۔ ۹۲ سال کی عمر میں بماہ صفر ۵۱۲ھ بغداد میں وفات پائی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قریب دفن ہوئے۔ آپ نے قاضی القضاۃ علامہ محمد دامغانی اور صاحب قدوری ابی بکر رازی سے سمع کیا اور ان حضرات کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

آپ کا مجموعہ فتاویٰ موسوم بہ فتاویٰ زینبیہ قدیم ترین کتب فتاویٰ میں شمار ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فقہ حنفیہ میں کتب فتاویٰ میں اس کو اولیت کا شرف حاصل ہے تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ فتاویٰ والوالجیہ آپ کے فتاویٰ زینبیہ کے بعد مرتب ہوا۔ فتاویٰ والوالجیہ کے بعد فتاویٰ خانیہ (فتاویٰ تتارخانیہ) مرتب ہوا ہے۔

حاشیہ امام رضا قدس سرہ

بر فتاویٰ زینبیہ

تصویب قولہ فی احکام الفرقان ان مذہب اصحابنا۔ صوابہ فی احکام القرآن فی سورۃ الفرقان کما فی البحر۔ ۱۲

تصویب قولہ فانہ لایجوز التوضی فیہ وفی الخلاصۃ، صوابہ یجوز وسیاتی بیانہ ص۱۹ ۱۲

تصویب قولہ ونسبہ بعضہم "الی التسح" من اعتبار العشر۔ صوابہ التسامح والمراد بالبعض العلامۃ ابن امیر الحاج حیث قال فی الحلیہ، ان کثیر من المتاخرین شواہد علی ہذا التقدیر حتی عداہ قاضی خان الی عامۃ المشائخ تسامحًا۔ ۱۲

توضیح قولہ من لم یجعل ہذا الماء المستعمل وہو قول ابی یوسف لاشتراطہ ۱۲

تصریح قولہ بعضہ الیٰ بعض ای کان کثیر الایصل اثر من بعضہ الیٰ باقیہ ۱۲

تعقب قولہ فانہ لایجوز التوضی فیہ وفی الخلاصۃ۔ صوابہ یجوز وسیاتی بیانہ ص۱۹ ۱۲

تعقب قولہ ویدل علیہ ایضًا ما فی الخلاصۃ اقول ہذا فی الملتقی والکلام فی الملاقی۔

حواشی الفتاوی العالمگیری المعروف بہ عالمگیری

ی   فتاویٰ عالمگیریہ یا فتاویٰ ہندیہ کو اس برصغیر پاک وہند میں بہت مقبولیت حاصل رہی ہے اور مفتیان
نی کرام نے اس پر بڑا اعتبار کیا ہے اور ان حضرات نے مسائل کے استخراج واستنباط اور فتویٰ میں اس پر کلی اعتماد کیا
رہا ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ کا شمار مستند ترین مجموعہ ہائے فتاویٰ میں کیا جاتا ہے اور بہت معتبر ہے۔ فقہ
ۂ حنفیہ کے تمام مشہور مجموعہ ہائے فتاویٰ اس کا ماخذ ہیں۔ فقہ حنفیہ کی شاید ہی کوئی مشہور مجموعہ ہائے فتاویٰ
ینفس کا ماخذ ہیں۔ فقہ حنفیہ کی شاید ہی کوئی مشہور کتاب ایسی ہو جس میں اس کا حوالہ نہ دیا ہو۔ فتاویٰ ہندیہ یا عالمگیریہ
نہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب کے حکم سے علماء و فضلائے عصر اورنگ زیب نے اس کو مرتب
کیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے نولکشور اردو ترجمے میں بعض حضرات مقدمہ فتاویٰ میں کہتے ہیں کہ یہ جماعت علماء و فقہا پانچسو
نفوس پر مشتمل تھی۔ بعض مورخین نے اکثر حضرات کے نام بھی ضبط کئے ہیں۔ اس مجلس فقہا کے صدر اور ناظم دفتر تالیف
، فتاویٰ عالمگیری فقیہ عصر سرآمد علمائے زمانہ حضرت شاہ عبدالرحیم، سید نظام الدین ٹھٹھوی۔ مولانا ابوالخیر
ٹھٹھوی اور دیگر علمائے عصر۔ یہ فتاویٰ چھ سال میں مرتب ہوا۔ علمائے کرام کے لئے دربار شاہی سے تنخواہیں مقرر
کیں۔ عہد فیروز شاہ تغلق میں تتارخان ناظم بہار تھے۔ انہوں نے علامہ زماں مولانا عالم بن علا سے وہ کام لیا
جو فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں سیکڑوں علماء نے انجام دیا۔ آپ نے چار ضخیم جلدوں میں فتاویٰ تتارخانیہ مرتب
فرمایا اور اپنے محسن تتارخاں کے نام سے معنون کیا جو فتاویٰ تتارخانیہ کے نام سے مشہور و معروف ہوگیا۔ فتاویٰ
ہندیہ میں اس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

حاشیہ فتاویٰ العالمگیر

توضیح قولها فعليها الوضوء لخروج نجس من داخل الفرج   كتاب الطهارة
تصریح باب نواقض الوضوء

تصریح قوله ولا فرق بين الروث والخثي والبعر الروث للفرس والحمار والبغل
وما يخذ وخزوها والخثي للبقر والجاموش وما يا خذ واخذ وها والبعر
للابل والشاة والغنم وما يماثلها ۔۱۲

تعقب قوله ففي المرئية يتنجس بالاجماع فى دعوى الاجماع نظر واضح بل
الاصح عدم التفصيل "

حضرت امام رضا قدس سرہ العزیز کے چند حواشی کتب حدیث و فقہ کا ایک مختصر سا تعارف آپ کے سامنے پیش
کر دیا ہے۔ ابھی متعدد کتب کے حواشی میرے سامنے ہیں۔ ان میں کتب فقہی بھی ہیں اور کتب طبقات بھی۔ کتب فتاویٰ بھی ہیں

اورکتب سیر بھی۔ لیکن کیا کروں؟ ؎

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار　　گلچیں بہار تو زداماں گلہ دارد!

اس مجلہ میں اتنی گنجائش کہاں؟ کہ پندرہ بیس حواشی کو اور پیش کروں؟ اوران کا آپ سے تعارف کراؤں مثلاً جوہرہ نیرہ، فتاوی حدیثیہ، رسائل علامہ قاسم، موضوعات کبیر، فتاوی سائرہ وغیرہم۔

پس مضمون کی ضخامت نے قلم کو روک دیا۔ انشاء اللہ آئندہ ان حواشی پر تعارف آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ یہاں ایک بات ضرور قابل ذکر ہے کہ حضرت امام رضا قدس سرہ نے شروح حدیث اور کتب فقہ پر جہاں جہاں تعارض وتعقب کیا ہے۔ اس میں خدا ناکردہ کسی انانیت یا تفخر کا شائبہ نہیں ہے نہ اظہار علمیت اس کی غایت وغرض ہے بلکہ صاحبان علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجموعہ ہائے حدیث اور کتب فقہ میں علمائے کرام کی روش رہی ہے کہ ان کی نگاہ وبصیرت جس نکتہ تک پہونچی ہے یا متاخرین میں سے کسی نے اپنے پیشرو پر کوئی اعتراض وارد کیا ہے یا اس کا تعقب کیا ہے تو اس کو مستحسن سمجھا گیا ہے اور اس اعتراض دراس تعقب کو معترض یا متعقب کی بصیرت اور کمال علمی اور تبحر پر محمول کیا گیا ہے۔ میں اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتا نہ یہ جدل وخلاف کا کوئی مسئلہ ہے بلکہ محدثین کرام نے حدیث شریف کے جو اصول مقرر ومعین کئے ہیں۔ رواۃ کے جو شرائط، ثقاہت وعدل وغیرہ وغیرہ مقرر کئے ہیں۔ پھر بہتیری احادیث کے متعدد طرق ہیں ان طرق مختلفہ کے رواۃ میں سے کوئی راوی کسی کی نظر میں ساقط الاعتبار ہے اور اس کے ساقط الاعتبار یا غیر ثقہ ہونے پر دلائل پیش کرتا ہے تو یہ اختلاف خدا نکردہ کسی سوئے ظن پر نہیں ہے بلکہ معترض کی وسعت مطالعہ، حفظ وتبحر پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح فقہ اور اصول فقہ ہے۔ آپ کے علم میں ہے کہ فقہی مسائل کا مبنیٰ وماخذ قرآن وسنت ہے۔ استنباط واستخراج میں اگر کہیں سہو ہو گیا ہے تو دوسرے نے اس سہو کی نشاندہی کردی ہے۔ یہ نشاندہی خدا نکردہ نہ تو تفوق پر مبنی ہے اور نہ اس کا منشاء دوسرے کے رتبہ کو گرانا ہے۔ میں آغاز کلام میں تنویر الابصار اور درمختار کی مثال پیش کر چکا ہوں۔ تسامح کی نشاندہی ثمر ثواب واجر آخرت ہے اجتہاد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر مجتہد خدا نکردہ مخطی ہے تب بھی وہ اس کے ثواب کا مستحق ہے اور اگر مصیب ہے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ میں یہاں اعلام الاخیار مصنفہ علامہ کفوی سے ایک مختصر سا اقتباس پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان پر نازل ہوا۔ ہم کو (بتمام وکمال) پہونچا دیا۔ دین سکھایا اور حکم کیا۔ حدود کو قائم فرمایا اور شرع کو بیان فرمایا۔ اور اقامت امر دین میں جیسی کوشش کرنی چاہیئے تھی وہ کوشش فرمائی اور اس کو جاری اور لازم کیا۔ پھر خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور صحابۂ کرام نے اقامت دین اور اجرائے شرع مبین اور تعین قواعد موحدین اور تبیین کید علماء اللہ المبتدعین میں اپنی مساعی کو صرف فرمایا اور اسلام کو ہر طرح قائم فرمایا اور ہر ایک امر کو اپنے مستند سے مضبوط فرمایا باوجودیکہ وہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے شرف کے باعث طعن سے سالم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی برکت سے شائبۂ خطا ونسیان سے مصون ومحفوظ تھے۔ پس ان کے آثار ان لوگوں کے لئے جو ان حضرات کے پیچھے ہوئے۔ راہ راست کے روشن چراغ (گمراہی کی تاریکی کو دور

رنے کے لئے) ہوئے۔ اسی طرح تابعین نے فتویٰ میں ان سے مزاحمت نہیں کی۔ اور بغیر خلاف کے ان سے موافقت کی۔
یرا خلاف دینی کے لئے ان سے احکام دین کو نقل کیا باوجودیکہ وہ سنن اسلاف کے زندہ کرنے والے اور بزرگان اسلاف
کے نشانوں کے عادی تھے۔ چونکہ ظواہر نصوص ان کے بیان کو غیر مکتفی تھے اس لئے وہ اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کرنے
پر مجبور ہوئے پس انہوں نے اجتہاد کیا اور قواعد و اصول (فقہ) کی بنیاد رکھی اور تبیین مذہب (فقہی) پر عزم بالجزم کیا
ہر علمائے دین اور ائمہ مجتہدین نے اپنی سعی تحقیق مسائل شرعیہ اور تدقیق نظر کو مذہب میں صرف فرمائیں اور احکام
فروع کو ادلۂ اربعہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے استنباط کیا پس اتفاق ان کا حجت قاطعہ اور اختلاف ان کا رحمت
واسعہ ہے۔"

یہ فرق آپ کو بڑی وضاحت سے اس وقت نظر آجائے گا جبکہ آپ فقہائے کرام کے طبقات کا گہری نظر سے
مطالعہ فرمائیں گے یعنی مجتہدین، مجتہدین فی المذاہب مجتہدین فی المسائل، مقلدین، اصحاب ترجیح، مقلدین متمیزین
(قوی، ضعیف، ظاہر الروایت اور روایت نادرہ میں امتیاز کرنے والے حضرات) اور مقلدین محض (جو تمییز الروایات
پر قادر نہیں ہیں) یہی مدارج مختلفہ اختلاف کی اساس ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یہاں مزید صراحت سے بوجہ
اختصار اس لئے مجبور ہوں کہ یہ مبحث بڑی تفصیلی بحث کا خواہاں ہے۔ مجھے صرف یہ کہنا تھا! یہ اختلافات امت کے لئے رحمت
واسعہ کا ذریعہ ہیں اور بس۔ اس بحث کو ختم کرتے ہوئے میں یہ عرض کر دوں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمتہ اللہ
علیہ کے سیکڑوں حواشی سے جو قلمی صورت میں میرے عزیز دوست سید ریاست علی قادری صاحب کے پاس موجود
ہیں یہ صرف چند حواشی کا تعارف میں نے پیش کیا ہے اور وہ بھی صرف حدیث و فقہ کی کتب معتبرہ اور مشہورہ پر ورنہ
ابھی حدیث، فقہ، تفسیر، طبقات و سیر پر حضرت امام رضا کے بہت سے حواشی تعارف کے لئے باقی ہیں۔ خصوصاً علم
ہیئت، علم مثلثات و کرات، لوگارتھم جیسے وقیع موضوع پر کہ ان فنون میں حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے عصر میں
یکتا و منفرد تھے۔ ریاضیات میں آپ کے تبحر کا یہ عالم تھا کہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ یہاں آپ کے کمالات علمی کی تفصیل
کا موقع نہیں۔ میں صرف یہاں علم ہیئت کی مشہور زمانہ بے مثل و بے نظیر کتاب شرح چغمینی کے حاشیہ کو آپ کے سامنے
پیش کروں گا۔ شرح چغمینی درس نظامی میں آج کل تو متداول نہیں لیکن آج سے چالیس پچاس سال پہلے درس نظامی کے فارغ
التحصیل طلبا بڑے ذوق و شوق سے اس کا درس بھی لیتے تھے اور اس کے پڑھانے والے اساتذہ بھی معدودے چند تھے
دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں شرح چغمینی بھی پڑھائی جاتی تھی اور حضرت صدر الشریعت مولانا امجد علی صاحب
رحمتہ اللہ علیہ اس کا درس دیا کرتے تھے آج کل تو درس نظامی کے طلبا کے ذہنوں میں اس کا نام بھی محفوظ نہیں ہے
اس مختصر سی تمہید کے بعد میں شرح چغمینی کا اولاً آپ سے تعارف کراتا ہوں پھر حضرت والا مرتبت امام احمد رضا قدس
سرہٗ کا حاشیہ پیش کروں گا۔

شرح چغمینی دوسرے علوم کی طرح مسلمانوں نے ریاضیات و فلکیات کے علوم کو بام ترقی تک پہنچایا
زیچ عمر خیام، مراغہ کی رصدگاہ (محقق طوسی) زیچ ملکشاہی ان علوم ریاضیات و فلکیات میں ایسے کارنامے ہیں جن کو
بھلایا نہیں جا سکتا۔ مغرب نے ہمارے ان کارناموں سے مدتوں استفادہ کیا اور اس کا اقرار بھی کیا۔ بخارا کی سرزمین کبھی

ہمارے تمدن و تہذیب اور علوم وفنون سے آراستہ و پیراستہ تھی اور اس کو دوسرا بغداد کہا جاتا تھا۔ ہزاروں علماء اس سرزمین سے پیدا ہوئے اور صدہا صاحبان علم وفضل نے اس کے دامن میں پناہ لی۔ مدتوں تک یہ سرزمین اور اس کے نواحی شہر ہمارے علوم وفنون کا مرکز رہے۔ اسی عظیم شہر بخارا کے نواحی علاقہ میں ایک بستی جغمین کے نام سے مشہور و معروف تھی۔ اسی بستی میں آٹھویں صدی ہجری میں علامہ محمود ابن محمد پیدا ہوئے اور بخارا کے مشاہیر اساتذہ سے اپنے علم کی پیاس بجھائی۔ ریاضیات سے آپ کو بہت شغف تھا۔ چنانچہ نویں صدی ہجری کے اوائل میں علم ہیئت کے مشکل اور عظیم موضوع پر کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد ایک کتاب مرتب کی اور اس کا نام رکھا

"الملخص فی الھیئت البسیط"

کتاب کا نام چونکہ طویل تھا اس لئے الملخص فی الھیئت البسیط" کے بجائے "جغمینی" کے نام سے مشہور ہو گئی۔ جب کتاب جغمینی کہا جاتا تو اس سے مراد "الملخص" فی الھیئت البسیط" ہی ہوتی تھی۔ کتاب چونکہ ایک بہت ہی مشکل موضوع پر تصنیف کی گئی تھی اس لئے اس کا "متن" بہت ادق اور مشکل تھا۔ خود مصنف نے اس کی شرح کی طرف توجہ نہیں کی اور شرح کی ضرورت شدید سے شدید تر ہوتی گئی۔ چنانچہ سرزمین روم کے ایک نوجوان عالم نے اس کی شرح پر قلم اٹھایا۔

یہ نوجوان عالم متبحر اور ریاضیات کے دالہ و شیدا علامہ موسیٰ پاشا بن محمد بن قاسم محمود رومی المعروف قاضی زادہ ہیں۔ نوجوانی میں تحصیل علم کے لئے اپنے مولد بروسہ (روم) سے نکل کھڑے ہوئے۔ ہر چند کہ بروسہ میں بھی علم و فضل کی شمعیں فروزاں تھیں۔ لیکن یہ خراسان اور ماوراءالنہر کے مشاہیر علماء سے اکتساب فیض کے لئے یہاں پہونچے۔ شیراز کی شہرت سنی تو شیراز گئے اور شیراز ہی میں تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ اور اسی سرزمین میں ریاضیات وفلکیات کے شوق نے ان سے علامہ محمد بن محمد کی مشہور کتاب "الملخص فی الھیئتہ البسطیہ" کی شرح لکھوائی۔ اس شرح کے توسط سے شاہ سمرقند الغ بیگ بن شاہرخ مرزا کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ الغ بیگ نے علوم ریاضیات پر ایسی عمیق نظر رکھنے والی شخصیت کو سمرقند میں مراغہ کی رصدگاہ کی طرح ایک رصدگاہ بنوانے پر آمادہ کیا۔ اس کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا تھا۔ لیکن آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور اس کی تکمیل سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔

قاضی زادہ نے اپنی یہ شرح ۸۱۵ھ میں مکمل کی تھی اور اپنے منعم الغ بیگ کے نام سے اس کو معنون کیا تھا علم ہندسہ وفلکیات پر علامہ قاضی زادہ کی یہ تصانیف بھی یادگار اور مشہور زمانہ ہیں۔

(۱) شرح حاشیہ ہدایت الحکمتہ
۲۔ شرح التذکرہ (فلکیات)
(۳) شرح حاشیہ ہدایہ الحکم

علامہ قاضی زادہ کی یہ شرح (الملخص فی الھیئت البسطیہ) اس قدر مقبول و معروف ہوئی کہ عوام تو عوام، خواص کے ذہنوں سے بھی" الملخص فی الھیئت البسطیہ" کا نام محو ہو گیا اور "شرح جغمینی" کا نام آج بھی زندہ ہے۔ اور ہیئت میں آج اور اسی کا درس دیا جاتا ہے

آپ کے بعد شرح جغمینی" پر محض حواشی لکھے گئے۔ الملخص فی الھیئت البسطیہ" کی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی۔ شرح جغمینی کے بعض حواشی یہ ہیں۔

سب سے پہلے شرح جغمینی (قاضی زادہ) پر علامہ احمد بن سلیمان رومی المعروف بہ کمال پاشا نے حاشیہ تحریر کئے

آپ ایک عظیم مصنف اور حاشیہ نگار تھے۔ برصغیر پاک و ہند کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے ایک عالم بے مثیل یعنی علامہ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے قاضی زادہ کی شرح چغمینی پر حاشیہ لکھا۔ چونکہ کتاب الملخص فی الہیئت البسیطہ بہت مشکل موضوع پر لکھی گئی اور جن طلباء کو علم ریاضی سے شغف تھا۔ ان ہی حضرات نے اس کی شرح پر حاشیہ نگاری فرمائی۔ تیسرے حاشیہ نگار علامہ برجندی صاحب "شرح مجسطی" ہیں۔ چونکہ چغمینی علم ہیئت پر ایک ادق کتاب تھی۔ اور اس پر حاشیہ نگاری میں صرف ان ہی حضرات نے توجہ کی جو علم ہیئت و افلاک پر بصیرت نامہ اور گہری نگاہ رکھتے تھے۔ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ حاشیہ شرح قاضی زادہ پر فلکیات و ہیئت میں آپ کے تبحر کا شاہد ہے

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ
بر
حاشیہ شرح چغمینی قاضی زادہ

توضیح قولہ دائرۃ البروج وھی رؤس البروج والحاصل ان راس کل برج قطب لدائرۃ من تلک الدوائر۔

توضیح قولہ ولا تخفی علیک تفاصیلھا۔ الدائرۃ المارۃ براس الثور والعقرب قطبھا راسا السنبلۃ والحوت وبالعکس والبواقی قد عرفت۔

تصریح قولہ بینہ وبین المعدل ای بین راس الخط۔ ۱۲

توضیح قولہ کتاب المناظر الذی فی شرح التذکرۃ۔ فی الرسالۃ لہ فی ان الظاھر من السماء اکبر نصفھا

فائدہ قال العلامۃ البرجندی فی الفصل السادس من المقالۃ الاولی من "شرح التحریر المجسطی" ما نصہ، قد تبین بالحساب الھندسی ان البصر اذا ارتفع من سطح الارض ثلثہ اصابع تقریباً یتصل طرف الخط الخارج من البصر للماس الکرۃ الارض بالفصل المشترک بین الافق الحقیقی ومحدب فلک البروج۔

تعقب قولہ الخط المحدد بالنقطتین اقول الخط لا یحصل لا باحاطۃ النقطتین الا تحدید متدارۃ اذ لولاھا لکان غیر متناہٍ فی جھۃ او الجھتین والمقدار المحدود ولیس بشکل اما ھیاۃ الطول العارضۃ فلیس من جھتہ احاطتہ بالنقطتین لھو بعض ذاتہ بخلاف السطح۔

حرف آخر

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صرف چند حواشی کا تعارف آپ کے سامنے پیش کیا ہے اور مضمون پچاس صفحات سے زیادہ پر پہنچ چکا ہے اسی لئے مجبوری ہے کہ اب اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔ اور ان شاء اللہ علمائے احناف کی تصانیف کا ہزار سالہ جائزہ میں جو اس وقت زیر ترتیب ہے جو دسویں صدی کے فقہا کے عنوان کے تحت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہ العزیز کے بقیہ حاشیوں کا تعارف آپ کے سامنے پیش کروں گا دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم کام کو پایۂ تکمیل پر پہنچائے اور میں آپ کی خدمت میں علمائے احناف کے گرانقدر کارناموں کو تفصیل سے پیش کر سکوں وما توفیقی الا باللہ

اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے یہ ضرور عرض کر دوں کہ قرن وار حواشی کی فہرست میں عرب وعجم، روم، مصر اور برصغیر پاک و ہند کے متعدد ارباب قلم کے کارناموں یعنی ان حضرات کے حواشی کا تذکرہ آپ کے سامنے نہیں کر سکا ہوں کہ اس کے لئے تشخص تلاش کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت وقت چاہتی تھی۔ معارف رضا کی کتابت شروع ہو چکی تھی اس لئے اس کم وقت میں جو کچھ ہو سکا وہ خدمت ہے اور پھر یہ کہ میرا موضوع تھا "حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی کا تعارف" اس ضمن میں قرن وار کچھ متن، حواشی اور محشی حضرات کے نام آپ کے سامنے پیش کر دیئے اور بس، ان شاء اللہ تعالیٰ زیر ترتیب کتاب میں اس کمی کو پورا کروں گا۔ اس کتاب کی تالیف و ترتیب کی تحریک بھی اسی مضمون کی نگارش سے پیدا ہوئی۔

آخر میں ایک اور بات پیش کرنا ہے کہ حواشی کے متون کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے لیکن اس پر بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اغلاط سے بالکل پاک ہیں۔ کتب محشی کے اگر تمام متون پر میری دسترس نہیں ہو سکی تو شاید اس عذر خواہی کی نوبت نہ آتی۔ میں گرامی قدر جناب مولانا خالد علی خاں سلمہٗ بریلوی کا منت پذیر ہوں کہ ان کے خلوص و اعتماد کے باعث اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حواشی تک رسائی ہوئی اور میں یہ جائزہ پیش کر سکا والسلام

بندۂ ناچیز

شمس بریلوی

(بسم الله الرحمن الرحيم) الحمد لله الذى هدانا فى البدايه لمعرفة الهدايه ورعانا بعين العناية فى النهاية عن الجهل والغوايه وجعلنا
ممن آمن بما أنزل لواتبع الرسل ووفق للدرايه وخصنا باهلية الشهادة على الامم بفضل منه وكمال الرعايه أحمده على افاضة حكمه وأشكره
على سوابغ نعمه وأصلى على من اصطفاه الله للرسالة فكان نازلا على وجهه حاميا أمينا وحباه بمعرفة أم الكتاب معدن الانوار والاسرار
فكان اماما هاديا مبينا محمد المبعوث الى الاسود والاحمر بالكتاب العربى المعجز المنور وعلى آله وأصحابه القائمين بنصرة الدين القويم
الازهر والصفوة المجتهدين من أمته الوارثين لعلمه العزيز الانور يقول العبد الفقير الى رحمة ربه الخفى محمد بن محمود بن أحمد الحنفى غفر
الله له ولوالديه وعاملهم بلطفه الخفى (أما بعد) فان كتاب الهدايه لمتنة الهدايه لاحتوائه على أصول الدرايه وانطوائه على متون الروايه
خلصت معادن ألفاظه من خبث الاسهاب وخلت نقود معانيه عن زيف الايجاز وبهرج الاطناب فبرز بروز الابريز مركبا من معنى
وجيز تمشت فى المفاصل عذوبته وفى الافكار رقته وفى العقول حدته ومع ذلك فربما خفيت جواهره فى معادنها واستترت لطائفه فى
مكامنها فلذلك تصدى الشيخ الامام والقرم الهمام جامع الاصل والفرع مقرر مبانى أحكام الشرع حسام الملة والدين السغناقى
سقى الله ثراه وجعل الجنة مثواه لابراز ذلك والتنقير عما هنالك فشرحه شرحا وافيا وبين ما أشكل منه بيانا شافيا وسماه النهاية
لوقوعه فى نهاية التحقيق واشتماله على ما هو الغاية فى التدقيق لكن وقع فيه بعض اطناب لابحيث أن يهجر لاجله الكتاب ولكن
بعسر استحضاره وقت القاء الدرس على (٢) الطلاب وكانوا يقترحون عند المذاكرة أن أختصره على ما يحتاج اليه حل ألفاظ الهدايه
وبيان مبانيه ويحصل به
تطبيق الادلة على تقرير
أحكامه ومعانيه وكنت
أمتنع عن ذلك غاية
الامتناع وأسوفهم من
الاعوام مثنى وثلاث
ورباع وكان امتناعى
يزيدهم غراما وتسويفى
يفيدهم هياما فلم نزل على
هذا المنهاج حتى أصبحوا
ظاهرين بالحاج فاستخرت
الله تعالى وأقدمت على
هذا الخطب الخطير
وتضرعت بضراعة الطالب
الى العالم الخبير فى استنزال
كلاءته عن الزلل فى التحرير
والتقرير وجعت منه

الحمد لله

(بسم الله الرحمن الرحيم) الحمد لله رب العالمين على ما ألهم وعلم من العلم ما لم نعلم والصلاة والسلام على

(قوله الحمد لله) الحمد هو الثناء على الجميل من نعمة وغيرها يقال حمدت الرجل على انعامه وحمدته على حسنه

ومن غيره من الشروح ما ظننت أنه مما يحتاج اليه وما يكون الاعتماد وقت الاستدلال عليه وأشرت الى ما يتم به مقدمات الذى
الدليل وترتيبه ولم آل جهدا فى تنقيحه وتهذيبه وأوردت مباحث لم أظفر عليها فى كتاب ولم تصل الى عن أحد لا برسالة ولا خطاب بل كان
خاطرى أبا عذره ومقتضب حلوه ومره (وسميتها العنايه) لحصوله بعون الله والعنايه وسألت الله أن ينفع به كما نفع باصله انه أكرم
مسؤل وأعز مأمول * ثم انى أروى كتاب الهدايه عن شيخى العلامة امام الهدى معدن التقى فريد عصره ووحيد دهره قدوة
العلماء عمدة الفضلاء قوام الحق والملة والدين الكاكى قدس الله روحه ونور ضريحه وهو يرويه عن شيخيه العلامتين الامامين
الهمامين المجتهدين مولانا علاء الدين عبد العزيز صاحب الكشف ومولانا حسام الدين حسين السغناقى صاحب النهاية برد الله مضجعهما
ونور بفضله وكرمه مهجعهما وهما يروبانه عن الشيخ الكبير السالك الناسك البارع الورع التقى النقى أستاذ العلماء مولانا حافظ
الدين الكبير وعن قطب المجتهدين وقدوة المحققين وأسوة المتقين مولانا فخر الدين المايمرغى رحمهما الله رحمة واسعة وهما يرويانه
عن أستاذ أئمة الدنيا مظهر كلمة الله العليا شمس الائمة محمد بن عبد الستار بن محمد الكردرى تغمده الله برحمته ورضوانه وهو يرويه
عن شيخه شيخ شيوخ الاسلام حجة الله على الانام مرشد علماء الدهر ما تكررت الليالى والايام المخصوص بالعناية صاحب الهداية
غفر الله لهم ولوالديهم ولنا ولوالدينا وأثابنا الجنة برحمته وختم لنا بخير فى عافية أجمعين انه أرحم الراحمين قال المصنف رحمه الله (الحمد لله

(بسم الله الرحمن الرحيم) الحمد لمن لا غاية لعنايته الازلية ولا نهاية لهدايته العلية والشكر لمن أرسل النبى الصفى الامين فاظهر الشرع

لنفسه مذهب صاحب النهاية وتاج الشريعة رحمهما الله وان كان ذكره لبيان صلاحيته لذلك كان معناه وأنا منهم هم رجال ونحن رجال وحصل الوقوف لنا على المآخذ بالاتقان كما حصل لهم فأزلنا الاعتبار والحال أنه قد حرى على الوعد وهو مما يسوغ بعض المساغ بعد منفردا عن صلاحية الواعد للاتيان بالموعود فكيف مع الصلاحية والى هذا ذهب بعض الشارحين لكن لا على هذا الوجه الذى ذكرته من العبارة وقوله وحين أكاد أتكئ عنه اتكاء الفراغ قيل عدى الاتكاء بعن وان كانت تعديته بعلى لتضمين معنى الفراغ ورد بان معناه حينئذ يكون وحين أكاد أفرغ عنه فراغ الفراغ وهو تركيب فاسد والصحيح أن عنه صلة الفراغ قدم عليه رعاية للسجع وقوله تبينت أى علمت والنبذ الشئ القليل وقوله فصرفت العنان والعناية يعنى عنان الخاطر وعناية القلب وقيل المراد بالعنان الظاهر وبالعناية الباطن وقوله أجمع يجوز أن يكون حالا من ضمير صرفت ويجوز أن يكون صفة شرح وعيون الرواية هى التى اختارها العلماء رحمهم الله فان عين الشئ خياره ومتون الدراية المعانى المؤثرة والنكات المتينة وقوله فى كل باب يعنى من الرواية والدراية وقوله عن هذا النوع اشارة الى الذى وقع فى كفاية المنتهى وخاف أن يهجر لاجله الكتاب والاسهاب هو الاطناب (٧) وهو التكلم بازيد من متعارف الاوساط وقوله مع ما أنه دفع لما يتوهم أنه لما وقع موجزا خاليا عن الاصول والفصول فكان أولى بالهجر من الاول فقال ليس هو كذلك بل هو مع كونه خاليا عن الاطناب مشتمل على أصول ينسحب عليها فصول وهو كما قال جزاه الله عن الطلبة خيرا يطلع على ذلك من خدم كتابه حق خدمته فما ظهر من ذلك قوله فى فساد البيع بالشرط كل شرط يخالف مقتضى العقد وفيه نفع لاحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسد البيع فان فى كل قيد منها احترازا عما يضاده وجمعا لما يوافقه وقوله لاتمامها واختتامها الضمير للهداية وفى بعض النسخ بلفظ التثنية فيهما والضمير للشرحين وقوله حتى ان من سمت متصل بتاركا للزوائد أو بصرفت وسمت بمعنى علت والمزيد مصدر كالزيادة

وحين أكاد أتكئ عنه اتكاء الفراغ تبينت فيه نبذا من الاطناب وخشيت أن يهجر لاجله الكتاب فصرفت العنان والعناية الى شرح آخر موسوم بالهداية أجمع فيه بتوفيق الله تعالى بين عيون الرواية ومتون الدراية تاركا للزوائد فى كل باب معرضا عن هذا النوع من الاسهاب مع ما أنه يشتمل على أصول ينسحب عليها فصول وأسأل الله تعالى أن يوفقنى لاتمامها ويختم لى بالسعادة بعد اختتامها حتى ان من سمت همته الى مزيد الوقوف يرغب فى الاطول والاكبر ومن أعجله الوقت عنه يقتصر على

المعروف بالاسكندرى الحنفى بقية المجتهدين والمحققين تغمدهم الله برحمته أجمعين وايانا بفضل الله ورحمته

من المصنف رحمه الله هضم النفس وتعظيم شأن التصنيف (قوله اتكئ عنه) ضمن الاتكاء معنى الفراغ فعداه بعن أى كنت متكئا عليه فلما انتهى كدت أستريح لفراغى عنه (قوله اتكاء الفراغ) أى اتكاء متلبسا بالفراغ (قوله نبذا) يقال فى رأسه نبذ من شيب وأصاب الارض نبذ من مطر أى شئ يسير (قوله فصرفت العنان والعناية) العناية مصدر عنى بكذا اذا اهتم به (قوله بين عيون الرواية) عين الشئ خياره (قوله متون الدراية) متن الشئ بالضم متانة فهو متين أى صلب وقوى ويقال رجل متين أى صلب وقوى والمراد من متون الدراية هو المعانى المؤثرة والنكات المتينة التى لا تنقض (قوله فى كل باب) أى فى الروايات والنكت (قوله مع ما انه يشتمل على أصول تنسحب عليها فروع) فيه دفع توهم من يتوهم انه لما ترك الزوائد فى كل باب وأعرض عن الاسهاب لعله لم يأت باصول ذات فوائد فقال مع كونه محذوف الزوائد مشحون بالفوائد هذا كما قيل فى فساد البيع بالشرط وهو كل شرط يخالف مقتضى العقد وفيه نفع لاحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسد البيع والا فلا ففى كل قيد منه احترازا عما يضاده وجمع لما يوافقه وكذلك فى مسئلة المحاذاة ومن شرط المحاذاة ان تكون الصلاة مشتركة وان تكون المرأة من أهل الشهوة وان لا يكون بينهما حائل وأمثالها كما يعثر عليها فى اثناء كلماته (قوله لاتمامها واختتامها) يريد به شرحين وفى بعض النسخ لاختتامهما

(قوله وقوله وحين أكاد أتكئ عنه اتكاء الفراغ قيل عدى الاتكاء بعن وان كانت تعديته بعلى لتضمين معنى الفراغ ورد بان معناه حينئذ يكون وحين أكاد أفرغ عنه فراغ الفراغ وهو تركيب فاسد والصحيح أن عنه صلة الفراغ قدم رعاية للسجع) أقول معمول المصدر لا يتقدم عليه على ما نص عليه فى كتب النحو ثم أقول قد كتب فى هامش كتابى ما هو صورته ويمكن أن يقال على تقدير تضمين معنى الفراغ ليس معنى التركيب ما ذكره هذا الراد بل معناه أكاد أتكئ فارغا عنه اتكاء الفراغ ألا ترى الى قول صاحب الكشاف عند قوله تعالى ولتكبروا الله على ما هداكم وانما عدى فعل التكبير بحرف الاستعلاء لكونه متضمنا معنى الحمد كانه قيل ولتكبروا الله حامدين على ما هداكم حيث أبقى الفعل المتضمن على حاله وأبرز المضمن حالا وجعل الجار متعلقا به فكذا يقدر ما نحن فيه ولا يلزم فساد التركيب اهـ فاقول أو معناه أكاد أفرغ عنه متكئا اتكاء الفراغ على أن يكون المضمن فيه حالا وهو أكثر وأقيس صرح به السيد فى حواشى شرح المفتاح (قال المصنف ينسحب) أقول أى يجر (قوله وقوله حتى ان من سمت متصل بتاركا للزوائد أو بصرفت) أقول لم يجوز أن يكون غاية لا توفقنى أو لسؤاله على تقدير تأنيث الضمير

محبوب شفیع المذنبین

۱۴۰۱ھ

رازِ فطرت کے حقیقی ترجماں احمد رضا
ہیں رموزِ معرفت کے رازداں احمد رضا

آپ ہیں مسند نشین محفلِ نعتِ نبی
سرورِ کون و مکاں کے مدح خواں احمد رضا

مسلکِ احناف کے ہیں سالکِ روشن ضمیر
منزلِ حق کے امیرِ کارواں احمد رضا

پیشوائے اہلِ سنت، صدرِ اربابِ یقیں
داعیِ حق، واعظِ شیریں بیاں احمد رضا

ہیں ثنائے حق تعالیٰ میں مگن شام و سحر
مدحِ پیغمبر میں ہیں رطب اللساں احمد رضا

مفتیِ دوراں، فقیہہِ نکتہ داں، گنجِ علوم
حکمت و عرفاں کے بحرِ بیکراں احمد رضا

ہیں تصانیفِ گرامی رہبرِ اہلِ نظر
کائناتِ علم کے روحِ رواں احمد رضا

ذرہ ذرہ ہے جہانِ معرفت کا نور بیز
ہیں حریمِ فقر میں جلوہ فشاں احمد رضا

جانشینِ غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ
خادمِ اسلام، مخدومِ جہاں احمد رضا

عارفِ کامل، ولیِ باصفا، قطبِ زمن
ہیں مجدد اور محدث بے گماں احمد رضا

گلستانِ قادریت آپ سے ہے پُر بہار
درحقیقت ہیں بہارِ بے خزاں احمد رضا

ہیں وہ سرتاجِ افاضل، عالمِ علمِ کلام
شارحِ قرآں، یکتائے زماں احمد رضا

تشنہ کامانِ جہانِ معرفت کے واسطے
ہیں بلاشک چشمۂ آبِ رواں احمد رضا

آپ سے نسبت پہ کیوں نہ فخر ہو مجھ کو بھی جب
ہر عقیدت کیش پر ہیں مہرباں احمد رضا

جس سے روشن ہے جہانِ قادریت اے قمرؔ
ہیں وہ حق کے آفتابِ ضو فشاں احمد رضا

(رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

نتیجۂ فکر المخلص قمر یزدانی

۱۹۸۱ء

مرثیہ :- نتیجۂ فکر حضرت مولانا محمد ابراہیم خوشتر مقیم مانچسٹر انگلینڈ

مرثیہ مرشد زمانہ ۱۴۰۲ھ

مرثیہ سردار اصفیا ۱۴۰۲ھ

فراق مفتی اعظم ہند

۱۹۸۱

کیا بتاؤں کون کیسا مقتدا جاتا رہا
مقتدا کرتے تھے جسکی اقتدا جاتا رہا

خوبصورت خوب سیرت خوش لقا جاتا رہا
خوبیٔ خوباں کا جو معیار تھا جاتا رہا

حق شعار و حق نگر حق آشنا جاتا رہا
حق نگار و حق نظر حق رہنما جاتا رہا

پارسائی کی سند ملتی تھی جسکی ذات سے
پارساؤں میں سے وہ ایسا پارسا جاتا رہا

آفتاب نور پر تھا جس کا تا نصف النہار
وہ ہوا زائل تو عالم نور کا جاتا رہا

اٹھ گیا نوری میاں کا وارث حق اٹھ گیا
جانشین حضرت احمد رضا جاتا رہا

کس کو ڈھونڈوں کس کو پاؤں اور کروں کس سے سوال
خود تھا ہر اک بات کا جو فیصلہ جاتا رہا

نطق ہی خاموش ہو جاتا کبھی جس کے حضور
وہ فصیح بے بدل اسلام کا جاتا رہا

مجلس بیعت میں آجاتے تھے جسکی غوث بھی
دوستو! وہ نائب غوث الوریٰ جاتا رہا

اے بریلی اے زمین تاجدار علم و فن
جو امانت دار تھا اسلاف کا جاتا رہا

جانے والے تجھ پہ ہوں سو سو خدا کی رحمتیں
تو گیا کیا حوصلہ اسلام کا جاتا رہا

مصطفیٰ تھا نام جس کا وہ عشق مصطفیٰ
صورت و سیرت میں تھا جو مصطفیٰ جاتا رہا

مصطفیٰ منزل میں تو اور مصطفیٰ منزل تری
از بریلی تا مدینہ ناصحہ جاتا رہا

اے شبیہ حضرت احمد رضا پائندہ باد
تو گیا تو آہ اب احمد رضا جاتا رہا

گھول جو دیتا تھا رس کانوں میں میٹھے بول سے
اے سراپا گوش و شیریں ندا جاتا رہا

مدرسہ ہو کوئی مسجد یا کوئی خانقاہ
ہر مکاں میں تو مکیں لاریب تھا جاتا رہا

منزل گم کردہ منزل ہدایت کا نشاں
مرشد و ہادی ہمارا آسرا جاتا رہا

زندگی بھر تھی رضائے مصطفیٰ جسکو عزیز
وہ رضائے مصطفیٰ کا مصطفیٰ جاتا رہا

ڈوب کر بحر فنا میں وہ بقا کے گھاٹ تک
پھر دیدار شہ اہل بقا جاتا رہا

احمد نوری نے دی جسکی ولادت کی خبر
اس بشارت کی خبر کا مبتدا جاتا رہا

دل گیا تو غم نہیں کہ دل ربا کے پاس تھا
غم تو یہ ہے آج اپنا دل ربا جاتا رہا

جس دل بیکل کو کل ملتی تھی اس کی دید سے
اس دل بے آسرا کا آسرا جاتا رہا

احمد نوری نے جسکو خلافت ہند میں
تا لحد نوری کا وہ نوری رضا جاتا رہا

دست بھی جس کا براہ راست دستِ غوث تھا
جو مریدوں پر تھا یعنی کالسماء جاتا رہا

ڈٹ گیا ہو جو ہمیشہ موجِ صد طوفان میں
کشتیٔ امت کا اب ناخدا جاتا رہا

مطمئنہ۔ نفس امارہ ہوا جس کے حضور
جو بھر خناس تھا تیر قضا جاتا رہا

لمحہ لمحہ جو مجسم شاغل و ذاکر رہا!
شغل و ذکر و فکر وہ مشغلہ جاتا رہا

فرط و ذخر و اجر و شافع جل با
ہم گنہ گاروں کے دل کا حوصلہ جاتا رہا

ہو گیا محراب منبر آہ سونا ہو گیا
راکع و خاشع امام الاولیا جاتا رہا

ہو گیا تاریک عالم اور ظلمت بڑھ گئی
چھپ گیا دن آفتاب پر ضیا جاتا رہا

ناز تھا جس کے جو دناز پر خود ناز کو
وہ سراپا نازش اہلِ ولا جاتا رہا

بیسر دہ ایسا کہ اسّی لاکھ ہوں جس کے مرید
اس صدی کا بے بدل وہ رہنما جاتا رہا

ذات تھی جس کی مریدوں کیلئے حصن حصین
وہ حفاظت کا مکمل دائرہ جاتا رہا

ہم سفر حیران منزل دور شب رہ پرخطر
قافلے کی خیر میر قافلہ جاتا رہا

جس نے دی تھی یہ دعا خوشتر کو خوشتر کر خدا
آہ وہ خوشتر کا خوشتر خوش ادا جاتا رہا
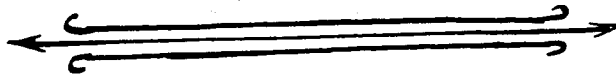
ص۱ پسندیدہ ص۲ مراد قیام گاہ۔ مدینہ میں جہاں آپ کا قیام ہوا اس کا نام بھی اصطفےٰ منزل تھا۔ ص۳ ذات نبوت مراد ہے
ص۴ اس سے حضرت ممدوح کا فیضان مراد ہے۔

(عالی جناب خان محمد علی خان صاحب ہوتی۔ وفاقی وزیر تعلیم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ علمائے حقانی اور اولیائے ربانی نے ملت اسلامیہ کی ہر دور میں فکری و عملی راہنمائی فرمائی ہے۔ تاریخ اسلام نے اگرچہ بڑے بڑے باجبروت حاکم پیدا کئے ہیں مگر دلوں پر اقتدار کا پرچم صرف علمائے حقانی اور اولیائے ربانی کا لہراتا رہا ہے اس کا اظہار ہماری آج کی اس روحانی محفل کے قائد مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی نے خود یوں فرمایا ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم — جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

حضرت فاضل بریلوی کی ولادت اس پر آشوب دور میں ہوئی جب انگریز کا دلوا ستبداد مغلیہ اقتدار کے محلات کھنڈرات پر محو رقص تھا۔ یہ ۱۸۵۶ء تھا۔ آپ کی ولادت ہفتہ دہم شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ نماز ظہر کا وقت تھا۔ تاریخی نام المختار تجویز ہوا۔ دادا جان نے احمد رضا کا پیارا نام تجویز فرمایا۔ اور اسی نام کو بقائے دوام میسر آیا۔ آپ نے اپنے لئے عبد المصطفےٰ کا لقب خود منتخب کیا۔ اور آقا کی غلامی میں یوں مقبول ہوئے کہ غلامی و عبدیت کا سہرا ملک بھر میں انہی کے سر سجا زندگی کی ابھی تیرہ بہاریں دیکھیں تھیں کہ علوم اسلامیہ متداولہ سے فارغ ہو کر مسند افتاء پر قدم رنجہ فرمایا
کاملہ شیخ سید آل رسول کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خرقۂ خلافت و اجازت بیعت ملی۔ وسعت علمی کا یہ حال ہے کہ علوم ذہن میں حاضر رہتے ہیں۔ معانی و الفاظ دست بستہ غلاموں کی طرح کھڑے رہتے ہیں کہ آپ کی نگاہ انتخابات کس پر پڑتی ہے۔ بلا کی ذہانت ہے اور انتہائی ذکاوت قوت حافظہ کا یہ کمال ہے کہ رمضان شریف میں روزانہ ایک پارے کے حساب سے قرآن پاک یاد فرمالیا۔

یہ علم و عمل کا نیر اعظم ۱۸ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء دوپہر دو بجکر ۳۸ منٹ پر شفیق محبت کی گود میں ہمیشہ کے لئے یاد محبوب کی معیت میں سو گیا اور اپنے وصال کی تاریخ کا قرآن کریم کی اس آیت مقدس سے استخراج فرمالیا۔ وَیُطَافُ عَلَیْهِمْ بِآنِیَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَّاَکْوَابٍ، آپ کی ولادت کے اگلے سال یعنی ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف ملک گیر پہلی تحریک آزادی چلنے والی تھی۔ امام اہل سنت نے بچپن سے لے کر جوانی تک اپنے حساس دل سے وہ سب کچھ ملاحظہ فرمایا جو انگریز کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ انگریز کے زیر سایہ ہندو نے بھی مسلمان سے ماضی کا انتقام لینے کا پروگرام بنالیا ہے۔ ہندو چاہتا ہے کہ جب بھی انگریز برصغیر سے رخت سفر

باندھے تو وہ اس کا جانشین بنے اور اپنی اکثریت کی بناء پر جمہوریت کی آڑ میں مسلم کشی کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر کرے۔

حساس مسلمان اس کا گہرا مطالعہ کر رہے تھے اور فاضل بریلوی جنہوں نے مسلمانوں کی فکری آبیاری کے لئے ایک ہزار کے لگ بھگ کتب ہر موضوع پر تحریر فرمائی ہیں مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہے تھے کہ کفر کی سب قسموں سے انہیں الگ رہنا چاہیئے اگر انگریز سے ترک موالات ضروری ہے تو ہندو سے بھی ترک موالات لازمی ہے نہ ہندو مسلمان کا ساتھی بن سکتا ہے اور نہ ہی غمخوار

بڑے بڑے مسلم زعماء نے اعلیٰ حضرت کو اپنے راستے سے ہٹا کر مودت ہنود کے خارزار میں لانا چاہا مگر ان کا جواب ایک ہی تھا کہ سب ایک ہی مزاج کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں کسی کفر سے رشتہ مودت قائم نہیں کر سکتا۔ یہی وہ زندہ حقیقت تھی جو آگے چل کر تحریک پاکستان کی شکل میں متشکل ہوئی۔ اسی نظریہ کو اکبر اعظم کے دور میں پوری قوت سے امام مجدد الف ثانی نے موضوع قلم قرار دیا۔

اعلیٰ حضرت کے بعد علامہ اقبال مرحوم نے اسی پیغام کی ترجمانی کی اور انہی افکار و نظریات کو بنیاد بنا کر حضرت قائد اعظم نے تعمیر پاکستان فرمائی۔ اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کے ملی تشخص کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ سودی کاروبار کسی بھی صورت میں جائز نہ قرار دیا جائے اور برصغیر کو دارالحرب قرار دیکر کو ضرورت قرار دیکر جائز نہ سمجھا جائے تاکہ ہندو ساہوکار غریب مسلمانوں کا خون چوسنے والی جونک نہ بن سکے۔ انہوں نے واضح فرمایا کہ مسلمان اپنا بنک قائم کریں تاکہ ان کا قومی تشخص بھی ابھرے اور وہ سرمایہ لگا کر اپنے غریب بھائیوں کے بھی کام آسکیں انہوں نے اس بات پر بھی بہت زور دیا کہ مسلمان صرف مسلمانوں سے لین دین کرے تاکہ تجارت کے میدان میں وہ اپنا مقام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی مالی قوت میں بھی استحکام پیدا کر سکے انہوں نے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا تاکہ انگریز اور ہندو کے فکری تغلب سے بھی نجات مل سکے اور مذہب سے تعلق قائم ہو، اور مستقبل کے قائد پیدا کئے جا سکیں؛

اندازہ فرمایئے کیا یہ نکات دو قومی نظریہ کی بنیاد نہیں ہیں؟ کیا دو قومی نظریہ ہی تحریک پاکستان کی روح نہیں ہے کیا اسی دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہی یہ برصغیر تقسیم نہیں ہوا۔ کیا اسی نظریہ کے ابطال کے لئے اندرا گاندھی نے سقوط مشرقی پاکستان کے وقت بھرپور تقریر نہیں کی تو اس نظریہ کے لئے علمائے حقانی میں سے اعلیٰ حضرت بریلوی نے سب سے زیادہ تحریری کام کیا ہے انہوں نے اپنی فکر رسا سے سمجھ لیا تھا کہ انگریز کدھر جا رہا ہے اور ہندو کیا چاہتا ہے۔ جن کی علمی و فکری کاوشوں کو دیکھ کر علامہ اقبال جیسے مفکر اسلام نے برملا طور پر ارشاد فرمایا تھا کہ ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔ وہ اپنے دور کے امام ابوحنیفہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی نے صرف دو قومی نظریہ کی علمی تشریح و تعبیر پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنا وسیع حلقۂ عقیدت پیدا کیا اور ان کے اس عظیم حلقۂ ارادت نے تحریک پاکستان کے دوران حضرت قائد اعظم کی بھرپور مدد کی۔

حضرات یہ وہ زمانہ تھا کہ کچھ علماء نام کے مسلمان تھے بظاہر مسلمان تھے لیکن انہوں نے ہندو کا ساتھ دیا اور ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ کانگریسی مولوی کو کیا پوچھتے ہو کہ کیا ہے .... "گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے"....... حضرت محدث کچھوچھوی۔ حضرت شیخ الاسلام سیالوی، حضرت خواجہ گولڑوی حضرت محدث علی پوری اور علامہ بدایونی جیسے رہنمایان ملت اعلیٰ حضرت کی صدائے دل نواز کے مظہر اتم تھے۔ اعلیٰ حضرت کے ہمنواؤں نے

ہندوؤں کے متبرک تبرتھ مقام بنارس میں قیام پاکستان کے لئے عظیم کانفرنس منعقد کی تھی اور یہ دو قومی نظریہ کے مبلغ اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے اعلان کیا کہ اگر مسلم لیگ قیام پاکستان کے مطالبے سے ہٹ بھی جائے تو ہم اس مطالبے سے ہرگز نہیں ہٹیں گے اعلیٰ حضرت شمع اسلام میں محبت کا تیل ڈالنے میں ساری زندگی مصروف رہے عرب وعجم میں کئی تحریکیں اٹھیں جن کے فکری ڈانڈے کہیں دور اسلام سے جا ایک ڈنڈیوں سے ملتے تھے۔ مگر دل نواز و نظر فریب نعروں سے ان افکار کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔ حضرت بریلوی ایسی کسی تحریک سے متاثر نہیں ہوئے انہوں نے مسلم کی توانائیاں ان کے تار و پود بکھیرنے میں صرف کردیں اور حقیقی اسلام کے درخشاں چہرے سے سب غلط افکار کے پردے نوچ پھینکے اسلام اسی آب و تاب سے سامنے آیا جس چمک دمک سے وہ دورِ نبوت عہد خلافت اور مجتہدین سے ضیا پاشیاں کرتا آرہا تھا۔ اعلیٰ حضرت کو یہ یقین واثق تھا کہ اسلام امام الانبیاء محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نام ہے وہ سمجھتے تھے کہ محبت ہی غیر مشروط اطاعت و اتباع کو جنم دیتی ہے انہیں یقین تھا کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی کامیابیوں کا راز اسی نور محبت اور مشفق اتباع واطاعت کا پرتو تھا لہٰذا انہوں نے قوم کو مقام مصطفیٰ کی عظمت کی طرف بلایا بلالی روح پیدا کرنے کی تلقین فرمائی اجماع امت کے حسن کو عام کیا اور بتایا کہ بات وہی ہے جو دورِ اول سے لے کر آج تک اولیاء سلف کرتے آئے ہیں۔

محبت اپنے کچھ تقاضے رکھتی ہے پھر جس سینے میں شاہِ ہر دوسرا کی محبت ہو وہ محبت کے تقاضوں کو کیسے پورا کرتا رہے گا اور محبت کی رعنائیوں سے کس طرح مسحور ہوتا ہوگا؟ اس کا اندازہ بھی امام رضا کی پاکیزہ زندگی سے کیا جاسکتا ہے۔ باعث تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اعلیٰ حضرت آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت رکھتے تھے سنت مصطفوی سے عشق تھا زندگی کے ہر شعبے کو نورِ سنت سے منور رکھتے تھے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام سے محبت تھی اولیاء امت سے عموماً اور غوث الثقلین شاہ بغداد سے خصوصاً والہانہ عشق تھا کیونکہ یہ لوگ فاسمانِ نورِ مصطفیٰ اور بلبلانِ گلشنِ مجتبیٰ تھے اس محبت میں انہیں استغراق کلی حاصل تھا اور درِ مصطفیٰ علیہ السّلام کو چھوڑ کر کسی دنیا والے کے دروازے پر کبھی انہوں نے نگاہِ غلط انداز نہیں ڈالی انہیں بھروسہ تھا اپنے آقا مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم گستریوں پر انہیں اعتماد تھا اپنے ہادی و شاہد علیہ السلام کی بندہ پروریوں پر ان کی نگاہیں اٹھتی تھیں تو تجلیاتِ مصطفیٰ کی ضوریزیوں کے سمیٹنے پر ان کا دل دھڑکتا تھا تو صرف رحمت اللعالمین کی رحمت نوازیوں پر وہ علوم مصطفیٰ کے گلشن کے بلبل تھے لہٰذا انہیں ہر طرف علم مصطفیٰ کے جلوے نظر آتے تھے اور نورِ مصطفیٰ کی نور بیزیاں نظر آتی تھیں عشق مصطفیٰ کا جو معیار وہ قائم فرما گئے وہ متاخرین کے لئے منارۂ نور رہے اور وہ سوز جو اپنے کلام میں بھر گئے خدا جانے کب تک دلوں کو گرماتا اور وجدان کو تڑپاتا رہے گا ان کے دور کے شعراء مسلمان نوابوں کے قصائد مدحیہ لکھ کر جلب زر کر رہے تھے۔ نواب نان پارہ کا دربار شعراء کو کشاں کشاں حصول زر کے لئے لا رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری کے لئے لوگوں نے اس دربار کا دروازہ کھولنا چاہا بے چاروں کو پتہ نہیں تھا کہ عبد مصطفیٰ عبد زر نہیں ہوا کرتے۔ اعلیٰ حضرت سے درخواست کی گئی کہ وہ بھی نواب نان پارہ کی شان میں قصیدہ رقم فرمائیں ذرا جواب ملاحظہ ہو زبان شعر میں اپنا عقیدہ بیان فرمادیا اپنی زندگی کا خلاصہ بیان فرمادیا ہے اپنے محبوب پاک کے مقابلے میں دنیا کے شاہوں کو لانا بھی ایمان کی توہین قرار دے دیا ہے اور کیا لطافت طبعی ہے کہ نان پارہ کے لفظ کو ترکیب اضافی کی شکل دے کر ادبی وجدان رکھنے والوں کی دنیا میں وجد و مستی پیدا کردی ہے ارشاد ہوتا ہے ؎

کروں مدحِ اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ نان نہیں

ذرا اس بلا میں میری بلا کی بندش ملاحظہ ہو اور ذرا ملاحظہ فرمائیں اس والہانہ پن کو "خو ہیں گدا ہوں اپنے کریم کا" ہیں مضمر ہے واہ کیا شان ہے۔ اس گدا کی جو اپنے کریم کے سوا کسی کو اپنا کریم نہیں مانتا کیا شان ہے پھر اس رحیم و کریم آقا کی جو اپنے گدا کو پارہ نان کے لئے کسی نواب نان پارہ کے دروازے پر جانے نہیں دیتا۔ گدا ہے باوفا اور کریم ہے باحمیت و باسخا سبحان اللہ کیا مقام نیازمندی ہے اور کیا مرتبہ بندہ پروری ہے اور کرم گستری ہے اعلیٰ حضرت کی دینی اور ملی خدمات کو دیکھ کر حرم پاک کے عظیم عالم سید خلیل مکی نے انہیں چودھویں صدی ہجری کا مجدد کہا اور یہ نعرہ اہلسنت کا نعرہ بن گیا لبنان کے شہرۂ آفاق مفکر علامہ یوسف بنہانی نے انہیں امام کبیر کے لقب سے نوازا جن حضرات نے اعلیٰ حضرت کی گراں مایہ کتب کا مطالعہ کیا ہے اور ان کی وسیع المطالعہ شخصیت کو ملاحظہ کیا ہے . . . . اوران کی وسعت علمی کے سمندر میں غوطہ زنی کی کوشش کی ہے وہ یقیناً علامہ مکی اور علامہ بنہانی کی آراء کی تائید کرتے ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں انسان اربعہ عناصر سے مرکب ہیں مگر اعلیٰ حضرت کا خمیر تین عناصر سے اٹھا تھا اور وہ ہیں علم۔ عمل اور محبت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بشکریہ ہفت روزہ افق کراچی)

در منقبت حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بندۂ قادر کا بھی قادر بھی ہے عبد القادر
سِرِّ باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبد القادرؓ

مفتیٔ شرع بھی ہے قاضیٔ ملت بھی ہے
علم اسرار سے ماہر بھی ہے عبد القادرؓ

منبع فیض بھی ہے مجمع افضال بھی ہے
مہر عرفان کا منور بھی ہے عبد القادرؓ

قطب ابدال بھی ہے محور ارشاد بھی ہے
مرکز دائرہ سر بھی ہے عبد القادرؓ

سلک عرفان کی ضیا ہے یہی در مختار
فخر اشباہ و نظائر بھی ہے عبد القادرؓ

اس کے فرمان ہیں سب شارح حکم شارع
مظہر ناہی و آمر بھی ہے عبد القادرؓ

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی!
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادرؓ

رشک بلبل ہے رضاؔ لالہ صد داغ بھی ہے
آپ کا واصف و ذاکر بھی ہے عبد القادرؓ

⁂ ⁂ ⁂

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی

از:- حکیم مظفرؔ عزیز لاہور

مدّ نظر تھی احمد رضا خاں کی منقبت ۔۔۔ آئی زباں پہ حضرت انساں کی منقبت

حُبِّ رسول میں جو فنا فی الرسول تھا ۔۔۔ ہر منقبت، اس صاحبِ ایماں کی منقبت

تابندہ چونکہ اس کا سلام و درود تھا ۔۔۔ تابندہ تر ہے مردِ مسلماں کی منقبت

تھا اس کا ذوق، کوثر و تسنیم میں دُھلا ۔۔۔ اب ہر زباں پہ ذوقِ فراواں کی منقبت

اس کی زباں پہ ذکر تھا طیبہ کے چاند کا ۔۔۔ اب عام اس کے ذکرِ فراواں کی منقبت

نازاں تھا جس پہ عاشقِ قرآن کا خطاب ۔۔۔ ہے زر فشاں اُس عاشقِ قرآں کی منقبت

محسوس ہو رہا ہے ستاروں میں عرش پر ۔۔۔ لکھی ہوئی ہے احمد رضا خاں کی منقبت

میرے دل و دماغ میں بھی آگئی بہار ۔۔۔ نازل ہوئی جو پیکرِ احساں کی منقبت

خوشبوئے زلف، احمد رضا خاں کو تھی عزیز

مجھکو عزیز، زلفِ پریشاں کی منقبت

الحمد للہ

ہم بڑی مسرت کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں امام اہلسنّت اعلیٰحضرت

مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرہٗ

کی ان دینی مساعی کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں جن کی تکمیل کے لئے آپ نے اپنی عمر عزیز کے قیمتی ماہ و سال صرف کئے اور ہماری رہنمائی فرمائی

اس سلسلے میں بطور تشکر ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ اگر

محترم جناب انور بھائی صاحب

محترم جناب قاری محمد مصلح الدین صدیقی صاحب

محترم جناب عبد الطیف صاحب قادری

محترم جناب شفیع بھائی صاحب

محترم جناب حمید بھائی صاحب

محترم جناب وجاہت رسول صاحب قادری

محترم جناب عزیز بیٹی صاحب

جیسے مخلصین اور فدائیانِ اعلیٰحضرت کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو ہم ہرگز اس لائق نہیں تھے کہ اعلیٰحضرت نور اللہ مرقدہٗ کا یہ گرانقدر سرمایہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ۔

ادارہ

شیخ المشائخ مرشد العلماء قطب الاولیاء رئیس الاتقیاء شاہزادہ امام احمد رضا حضور مفتیٔ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفٰے رضا خان نوری کی وفات حسرت آیات پر

قطعہ اور تاریخی مادے

تواریخ وصال محبوب

۱۴۰۲ھ

داد ہاتف صبحدم این چہ خبر — گریہ کردند آدمی جن وملک

آن رئیس الاتقیاء زخار ماہ — کرد رحلت مصطفٰے عالی فلک

۱۴۰۲ھ — ۱۹۸۱ء

کعبۂ دل مرشدی آل الرحمٰن مولانا مصطفٰے ۔ رضا نوری اہل جود وعطا ۔ شاہ احمد رضا ، ولی زمان خاتم الفقہا

۱۴۰۲ھ ۔ ۱۴۰۲ھ ۔ ۱۴۰۲ھ ۔ ۱۴۰۲ھ

قبلۂ طالبان صاحبزادۂ احمد رضا ۔ تارک دنیا مرشد العلماء ۔ ولی بیعدیل مصطفٰے رضا ۔ فقیہ اعظم دین اسلام

۱۴۰۲ھ ۔ ۱۴۰۲ھ ۔ ۱۴۰۲ھ ۔ ۱۴۰۲ھ

ولی کامل خاتم اکابر سنی نوری رضوی ۔ آماجگاہ قادری رضوی ۔ خلیفۂ عدیم البدل بوالحسین احمد نوری

۱۴۰۲ھ ۔ ۱۴۰۲ھ ۔ ۱۴۰۲ھ ۔ ۱۴۰۲ھ

زیب فصحا خاتم الخلفاء ۔ منزل محبان غوث الوریٰ ۔ سیدی مفتیٔ اعظم ہند قدوۂ اصفیاء رضی اللہ القدس عنہ

۱۴۰۲ھ ۔ ۱۹۸۱ ۔ ۱۹۸۱ ۔ ۱۹۸۱

بشکریہ: فقیر قادری سگ بارگاہ رضوی محمد ابراہیم خوشتر صدیقی ۔ بانی سربراہ سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل (ماذون ومجاز سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ حامدیہ مصطفویہ) بیبا

باسمہٖ تعالیٰ

عالمی جامعات اور امام احمد رضا

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام احمد رضا پاک و ہند کے جلیل القدر عالم تھے۔ وہ بریلی میں ۱۸۵۶ء کے انقلابی دور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء کے ہنگامی دور میں ہی انتقال کیا ـــــ اپنی ۶۵ سالہ زندگی میں انہوں نے جو علمی اور سیاسی اور دینی خدمات انجام دیں عالمی پیمانہ پر ان کو سراہا جا رہا ہے۔ پیش نظر مقالے میں امام رضا سے متعلق صرف جامعات کے محققین واساتذہ اور طلبہ کی تحقیقات وتاثرات کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

امام احمد رضا کے معاصرین میں رئیس الجامعہ اور اساتذۂ جامعات دونوں ہی اُن سے مستفیض ہوئے۔ اس سلسلے میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، علی گڑھ کے وائس چانسلر اور مشہور ریاضی داں ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ صدر شعبۂ دینیات پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری اور اسلامیہ کالج (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کے پروفیسر ریاضی اور پرنسپل پروفیسر مولوی حاکم علی بھی قابلِ ذکر ہستیاں ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال بھی چونکہ پنجاب یونیورسٹی (لاہور) اور لندن یونیورسٹی (لندن) سے متعلق رہے اس لئے ان کو بھی اساتذہ جامعات میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ وہ امام احمد رضا سے مستفیض ہوئے اور امام احمد رضا کے بارے میں اچھا تاثر رکھتے تھے۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے ریاضی کے ایک لاینحل مسئلے کے متعلق جو امام احمد رضا سے استفسار کیا تھا اس کے چشم دید احوال سید امنر علی شاہ (ریٹائرڈ جج، پاکستان) نے اپنے استاد پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) کے حوالے سے اس طرح بیان کئے ہیں:۔

> "مولانا سید سلیمان اشرف صاحب صدر شعبۂ دینیات بڑے جید عالم تھے، اور ہم سب طلبہ جناب مولانا صاحب کی بے حد عزت کرتے تھے، ان کے بارے میں ایک واقعہ قابلِ تحریر یہ ہے کہ جناب ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب سے ریاضی کا ایک مسئلہ حل نہ ہو سکا اور ڈاکٹر صاحب ممدوح نے جرمنی کے سفر کا قصد کیا تاکہ وہاں جا کر اس مسئلے کا حل تلاش کریں، جب مولانا سلیمان اشرف صاحب کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا کہ بجائے جرمنی کے بریلی کا سفر اختیار کریں اور مولانا احمد رضا خاں مرحوم ومغفور سے مسئلہ کا حل دریافت کریں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کو بہت

حیرت ہوئی لیکن مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے ان کو مجبور کیا اور اپنے ساتھ بریلی لے گئے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کا تعارف مولانا احمد رضا خاں صاحب سے کرایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا غیر حل شدہ مسئلہ ریاضی بیان کیا اور اسی وقت پہلی ملاقات میں وہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اب تو ڈاکٹر صاحب کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس وقت تک مغربی تعلیم کا اثر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب پر بہت زیادہ تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ مولوی صاحبان کو محض عربی کی لیاقت ہوتی ہے اور دیگر مضامین کے بارے میں ان کی معلومات بہت گھٹیا قسم کی ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے داڑھی رکھائی اور پابندی سے نماز پڑھنے لگے۔"

(سہ ماہی العلم، کراچی، شمارہ اپریل تا ستمبر ۱۹۷۵ء، ص ۱۷۷)

اس واقعہ کو ایک اور عینی شاہد مفتی محمد برہان الحق جبل پوری نے اپنی کتاب اکرام امام احمد رضا (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۵۵۔۷۷) میں بیان کیا ہے۔

پروفیسر سید سلیمان اشرف کو امام احمد رضا سے جو تعلق خاطر تھا اور جس حد تک وہ امام احمد رضا سے متاثر تھے اس کی کیفیت پروفیسر صاحب کے ایک اور شاگرد ڈاکٹر عابد احمد علی مرحوم (مہتمم دار القرآن پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کی زبانی سنیئے :۔

مولانا مرحوم (احمد رضا خاں بریلوی) کے بارے میں میرے بالواسطہ تاثرات کا ایک وقیع اور قیمتی حصہ وہ ہے جو مجھے اپنے استاذ محترم مولانا سید سلیمان اشرف کی وساطت سے حاصل ہوا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مجھے برسوں ان کی مربیانہ صحبت میں رہنے کا شرف حاصل رہا۔ وہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شخصیت سے از حد تک متاثر تھے۔ اسی دور کی دو اور شخصیتوں کو ساتھ ملا کر سید صاحب فرمایا کرتے تھے۔

"ان تین ہستیوں کو دیکھ لینا چاہیئے پھر ایسے لوگ نہیں ملیں گے"، استاذ محترم مولانا سید سلیمان اشرف پر حضرت مولانا بریلوی کا اتنا اثر تھا کہ میں نے مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ کی عظیم شخصیت کا اندازہ دراصل استاذ محترم کی شخصیت ہی سے لگایا ۔ مجھے مولانا سلیمان اشرف سے شرف تلمذ کے علاوہ ان کا انتہائی قرب بھی حاصل رہا اور میں دیکھتا کہ حضرت مولانا بریلوی کا ذکر خیر چھیڑ دیتے اور یوں محسوس ہوتا کہ اکثر انہیں کے تصور میں مگن رہتے حتیٰ کہ استاذ محترم کی طبیعت انہی کے رنگ میں رنگی گئی تھی۔"

(قاضی عبد النبی کوکب: مقالات یوم رضا، حصہ سوم، جلد ۱۹۷۱ء، ص ۹)

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے امام احمد رضا کے افکار و خیالات کا مطالعہ کیا تھا اور ان سے متاثر تھے۔ چنانچہ پروفیسر سید سلیمان اشرف کے ہاں تقریباً ۱۹۳۲ء میں علی گڑھ میں ایک دعوت کے موقعہ پر امام احمد رضا کا ذکر نکل آیا تو اقبال نے جو کچھ کہا وہ شریک محفل اقبال ڈاکٹر عابد احمد علی مرحوم کی زبانی سنیئے :۔

"علامہ مرحوم نے مولانا بریلوی کو خراج عقیدت و تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے علامہ مرحوم نے فرمایا کہ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ ذہانت اور جودتِ طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔"

(خود نوشتہ بیان محررہ، یکم اگست ۱۹۶۸ء مملوکہ راقم)

ڈاکٹر اقبال مرحوم پر امام احمد رضا کے گہرے تاثر کا اس حقیقت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اقبال جو پہلے وطن پرستی کے نغمے الاپ رہے تھے وہ امام رضا کے نغمۂ رسول سے اس قدر متاثر ہوئے کہ عشقِ رسول ہی کو روحِ ایمان قرار دیا ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

اور وہ اقبال جو پہلے ایک قومی نظریہ کی بات کر رہے تھے اور ایک نیا شوالہ تعمیر کر رہے تھے وہ دو قومی نظریہ کے اس شدت سے حامی ہوئے جس شدت سے امام احمد رضا نے اس نظریہ کی حمایت کی تھی۔

فکرِ اقبال میں یہ انقلابات بے وجہ نہیں۔ میرے خیال میں امام احمد رضا کے افکارِ عالیہ نے فکرِ اقبال کو بے حد متاثر کیا اور خود قائد اعظم جن سے بالواسطہ متاثر ہوئے ___ انجمن نعمانیہ کے ایک اجلاس میں ڈاکٹر محمد اقبال نے لاہور میں امام احمد رضا سے شرفِ نیاز بھی حاصل کیا تھا اور ان کو اپنی نعت بھی سنائی تھی (شاہ مانا میاں قادری: سوانح حیات اعلیٰ حضرت بریلوی مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۷)

اقبال نے امام احمد رضا کے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ خود وقیع ہیں کیوں کہ اقبال قانون کے طالب علم رہے، بیرسٹر ایٹ لا رہے اور ماہر قانون، مگر ہندوستان کے ایک نامور ماہر قانون بمبئی ہائیکورٹ کے جج پروفیسر ڈی ایف ملّا کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ پروفیسر موصوف نے جے پور کے سکریٹری آف اسٹیٹ مسٹر کھمباٹا سے جسٹس عبدالسلام خیال کے استفسار پر جو کچھ کہا وہ شریک محفل علامہ نور احمد قادری (سفارت خانۂ انڈونیشیا، اسلام آباد) کی زبانی سنیئے:-

"ہندوستان میں فقہ حنفیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے میرے سامنے جج صاحب نے کہا کہ ہندوستان کا بھی بڑا کارنامہ ہے، فقہ حنفیہ پر بہت کچھ لکھا گیا اور بالخصوص دو کتابیں تو بہت بڑی لکھی گئیں، ایک فتاویٰ عالمگیری اور دوسری فتاویٰ رضویہ ہے۔"

(مکتوب علامہ نور احمد قادری محررہ ۷ جنوری ۱۹۸۱ء از اسلام آباد)

اسلامیہ کالج (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کے پروفیسر ریاضی مولوی حاکم علی بھی امام احمد رضا سے بے حد متاثر تھے اور امام احمد رضا سے والہانہ محبت رکھتے تھے جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں انہوں نے جو لاہور سے رسالہ نکالا تھا اس کی پیشانی پر چند اشعار ہوتے تھے۔ ایک مصرع یہ بھی تھا ؎

مجدد الف ثانی و مجدد مائۃ حاضرہ داری

یہاں مجدد الف ثانی سے مراد حضرت شیخ احمد سرہندی ہیں اور مجدد مائۃ حاضرہ سے مراد امام رضا خاں بریلوی۔

پروفیسر حاکم علی لاہور سے بریلی بھی آتے جاتے تھے اور علمی مسائل پر امام احمد رضا سے تبادلۂ خیال کرتے تھے ۱۹۲۱ء میں انہوں نے

ترک موالات سے متعلق امام احمد رضا کو ایک استفسار بھیجا جس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک رسالہ بعنوان :-

المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۹۲۱)

تحریر فرمایا چنانچہ اسلامیہ کالج کی منتظمہ کمیٹی کی پرواہ کئے بغیر (جس کے سکریٹری ڈاکٹر محمد اقبال تھے) پروفیسر حاکم علی نے ترک موالات کی مخالفت کی جس کی پاداش میں ان کو کالج سے معطل کیا گیا مگر جب ہنگامہ فرو ہو گیا تو ان کو دوبارہ رکھ لیا گیا غالباً اس لئے کہ اقبال ذاتی طور پر خود ترک موالات کے حامی نہ تھے (اختر راہی: تذکرۂ علمائے پنجاب، جلد، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۱۵۲-۱۵۴)

پروفیسر حاکم علی ریاضی اور سائنس کے موضوعات پر بھی امام احمد رضا سے تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ امام احمد رضا کے رسائل کے مطالعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً حرکت زمین کے سلسلے میں پروفیسر صاحب کاپرنیکس کے حامی تھے مگر امام احمد رضا اس کے مخالف۔ پروفیسر صاحب کے ایک استفسار پر امام احمد رضا نے ایک رسالہ لکھا تھا جس کا عنوان ہے۔

نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان (۱۹۱۹ء)

اس میں امام احمد رضا نے پروفیسر صاحب کو ہدایت کی ہے کہ سائنس کو جتنے اسلامی مسائل سے اختلاف ہے ان سب میں مسلمان اسلامی کو روشن کیا جائے۔ حرکت زمین کے خلاف امام احمد رضا نے ایک مستقل کتاب لکھی تھی جو ڈھائی سو صفحات پر مشتمل تھی۔ اس کا عنوان تھا :-

فوز مبین در رد حرکت زمین

اس کتاب میں امام احمد رضا نے اپنے موقف کی حمایت میں جو تفصیلی فنی و علمی بحث کی ہے وہ سائنس دانوں کے لئے قابل مطالعہ ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد) میں اس پر کام ہو رہا ہے۔

امام احمد رضا نے اپنے عہد کے عالمی جامعات کے ماہرین فن کی تحقیقات کو چیلنج کیا چنانچہ مشیگن یونیورسٹی (امریکہ) یا یونان یونیورسٹی (اٹلی) کے ہیأۃ داں پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا نے اکتوبر ۱۹۱۹ء میں ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کے لئے ایک ہولناک پیشگوئی کی جو نیو یارک ٹائمز (امریکہ)، ایکسپریس (بانکی پور، بھارت) وغیرہ کے انگریزی اخباروں میں شائع ہوئی اور اس سے ایک تہلکہ مچ گیا۔ اس سلسلے میں جب امام احمد رضا سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے اپنی فنی تحقیقات کی روشنی میں اس پیشین گوئی کو باطل قرار دیا چنانچہ جب ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کا دن آیا تو جو کچھ امام احمد رضا نے کہا تھا وہی صحیح ثابت ہوا اور امریکی ہیأۃ داں کی پیشین گوئی باطل ثابت ہوئی۔ امام احمد رضا نے پروفیسر پورٹا کے رد میں ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے :-

معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۹۱۹ء)

بوسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے مشہور سائنس داں پروفیسر البرٹ آئن سٹائن بھی امام احمد رضا کے معاصرین میں تھا۔ امام احمد رضا کو اس کی تحقیقات میں بھی کلام تھا جس کا اظہار انہوں نے اپنی تصنیف الکلمۃ الملہمۃ (۱۹۱۹ء) میں کیا ہے

یہ تو محض عہد امام احمد رضا کی باتیں ـــــــ امام احمد رضا کے انتقال کے نصف صدی بعد اب پھر عالمی جامعات میں ان کا چرچا سننے میں آرہا ہے۔

مختلف جامعات کے اساتذہ نے ان کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ بعض اساتذہ نے اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور کئی جامعات میں امام احمد رضا پر تحقیقی کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ ان میں اعظم ایشیا، امریکہ، یورپ، افریقہ وغیرہ کی جامعات شامل ہیں۔ اگر عالمی جامعات کے اساتذہ کے تاثرات اور حوالوں کو جمع کیا جائے اور جو کچھ تحقیقی کام ہو رہا ہے اس کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو یہ

مقالہ ایک کتاب کی شکل اختیار کر جائے گا مگر سرِ دست اختصار و اجمال سے کام لیا جاتا ہے اور مختلف ممالک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا پر جو کچھ کام ہو رہا ہے یا ہو رہا ہے اور اساتذہ جامعات نے امام احمد رضا کے متعلق جن خیالات و تاثرات کا اظہار کیا ہے اس کا سرسری طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

پاکستان

۱۔ کراچی یونیورسٹی، کراچی

کراچی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے اپنی انگریزی کتاب "علماء اور سیاسیات" (مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء) میں امام احمد رضا کا ذکر کیا ہے (ص ۲۷۰) اور لکھا ہے کہ وہ دو قومی نظریہ کے حامی تھے ـــــ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے جب تحریک آزادی میں علماء اہل سنت کے کردار کا مطالعہ فرمایا تو موصوف نے کراچی کے ایک اجلاس (منعقدہ ۶ فروری ۱۹۷۸ء) میں برملا یہ اعتراف حقیقت فرمایا :-

> "جب میں اہل سنت کے موضوع پر تحقیق کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ تحریک جہاد کے بارے میں اب تک لکھا گیا ہے وہ سب یک طرفہ ہے۔
>
> (ماہنامہ فیضان لاہور شمارہ مارچ ۱۹۷۸ء، ص ۳۱)

کراچی یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ اردو، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے امام احمد رضا کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا :-

> "میں جناب رضا بریلوی کی دینی خدمات کا مداح اور معترف ہوں اور ان کو اسلام کے مجاہدین و مبلغین کی صف اول میں شامل سمجھتا ہوں۔ عشق رسول کا جذبہ ان کی نثر اور نظم میں ہر جگہ موجود ہے اور چونکہ اس کی بنیاد جذبے کی صداقت اور موضوع کی لطافت پر ہے اس لئے اس کا اثر آفریں ہونا فطرتی امر ہے۔"
>
> (محمد مرید احمد چشتی : خیابان رضا، قلمی)

کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے استاد ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے بھی اپنی کتاب اردو کی نعتیہ شاعری (مطبوعہ لاہور) میں امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا ذکر کیا ہے ـــــ (ص ۸۶)

کراچی یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر پروفیسر مفتی سید شجاعت علی قادری نے مجدد الامۃ (مطبوعہ کراچی ۱۹۷۸ء) کے عنوان سے عربی زبان میں امام احمد رضا پر ایک کتاب لکھی ہے جو ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ عربی زبان میں امام احمد رضا کے حالات و افکار پر غالباً پہلی کامیاب کوشش ہے۔ پاک و ہند کے علاوہ بیرونی ممالک میں اس کی پذیرائی ہوئی۔ مختلف جامعات اور تحقیقی اداروں کے فضلاء نے اس پر تبصرے کئے۔ مثلاً ..

(۱) خرطوم یونیورسٹی (سوڈان) (۲) جامعۃ الریاض (سعودی عرب)
(۳) جامعہ امام محمد (ریاض سعودی عرب) (۴) دائرۂ معارف، حیدر آباد (بھارت)

۲ - سندھ یونیورسٹی، جام شورو (حیدر آباد، سندھ)

سابق صدر شعبۂ اردو (سندھ یونیورسٹی) اور ملک کے مشہور محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نے امام احمد رضا کے افکار عالیہ اور ادبی خدمات کی طرف خاص توجہ فرمائی ہے۔ موصوف نے کراچی یونیورسٹی کی ایک علمی مجلس میں "اردو کی متصوفانہ شاعری" پر اپنا مقالہ پیش کیا تھا۔ اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں :-

"اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک عاشق رسول یعنی مولانا احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء) کا ذکر کر دیا جائے جن سے ہمارے ادبا نے ہمیشہ اغتنائی برتی حالاں کہ یہ غالباً واحد عالم دین ہیں جنہوں نے نظم و نثر دونوں میں اردو کے بے شمار محاورات استعمال کئے ہیں اور اپنی علمیت سے اردو شاعری کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔"

(مقالہ مکتوبہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، قلمی، ص ۹)

ڈاکٹر صاحب موصوف نے امام احمد رضا کی اردو شاعری پر ایک اور فاضلانہ مقالہ لکھا تھا جس کا ایک حصہ اخبار جنگ (کراچی) میں شائع ہوا تھا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں :-

"اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علما شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل و کمال، ذہانت و فطانت، طباعی و درّاکی کے سامنے بڑے بڑے علماء و فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین، مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے ــــــ وہ کون سا علم ہے جو نہیں آتا تھا اور کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے۔ شعر و ادب میں ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اگر صرف محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال اور بیان و بدیع سے متعلق تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف سے یک جا کر لئے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے۔"

(اخبار جنگ، کراچی، شمارہ ۱۲ر فروری ۱۹۸۰ء، ص ۱)

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب نے پنجاب یونیورسٹی (لاہور) میں تیار ہونے والی ثقافتی اور ادبی انسائیکلوپیڈیا یعنی "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء) کی جلد اول میں مندرجہ ذیل تحقیقی مقالات شامل کئے ہیں :-

(۱) مسلمانوں کا علم و ادب برصغیر میں (۲) اردو کا دینی ادب ۱۸۵۷ء کے بعد

ان دونوں مقالوں میں مختلف موضوعات کے ضمن میں متعدد مقامات پر امام احمد رضا کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

(۱) امام احمد رضا اور علم حدیث ص ۱۳۹ (۲) امام احمد رضا کے مرصع عربی نمونے ص ۱۴۲

(۳) امام احمد رضا کا اردو ترجمۂ قرآن، ص ۱۵۹ (۴) امام احمد رضا اور علم فقہ، ص ۱۷۱
(۵) فتاویٰ رضویہ، ص ۱۷۲ (۶) امام احمد رضا کی نعت، ص ۱۸۸
(۷) امام احمد رضا کی منقبت، ص ۲۰۱

راقم الحروف محمد مسعود احمد نے مندرجہ ذیل عنوان پر ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا تھا۔

اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر

یہ مقالہ ۱۹۵۸ء میں شروع کیا اور ۱۹۶۶ء میں مکمل کیا پھر ۱۹۷۰ء تک اس میں اور اضافے کئے۔ اس مقالے کے چھٹے باب میں جس کا عنوان ہے :-

مختلف مکاتیب فکر اور ان کی تفاسیر

امام احمد رضا کا ذکر کیا ہے (ص ۔ ۴۲۶) پھر نویں باب میں اردو تراجم قرآن کے ذیل میں امام احمد رضا کا ذکر کیا ہے ۔ (ص ۔ ۶۲۴)

سابق صدر شعبۂ اردو (سندھ یونیورسٹی) پروفیسر ڈاکٹر سنی احمد ہاشمی کی اطلاع کے مطابق ۱۹۷۳ء میں حکیم محمد ادریس خاں صاحب جھنڈ (پیرانا سکھر، سندھ) امام احمد رضا کی علمی و ادبی خدمات پر ڈاکٹریٹ کر رہے تھے (مکتوب محررہ ۱۷ ردسمبر ۱۹۷۳ء) غالباً وہ کام نہ کر سکے چنانچہ ۱۹۸۰ء میں آنسہ رقیہ نظری کو امام احمد رضا کے حالات و ادبی خدمات پر ڈاکٹریٹ کے لئے موضوع دیا ہے۔ موصوفہ کام کر رہی ہیں اور تقریباً نصف مقالہ مکمل ہو چکا ہے ۔ ان کے مقالے کے گیارہ ابواب ہیں جنکی تفصیل یہ ہے :-

(۱) پہلا باب	(حالات)	(۲) دوسرا باب	(علمی آثار)
(۳) تیسرا باب	(حیثیات)	(۴) چوتھا باب	(تاثرات)
(۵) پانچواں باب	(ادبی خدمات)	(۶) چھٹا باب	(ادبی تنقیدات)
(۷) ساتواں باب	(مکاتیب)	(۸) آٹھواں باب	(نعت گوئی)
(۹) نواں باب	(قصائد و مناقب)	(۱۰) دسواں باب	(رباعیات و قطعات)
(۱۱) گیارھواں باب	(منظوم مکاتیب و فتاوی)		

آنسہ زرین چغتائی بھی سندھ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہی ہیں ۔ ان کا موضوع ہے :-

اردو نعت کے جدید رجحانات

(مکتوب محررہ ۹ ر جولائی ۱۹۸۱ء)

چونکہ امام احمد رضا اردو نعت گو شعراء کے سرتاج ہیں اس لئے مقالے میں ضمنی طور پر ان کا بھی ذکر آئیگا ۔

۳- پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۱۹۷۳ء سے قبل محمد صدیق اکبر صاحب نے پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے کے لئے امام احمد رضا کی عربی سندات کا ایک مجموعہ

ایڈٹ کرکے بطور مونوگراف پیش کیا تھا۔ اس مجموعہ کا عنوان ہے۔

الاجازاۃ المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ

(۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء)

دوسرا اہم کام پروفیسر شبیر احمد قادری (فیصل آباد) نے کیا۔ انہوں نے ۱۹۷۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ایم اے کیلئے مندرجہ ذیل موضوع پر مونوگراف پیش کیا۔

مولانا احمد رضا بریلوی کی نعت گوئی

یہ مقالہ تقریباً ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں مندرجہ ذیل پانچ ابواب ہیں جن کے ضمن میں بیسیوں ذیلی عنوانات ہیں

باب اوّل ، سوانح و شخصیت باب دوم ، فن نعت گوئی

باب سوم ، تاریخ نعت گوئی باب چہارم مولانا احمد رضا خاں کے دیوان اور نعتیہ کلام کا

باب پنجم ، مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی کے مجموعی جائزہ

ادبی و فنی محاسن

تیسرا کام یہ ہوا کہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ دائرۃ المعارف الاسلامیہ کی طرف سے شائع ہونے والی اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی دسویں جلد میں امام احمد رضا پر ایک تحقیقی مقالہ شامل کیا گیا (ص ۴۸۷ - ۴۸۴) یہ مقالہ صدر شعبہ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کی فرمائش پر راقم الحروف نے قلم بند کیا۔

پروفیسر محمد اسحاق قریشی (شعبۂ عربی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد) مندرجہ ذیل موضوع پر پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں

برصغیر پاک و ہند کی عربی نعتیہ شاعری

اس میں امام احمد رضا کی عربی نعتیہ شاعری کے نمونے پیش کئے جائیں گے اور ان کے کلام کا جائزہ لیا جائے گا۔ ایک اور اسکالر مندرجہ ذیل عنوان پر تحقیق کر رہے ہیں :۔

تحریک پاکستان اور مشائخ کرام

امام احمد رضا نے چونکہ دو قومی نظریہ کا احیاء کیا اور ملت مسلمہ کی رہنمائی کی اس لئے اس مقالے میں امام احمد رضا اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی سے ایک ثقافتی و ادبی انسائیکلوپیڈیا شائع ہوا ہے جس کی دوسری جلد کے ساتویں باب میں پروفیسر عبدالقیوم نے امام احمد رضا کا اس طرح ذکر کیا ہے :۔

> "آپ ایک بہت بڑے مناظر عالم مفتی ۱۸۵۶ء/۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے معقولات و منقولات میں یکساں درک رکھتے تھے۔ علوم متداولہ اپنے والد مولانا نقی علی خاں سے اور حدیث کی سند سید احمد دحلان مکی اور عبدالرحمٰن سراج مکی سے لی ۱۹۲۱ء/۱۳۴۰ھ میں فوت ہوئے۔"
>
> (تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۴۰۲)

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے شعبۂ علوم شرقیہ کے انچارج قاضی عبدالنبی کوکب نے ایک اہم کام یہ کیا کہ علماء و فضلاء کے

مقالات کا ایک مجموعہ "مقالات یوم رضا" کے عنوان سے مندرجہ ذیل تین حصوں پر شائع کیا۔
(۱) مقالات یوم رضا: جلد اول، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء (۲) مقالات یوم رضا، جلد دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء
(۳) مقالات یوم رضا، جلد سوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

قاضی عبدالنبی مرحوم ایک حادثے میں شہید ہو گئے مگر اُن کے مجموعۂ مقالات نے امام احمد رضا پر کام کرنے والوں کے لئے مہمیز کا کام کیا، وہ ایک سلجھے ہوئے نوجوان عالم تھے۔

پنجاب یونیورسٹی میں امام احمد رضا کے حالات و افکار پر جو کام ہوا ہے وہ تو ہوا ہی ہے۔ یونیورسٹی کے فضلا اور اساتذہ نے بھی امام احمد رضا کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کئے ہیں اور ان کے کمالات علمیہ کا اعتراف کیا ہے۔ ہم یہاں چند فضلا کے تاثرات پیش کرتے ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر علامہ علاؤالدین صدیقی نے ۲ر جون ۱۹۶۸ء کو یوم رضا کے ایک اجلاس میں فرمایا۔ "جب دین کی قدروں کو نیچے گرایا جا رہا تھا اس وقت مولانا شاہ احمد قادری آگے بڑھے اور انہوں نے دین کی قدروں کو ان کے صحیح مقام پر ثبات بخشا۔۔۔۔۔۔۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی زندگی کو مشعل راہ بنانا چاہیئے۔"

(مقالات یوم رضا، جلد دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء۔ ص ۱۷)

پنجاب یونیورسٹی کے ایک اور وائس چانسلر پروفیسر امتیاز علی صاحب، امام احمد رضا کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے عہد کے جید عالم، مقبول نعت گو اور صدہا دینی و علمی کتب و رسائل کے مصنف تھے، دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر موصوف کی نظر بڑی وسیع اور گہری تھی فقہی مسائل میں "فتاویٰ رضویہ" ان کا بہت اہم علمی کارنامہ ہے جنگ عظیم اول کے بعد، ملکی سیاست کے ہنگامہ خیز دور میں، ترک موالات اور تحریک ہجرت کے خلاف حضرت مولانا بریلوی کے فتوے نیز متحدہ قومیت کے بارے میں انتہائی بیانات، ان کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہیں۔"

(محمد مرید احمد چشتی: خیابان رضا، قلمی)

پنجاب یونیورسٹی اورنٹیل کالج کے پرنسپل اور صدر شعبۂ اردو پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی امام احمد رضا کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مولانا احمد رضا خاں بہت بڑے عالم دین، مفکر اسلام اور عاشق رسول تھے ان کا نام علمائے اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے اپنی تصانیف سے علوم اسلامی میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

(محمد مرید احمد چشتی: خیابان رضا، قلمی)

پنجاب یونیورسٹی کے دارالقرآن کے مہتمم ڈاکٹر سید عابد احمد علی مرحوم، امام احمد رضا کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

"میں علماء کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک وہ جو محض اپنی محنت سے رتبہ کمال کو پہنچتے ہیں اور دوسرے وہ جو فطری طور پر غیر معمولی اور ذہین اور طبّاع ہوتے ہیں جنہیں انگریزی میں GENIUS کہا جاتا ہے ـــ میرے نزدیک حضرت مولانا احمد رضا کا شمار اس دوسرے گروہ میں ہوگا۔"

(مقالات یوم رضا، جلد سوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۱۱-۱۲)

پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے صدر ڈاکٹر سید عبداللہ امام احمد رضا کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار فرماتے ہیں:-

"عالم اپنی قوم کا ذہن اور اس کی زبان ہوتا ہے اور وہ عالم جس کی فکر و نظر کا محور قرآن حکیم اور حدیث نبوی ہو، وہ ترجمانِ علم و حکمت، نقیبِ حق و صداقت اور محسنِ انسانیت ہوتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی بھی ایسے ہی عالم دین تھے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا بلکہ حقیقت کا اعتراف ہوگا۔ وہ بلاشبہ جیّد عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسرِ قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے لیکن ان تمام درجات رفیع سے بھی بلند تر ان کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عشقِ رسول کا۔"

(محمد مقبول احمد: پیغامات یوم رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۳۵)

۴۔ اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

اسلامیہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، امام احمد رضا کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی شخصیت عظیم اور ان کا علمی مرتبہ بہت بلند ہے، وہ بلا عبقری GENIUS تھے۔"

(محمد مرید احمد چشتی: خیابان رضا، قلمی)

اسلامیہ یونیورسٹی کے شیخ الادب ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب نے بھی امام احمد رضا کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"اعلیٰحضرت کا علم مستحضر تھا۔ انھیں کتابیں ٹٹولنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی، جس مسئلے پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے۔ بے تکلف لکھتے گئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسائل کی کتابیں ان کے سامنے پڑی ہیں اگر کہیں انہوں نے تلخ لب و لہجہ اختیار کیا ہے تو اس کی وجہ مخالفین کی شانِ رسالت میں گستاخی ہے، جسے وہ کسی صورت میں برداشت نہ کر سکتے تھے۔"

(پیغامات یوم رضا، مطبوعہ لاہور، ص ۴۲)

۵۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبۂ بنیادی سائنس کے پروفیسر ابرار حسین صاحب امام احمد رضا سے متاثر نظر آتے ہیں موصوف نے جیمس برائڈ کی علم ریاضی سے متعلق ایک کتاب (مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء) کے اردو ترجمے پر امام احمد رضا کے حواشی کا جائزہ لیتے ہوئے مندرجہ ذیل عنوان پر ایک مقالہ قلم بند کیا ہے :-

"رسالہ در علم لوگارثم کے چند حواشی"

(مطبوعہ معارف رضا، کراچی ۱۹۸۰ء، ص ۴۰ - ۴۴)

پروفیسر موصوف اس مقالے کا آغاز اس طرح کرتے ہیں :-

"امام احمد رضا کو کم و بیش پچپن علوم پر دسترس حاصل تھی، ان میں سے تقریباً ۴۳ علوم و فنون انہوں نے ذاتی مطالعہ سے حاصل کئے۔ علم ریاضی میں ان کی حیثیت مسلم ہے مولوی ظفر الدین بہاری کی مرتب کردہ فہرست تصانیف اعلیٰ حضرت میں بہتر کا تعلق علم ریاضی سے ہے۔" (معارف رضا، ص ۴۰)

راقم کے نام ایک مکتوب میں پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ ریاضی کے میدان میں اعلیٰ حضرت کا مقام بہت بلند ہے۔"

(مکتوب محررہ ۹ اپریل ۱۹۸۰ء)

پروفیسر صاحب امام احمد رضا پر ایک اور مقالہ قلم بند فرما رہے ہیں جو ہنوز زیر تکمیل ہے۔

۶- قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد

قائد اعظم یونیورسٹی کے ایک فاضل استاد ڈاکٹر جمیل الدین جمیل، امام احمد رضا کے بارے میں اپنے تاثرات قلم بند کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

مولانا احمد رضا خاں کی عظیم شخصیت سے بھلا کون واقف نہیں، انہوں نے اپنے دور میں اپنے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، وہ ہماری ملی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔"

(محمد مرید احمد چشتی : خیابان رضا، قلمی)

۷- بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

بلوچستان یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور مشہور اسکالر پروفیسر کرار حسین صاحب امام احمد رضا کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"میں ان کی شخصیت سے اس وجہ سے متاثر ہوں کہ انہوں نے علم و عمل میں عشق رسول کو وہ مرکزی مقام دیا ہے جس کے بغیر تمام دین جسد بے روح ہے۔" (محمد مرید احمد چشتی : خیابان رضا قلمی)

۸- مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مسلم یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو نے امام احمد رضا پر ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے۔

امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ

یہ مقالہ ماہنامہ المیزان (بمبئی) کے امام احمد رضا نمبر (مارچ ۱۹۷۶ء) میں شائع ہوا۔ (ص ۲۲۱-۲۳۶)۔ اس مقالے کے آغاز میں ڈاکٹر حامد علی خاں لکھتے ہیں:۔

"آپ ہی جیسے ستودہ صفات سے متصف انسان کے لئے بجا طور پر شاعر مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا جا سکتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ اپنی متنوع حیثیات میں منفرد تھے اور آپ کی ہستی کو صفات حسنہ کی جامع شخصیت کہا جا سکتا ہے لہٰذا آپ کے بارے میں خامہ فرسائی کرنے کا ارادہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اگر آپ کے حالات زندگی، مشاغل حیات اور علمی کارناموں وغیرہ پر کوئی اکیڈمی لگن کے ساتھ کام کرے تو تحقیق کا کچھ حق ادا ہو سکتا ہے۔"

(المیزان (بمبئی) امام احمد رضا نمبر مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۲۴۵)

مسلم یونیورسٹی کے ایک اور استاد ڈاکٹر نسیم قریشی نے بھی امام احمد رضا پر اظہار خیال کیا ہے اور "قبلۂ اہل دل" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں امام احمد رضا کے مشہور سلام ؏

"مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"

کو سنکر ان کے دل پر جو کچھ گزری اس کو نہایت ہی دل نشیں اور دل پذیر انداز میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"طبیعت بے اختیار وجد کر اٹھی، ذہن کے دریچے، بہار ابد کی جاں فزا ہواؤں کے لئے کھل گئے، وجود کا ذرہ ذرہ سحاب سرمدی کی سرشاریوں میں ڈوب گیا ـــــ کیا نغمہ! ـــــ کیا نظم! ـــــ کیا والہانہ سلام! ـــــ لفظ و بیان کے پیچ و خم میں کہ نیاز مندی کی تہہ در کیفیتوں میں لپک اٹھے ہیں۔ حسن معنی

ہے کہ حسن عقیدت میں سمو کر زمزمۂ داؤدی کے پیکر میں ڈھل گیا ہے۔ سرورِ کائنات کے حضور شرف
باریابی حاصل ہے ــــ نوائے شوق، نغمۂ والہانہ بن گئی ہے ــــ ذوقِ فدائیت شباب پر ہے
شیفتگی و نیازکیشی ــــ ہم آواز، ہم سرورمستانہ ہم ارتعاش قلب مضطر ہو گئی ہیں ــــ
روحانی سرمستی کے عالم میں حضرت رضا خلد آشیانی کی زبان حقیقت ترجمان سے جو لفظ نکلا ہے باغ
کامرانی کا سدا بہار پھول بن گیا ہے۔"

(المیزان (بمبئی) امام احمد رضا نمبر، ص ۵۴۹)

صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، مرکزی مجلس رضا کے صدر محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام ایک
ں کا مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت کے کلام کے متعلق بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ ہر ایک اعتبار سے ایک
بلند مرتبہ شاعر ہیں، اردو کی نعتیہ
شاعری کا کوئی جائزہ حضرت کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔"

ل

(محمد لیٰسین اختر مصباحی: امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۶ء، ص ۱۱۵)

مولوی محمود احمد قادری (جو مسلم یونیورسٹی سے منسلک رہے ہیں) مندرجہ ذیل عنوان پر کام کر رہے ہیں:۔

امام احمد رضا کا عربی کلام

انہوں نے ۱۹۶۷ء میں اس کام کا آغاز کیا تھا جو ابتک جاری ہے۔ موصوف نے محنت کر کے امام رضا کے ۱۱۴۵ عربی اشعار کا
عظیم ذخیرہ جمع کر لیا ہے۔ موصوف نے امام احمد رضا کے ۵۰۰ مکاتیب بھی جمع کئے ہیں۔ "تذکرۂ علمائے اہلسنت" کے عنوان سے انہوں نے
ایک تذکرہ بھی لکھا ہے (مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ء) جو چودھویں صدی کے علمائے اہل سنّت کے احوال پر کامیاب کوشش کہی جا سکتی ہے
اس تذکرے میں موصوف نے نہایت وقیع انداز میں امام احمد رضا کا ذکر کیا ہے (ص ۴۲ ـ ۴۶)

الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور، اعظم گڑھ) کے مولانا افتخار احمد قادری صاحب نے اطلاع دی ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں ایک
فاضل امام احمد رضا کے کسی گوشے پر تحقیق کر رہے ہیں۔ (مکتوب محررہ ۲۰ شعبان ۱۴۰۱ھ)

۹۔ لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

لکھنؤ یونیورسٹی کے ڈاکٹر ملک زادہ منظور نے امام احمد رضا پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"گرد و غبار سے آئینوں کو صاف کرنا اور پھر اسے ایسی مرکزی جگہ پر رکھ دینا کہ صورتیں حقیقی بھی ہوں اور
خوبصورت بھی، یہ محض فنکار کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کے لئے احمد رضا خاں صاحب جیسے حکیم
اُمت کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے جو قطرہ میں دریا کا جلوہ اس طرح دیکھ سکے کہ دونوں کی انفرادیت بھی
برقرار رہے اور دونوں ایک دوسرے کا جزو لاینفک بھی معلوم ہوں۔"

(المیزان، (بمبئی) امام احمد رضا نمبر، ص ۴۷۹-۴۷۶)

۱۰۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی

پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

" ابھی جب میں بریلی گیا تو معلوم ہوا کہ روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے ایک طالبہ نے (غالباً نام نکہت یا نزہت ہے) مولانا حسن رضا خاں بریلوی کی شاعری پر پی ایچ ڈی کیا ہے جس کے نگران ڈاکٹر لطیف حسین ادیب (بریلوی تھے "

(مکتوب محررہ ۱۶ر جولائی ۱۹۸۱ء)

مولانا حسن رضا خاں، مرزا داغ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں تھے اور امام احمد رضا کے چھوٹے بھائی، نعتیہ شاعری میں ان کے استاد امام احمد رضا ہی تھے اس لئے حسن رضا خاں کا تذکرہ امام احمد رضا کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں۔

۱۱۔ پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

پٹنہ یونیورسٹی سے ڈاکٹر حسن رضا خاں نے امام احمد رضا کی فقاہت پر ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ ان کا مقالہ "فقیہ اسلام" کے عنوان سے ۱۹۸۱ء میں الٰہ آباد میں چھپا اور اسلامی پبلی کیشنز سنٹر، پٹنہ نے شائع کیا۔ یہ مقالہ ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور آٹھ ابواب پر پھیلا ہوا ہے جن کی تفصیل یہ ہے :۔

الباب الاوّل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہندوستان میں فقہ اسلام کا ارتقا

الباب الثانی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تیرھویں صدی ہجری میں ہندوستان میں فقہ اسلامی کی ترقی

الباب الثالث ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مکاتیب فقہ اسلامی اور اعلیٰ حضرت کا دور

الباب الرابع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابتدائی زندگی، تعلیم اور اساتذہ

الباب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ احوال و آثار

الباب السادس ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ معاصرین، تلامذہ اور متبعین

الباب السابع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فقہ اسلامی میں اعلیٰ حضرت کی خدمات

الباب الثامن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کتابیات

اس مقالے کے مطالعہ سے امام احمد رضا کے مقام فقاہت کا تعین ممکن ہے۔ ہندوستان میں امام احمد رضا پر یہ پہلی کامیاب وقیع کوشش ہے اور قابل مطالعہ۔

۱۲۔ گورکھپور یونیورسٹی، گورکھپور

گورکھپور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد ڈاکٹر سلام سندیلوی نے امام احمد رضا پر ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے :۔

مذہبی شاعری میں صداقت کے عناصر

یہ مقالہ المیزان (امام احمد رضا نمبر) میں شامل ہے (ص ۴۶۳ - ۴۶۶) اس میں ڈاکٹر سندیلوی لکھتے ہیں :۔

"مگر جہاں تک امام احمد رضا کی شاعری کا تعلق ہے وہ رسمی یا روایتی نہیں ہے۔ آپ کو مذہب سے زبردست علاقہ تھا۔ آپ کو بزرگانِ دین سے عقیدت تھی۔ آپ حُبِ رسول میں غرق تھے اس لئے آپ کی شاعری میں صداقت موجود ہے۔ آپ کی شخصیت اور شاعری میں فاصلہ نہیں ہے بلکہ آپ کی شخصیت آپ کی شاعری ہے اور آپ کی شاعری آپ کی شخصیت ـــ شخصیت اور شاعری میں اس قدر گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعراء کے ہاں ملے گی۔"

(المیزان، امام احمد رضا نمبر، ص ۴۶۶)

گورکھپور یونیورسٹی کے ڈاکٹر رفیع الدین نے اردو کی نعتیہ شاعری پر ایک کتاب لکھی ہے اس میں بھی امام احمد رضا کا ذکر ہے۔

۱۳۔ بڑودہ یونیورسٹی، بڑودہ

بڑودہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر وحید اشرف نے مندرجہ ذیل عنوان پر ایک مقالہ لکھا ہے :۔

"امام احمد رضا کی اردو فارسی شاعری"

یہ مقالہ "المیزان" کے امام احمد رضا نمبر میں شامل ہے (ص ۴۵۵ ۴۶۲) اس میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

"ایک ایسا شخص جس نے معقولات و منقولات کی اکثر اصناف میں اپنی بلندیٔ فکر، جودتِ ذہن اور ندرت وجدت کا ثبوت دیا ہو اور جن کی تصانیف سینکڑوں کی تعداد میں پہنچتی ہوں، اس سے یہ ظاہر ہونا کہ وہ شاعری کے نازک فن سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہے، عجائبات میں سے ہے۔ ایسی صرف ایک شخصیت اور نظر آتی ہے جس نے علوم منقولات میں زندگی گزارنے کے باوجود شاعری کا ایک باکمال نمونہ چھوڑا ہے اگرچہ ضخامت کے اعتبار سے بہت ہی کم ہے اور وہ ہے عمر خیام جس کی رباعیاں فن اور فکر کا مکمل نمونہ ہیں۔ لیکن امام احمد رضا کے حالات اور ان کے علمی کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو ان کے مقابل عمر خیام کو نہیں لیا جا سکتا۔"

(المیزان، امام احمد رضا نمبر، ص ۴۵۵ - ۴۵۶)

۱۴۔ جبلپور یونیورسٹی، جبل پور

جبل پور یونیورسٹی میں ایک ریسرچ اسکالر آنسہ ظہیرہ قادری امام احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری پر پی ایچ ڈی کر رہی ہیں اس کی اطلاع موصوفہ کے جدامجد مفتی محمد برہان الحق جبل پوری نے ایک مکتوب میں دی تھی۔ مقالہ ہنوز زیر تدوین ہے۔

۱۵۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ناظم ندوۃ العلماء مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے والد حکیم عبدالحیی لکھنوی مرحوم کی عربی تصنیف نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد کو مکمل کیا ہے اس میں موصوف نے امام احمد رضا کے متعلق تعریفی اور تنقیدی کلمات کہے ہیں۔ ایک جگہ موصوف لکھتے ہیں:۔

(ترجمہ عربی) "علمائے حجاز سے بعض فقہی اور کلامی مسائل میں مذاکرہ وتبادلۂ خیالات کیا۔ حرمین کے اثنائے قیام میں انہوں نے بعض رسائل لکھے اور علمائے حرمین کے پاس آئے ہوئے سوالات کے جواب دیئے۔ وہ حضرات آپ کے وفور علم، فقہی متون واختلافی مسائل پر دقت نظر، وسعت معلومات، سرعت تحریر اور ذکاوت طبع سے حیران رہ گئے۔"

(نزہۃ الخواطر، جلد ثامن، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء ص ۴۱)

ندوۃ العلماء کے دو اور بزرگوں نے بھی امام احمد رضا کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ یعنی شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی، ان دونوں کے تاثرات مولانا اسد نظامی (جھانیاں منڈی) نے نقل کرکے بھیجے تھے لیکن چونکہ اصل مآخذ راقم کے سامنے نہیں اس لئے تاثرات نقل نہیں کئے گئے۔ بہرکیف حوالوں کی نشاندہی کردی جاتی ہے۔

(۱) شبلی نعمانی ، ماہنامہ الندوہ (اعظم گڑھ) شمارہ اکتوبر ۱۹۱۴ء، ص ۱۷

(۲) سید سلیمان ندوی، ماہنامہ الندوہ (اعظم گڑھ) شمارہ اگست ۱۹۲۳ء ص ۱۷

۱۶۔ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے اکابر نے بھی امام احمد رضا کے متعلق نیک خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مندرجہ ذیل حضرات کے چند اقتباسات مولانا اسد نظامی نے ارسال کئے تھے جو مختلف قدیم رسائل سے اخذ کئے گئے ہیں، ذیل میں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے:۔

(۱) مولانا رشید احمد گنگوہی — رسالہ سلطان العلوم (دیوبند) شمارہ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ ص ۱۷

(۲) مولانا اشرف علی تھانوی — رسالہ النور (تھانہ بھون) شمارہ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ ص ۱۴

(٣) مولوی محمود حسن دیوبندی — اخبار نظام الملک (کلکتہ) شمارہ نمبر ۱۷ مئی ۱۹۲۰ء، ص ۴
(۴) مفتی اعزاز علی دیوبندی — رسالہ النور (تھانہ بھون) شمارہ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ ص ۴
(۵) مولانا انور شاہ کشمیری — رسالہ الہادی (تھانہ بھون) شمارہ جمادی الاول ۱۳۳۰ھ ص ۲۱
(۶) مولانا شبیر احمد عثمانی — رسالہ الہادی (تھانہ بھون) شمارہ ذوالحجہ ۱۳۳۹ھ ص ۲۱

اصل مآخذ راقم کے سامنے نہیں اس لئے ان حضرات کے تاثرات بھی نقل نہیں کئے گئے۔ تحقیقی نقطۂ نظر سے اصل مآخذ کا سامنے ہونا ضروری ہے۔

امام احمد رضا کے متعلق مولوی حسین احمد دیوبندی نے مندرجہ ذیل تصنیف میں اظہار خیال کیا ہے۔

الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب (مطبوعہ دیوبند)

اس کتاب میں انہوں نے امام احمد رضا کی طرف سے اپنے اکابر پر تنقیدات کا نہایت درشت لہجے میں جواب دیا ہے اور ان کا دفاع کیا ہے۔ ان کی تحریر جذباتی زیادہ ہے اور حقیقت پسندانہ کم۔ انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح، نقش حیات جلد اول (مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء) میں بھی امام احمد رضا کا ذکر کیا ہے (ص ۱۰۱ - ۱۱۸) مگر یہاں بھی اپنے اکابر کا دفاع کیا ہے۔ راقم کا ذاتی خیال ہے کہ مولوی حسین احمد نے امام احمد رضا کے متعلق جن نامناسب اور غیر حقیقی خیالات کا اظہار فرمایا مولانا کی تاریخی دیانت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس سے اہل علم غلط فہمیوں میں مبتلا ہوئے اور اب جب کہ حقائق سامنے آرہے ہیں وہ غلط فہمیاں رفتہ رفتہ دور ہوتی جا رہی ہیں۔

۱۷۔ جامعہ ملیہ دہلی

جامعہ ملیہ کے بانی مولانا محمد علی جوہر امام رضا سے عقیدت رکھتے تھے مگر تحریک خلافت کے سلسلے میں دونوں کے درمیان نظریاتی اختلاف تھا۔ مولانا محمد علی نے اخبار خلافت (بمبئی شمارہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء، ص ۱۷) میں بقول مولانا اسد نظامی اچھے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے مرید تھے۔

جامعہ ملیہ کے شعبۂ تاریخ کے ایک استاد سید جمال الدین نے ۱۹۷۶ء میں انگریزی میں ایک مقالہ لکھا تھا جس کا عنوان ہے:

تحریک خلافت و تحریک ترک موالات اور بریلوی حضرات

اس میں انہوں نے امام احمد رضا کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا ہے ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:-

(ترجمہ انگریزی) "انہوں نے قبروں کو سجدہ کرنے سے منع کیا، انہوں نے (بلا کسی شرعی جواز کے) قبروں پر چراغاں کو فضول خرچی قرار دیا۔ انہوں نے عورتوں کو قبروں پر جانے سے روکا، انہوں نے فرمایا کہ مرشد کو عالم شریعت ہونا چاہیئے۔ ورنہ وہ اوامر و نواہی سے عدم واقفیت کی بنا پر گمراہ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضری کے وقت زائر کو طواف و سجدہ سے روکا ہے لیکن شاہ اسمٰعیل دہلوی اور ان کے متبعین کے ایسے خیالات کے خلاف جن کو وہ کفر خیال کرتے تھے ان کی جنگ بہت شدید تھی۔" (مقالہ ٹائپ شدہ کاپی، مملوکہ راقم، ص ۴)

جامعہ ملیہ کے ایک اور استاد اور ریسرچ اسکالر مفتی محمد مکرم احمد نے بھی امام احمد رضا کی طرف توجہ کی ہے۔ ان کے اساتذ
الاساتذہ میں مولوی انور شاہ کشمیری، مولوی شبیر احمد عثمانی اور مولوی حسین احمد دیوبندی وغیرہ ہیں۔ جب موصوف نے راقم کی تالیف :-

فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء)

مطالعہ کی تو ایک مکتوب میں لکھا :-

"سنا میں نے بھی یہی تھا کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت سخت مزاج اور کرخت لہجے کے تھے۔ موصوف کے بارے میں، میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں، ان کا غائبانہ احترام ضرور دل میں تھا لیکن معاصرین علماء دیوبند سے علمیت اور فقاہت میں ان کا کم درجہ سمجھتا تھا۔ آج میں نے آپ کا تحقیقی مقالہ بالتمام والکمال پڑھ لیا تو ساری غلط فہمیوں کے پردوں کو زائل ہوتا دیکھ کر خوشی ہوئی۔"

(مکتوب محررہ ۳ جنوری ۱۹۷۵ء بنام راقم الحروف)

اسی مکتوب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

"حقیقت یہ ہے کہ آپ میں وہ خوبیاں پائی جاتی تھیں کہ آپ کو "مجدد مائۃ الحاضرۃ" کہا جاتا۔ بیشک مولانا احمد رضا خاں صاحب ایک جلیل القدر والمنزلۃ عالم باعمل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر وہ صفات عالیہ وولیت کی تھیں جن کی اُس زمانے میں ضرورت تھی۔ عقل حیران پریشان ہے کہ معاصرین علماء دیوبند نے آپ کی شخصیت کو جس بے دردی، احسان فراموشی اور غیر عالمانہ انداز میں قعر گمنامی میں گرا دیا۔ میں نے مولوی حسین احمد صاحب مدنی کی تصنیفات اور مکتوبات وغیرہ پڑھے ہیں لیکن زیر بحث کتاب (الشہاب الثاقب) میں آپ نے جس غیر عالمانہ انداز میں بحث فرمائی ہے وہ شایانِ شانِ عالم ہرگز نہیں ہے۔"

(مکتوب محررہ ۳ جنوری ۱۹۷۵ء)

۱۸۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

جامعہ اشرفیہ میں چند فعال نوجوان علماء امام احمد رضا پر کام کر رہے ہیں۔ اس جامعہ کے ایک استاد مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی نے ایک کتاب مندرجہ ذیل عنوان سے لکھی ہے :-

امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں

(مطبوعہ الٰہ آباد، ۱۹۷۷ء)

اس کتاب میں انہوں نے عرب و عجم کے بہت سے فضلاء کے تاثرات جمع کئے ہیں اور اس پر امام احمد رضا کا ایک وقیع تعارف لکھا ہے۔ اس کتاب کے علاوہ موصوف نے ایک اور کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے :-

امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات

یہ کتاب عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے ایک اور استاد مولانا افتخار احمد قادری نے امام احمد رضا کے مندرجہ ذیل رسالے کو عربی میں منتقل کیا ہے اور اس پر عربی میں امام احمد رضا کے حالات وافکار کا اضافہ کیا ہے۔

الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی (۱۳۱۲ھ)

یہ رسالہ مرکزی مجلس رضا نے ۱۹۷۸ء میں لاہور سے شائع کیا ہے۔

ایک اور اہم کام جو یہ ادارہ کر رہا ہے۔ امام احمد رضا کے حاشیہ شامی کی تدوین ہے۔ یہ حاشیہ عربی میں ہے عنوان ہے :-

جد الممتار علی رد المحتار

یہ حاشیہ پانچ جلدوں میں ہے اس کا پہلا حصہ حیدر آباد دکن میں زیر طباعت ہے۔ اس میں جامعہ اشرفیہ کے فضلاء نے امام احمد رضا کے فقہی مقام، جد الممتار کی خصوصیات علامہ شامی کے حالات، امام احمد رضا کی مختصر سوانح وغیرہ کا اضافہ کیا ہے۔

راقم الحروف کی تالیف :-

فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں

کا چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں الہ آباد سے چھپ کر جامعہ اشرفیہ سے شائع ہوا ہے اس پر جامعہ کے رکن مولانا محمد احمد مصباحی نے تعارف لکھا ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے ایک اور فاضل مولانا عبد المبین نعمانی مندرجہ ذیل کتابیں مدون کر رہے ہیں :-

(۱) ارشادات اعلیٰ حضرت (۲) تصنیفات امام احمد رضا

جامعہ کے فضلاء و اساتذہ تو کام کر رہے ہیں۔ طلبہ میں بھی جذبے کی کمی نہیں بعض طلبہ نے محدود وسائل کے باوجود امام احمد رضا کے مندرجہ ذیل رسائل شائع کرائے ہیں :-

(۱) المنبہ بوصل الحبیب الی العرش والرویہ (۱۳۲۰ھ) (جماعت ثالثہ) مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۶ء
(۲) الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ) (جماعت ثلاثہ)
(۳) بدر الانوار فی انوار الآثار (۱۳۲۳ھ) (جماعت ثالثہ) مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۶ء
(۴) صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین (۱۳۰۶ھ) (جماعت رابعہ) مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۶ء
(۵) خیر الآمال فی حکم الکسب والسؤال (۱۳۱۸ھ) (جماعت خامسہ) مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۶ء
(۶) صلات الصفا فی نور المصطفیٰ (۱۳۲۹ھ) (جماعت خامسہ) مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۶ء
(۷) اسماء الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین (۱۳۰۵ھ) مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۶ء
(۸) وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید (۱۳۱۲ھ) مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۹ء

(ترتیب و تحشیہ مولانا محمد احمد اعظمی)

مندرجہ بالا رسائل کے علاوہ حقوق اولاد، حقوق والدین، خلافت صدیق و علی، تخلیق ملائکہ، ذبیحہ اولیاء وغیرہ مختلف موضوعات سے متعلق امام احمد رضا کے رسائل جامعہ اشرفیہ نے شائع کئے ہیں ـــ اس جامعہ کے استاد اور طلبہ امام احمد رضا کی تعلیمات اور افکار کی اشاعت میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں۔

انگلستان

۱۹- لندن یونیورسٹی، لندن

لندن یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ، نشر و اشاعت کے صدر پروفیسر ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ ۱۹۷۷ء میں امام احمد رضا کے اردو ترجمۂ قرآن کو انگریزی میں منتقل کیا۔ یہ کام انہوں نے کویت یونیورسٹی کے زمانۂ قیام میں کیا تھا۔ آج کل یہ ترجمہ لاہور میں چھپ رہا ہے۔ پروفیسر موصوف ۱۹۸۰ء میں پاکستان آئے تھے۔ کراچی میں راقم کی ان سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو انہوں نے فرمایا کہ جب میں ترجمہ مکمل کر چکا تو ایک عیسائی فاضل سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ میں اسلام کا مطالعہ کر رہا ہوں، قرآن کریم کے بہت سے انگریزی ترجمے دیکھے مگر دل کو اطمینان نہیں ہوا۔ پروفیسر صاحب نے جواباً فرمایا کہ میں نے ایک ترجمہ کیا ہے اس کو بھی پڑھ لیں۔ چنانچہ مسودہ اس کو دے دیا گیا۔ جب وہ عیسائی فاضل یہ ترجمہ پڑھ چکا تو اتنا متاثر ہوا کہ مشرف با سلام ہو گیا۔

ڈاکٹر فاطمی صاحب امام احمد رضا کی تصانیف الدولۃ المکیہ، حسام الحرمین اور کفل الفقیہہ کی روشنی میں انگریزی میں ایک کتاب لکھ رہے ہیں جس کا بڑا حصہ مکمل ہو چکا ہے۔ (مکتوب محمد الیاس صاحب محررہ ۲۸ ؍ اگست ۱۹۸۱ء از آگلے)

۲۰- نیوکیسل یونیورسٹی، نیوکیسل

نیوکیسل یونیورسٹی کے ایک فاضل پروفیسر غیاث الدین نے ایک اہم کام یہ کیا کہ امام احمد رضا کے مشہور سلام کے ۱۶۹ اشعار کا انگریزی میں منظوم ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ بعض اضافوں کے ساتھ لاہور سے شائع ہو گیا ہے۔ پروفیسر صاحب دوسرا کام یہ کر رہے ہیں کہ ملفوظات اعلیٰحضرت کو انگریزی میں منتقل کر رہے ہیں چنانچہ وہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"میں نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ملفوظات کے پہلے حصہ کا ترجمہ کرنا شروع کیا ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ ترجمہ اہل علم و بصیرت کی نظر میں معیاری ثابت ہو۔"

(مکتوب محررہ یکم مارچ ۱۹۸۰ء بنام راقم الحروف)

پروفیسر صاحب نے امام احمد رضا کی شاعری پر ایک مضمون لکھا تھا جو ماہنامہ دی میسج انٹرنیشنل کراچی شمارہ مئی ۱۹۸۱ء (ص ۳۴-۴۴) میں شائع ہو چکا ہے اس میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

(ترجمہ انگریزی) "شریعت اسلامیہ کے صرف حنفی مکتب فکر کے مسائل میں انہوں نے جس ذہن رسا کا ثبوت دیا ہے اس سے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو فضل و کمال کی بلند ترین مسند پر بٹھایا جائے وہ جودت طبع اور وسعت علم کے مالک تھے۔ ان کی نگاہ کی تیزی اور صفائی ایک عظیم ذہن کی خاص علامت ہے۔"

(دی مسیح انٹرنیشنل ، مئی ۱۹۸۱ء، ص ۴۴)

امریکہ

۲۱۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی، برکلے

کیلیفورنیا یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا مٹکاف نے ۱۹۸۲ء میں انگریزی میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا عنوان تھا۔

ھندوستان میں مذھبی قیادت ۔ ۱۸۶۰ء تا ۱۹۰۰ء

اس کتاب کے ایک باب میں موصوفہ نے امام احمد رضا کا ذکر کیا ہے موصوفہ کے سامنے مطلوبہ مواد نہ تھا اس لئے انہوں نے بعض مقامات پر تحقیقی غلطیاں کی ہیں ۔ پھر بھی جو کچھ لکھا ہے قابلِ مطالعہ ہے وہ ایک جگہ لکھتی ہیں :۔

(ترجمۂ انگریزی) "وہ خلوت کو پسند کیا کرتے تھے اور جب وہ باہر آتے تھے تو لوگ ان کو ہاتھ لگانے کے لئے لپکتے تھے، کوئی ان کا ہاتھ چومتا تھا اور کوئی پیر ـــــ احمد رضا نے ایک سرپرست کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کیا ۔ ان کا کردار اہلِ دیوبند کے کردار سے مختلف رہا چونکہ علمائے دیوبند کے پاس انعام و اکرام تقسیم کرنے کے ذرائع نہ تھے اور نہ ان کی طبیعت کا میلان ہی اس طرف تھا برخلاف ان کے احمد رضا عید پر اپنے طلبہ کو تحفے دیا کرتے تھے، نجی تقریب میں ان کی دعوتیں کرتے ـــــ ان کے ارد گرد ہندوستان کے بہت سے طلبہ جمع تھے۔"

(فوٹو اسٹیٹ کاپی ۔ مملوکہ راقم الحروف)

ھالینڈ

۲۲ لیڈن یونیورسٹی، لیڈن

لیڈن یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے ایک سن رسیدہ پروفیسر ڈاکٹر جے ۔ ایم ۔ ایس بلجیان بھی امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہوئے ہیں ۱۹۷۳ء میں انہوں نے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ تعجب ہے کہ پروفیسر مجیب نے اپنی کتاب "انڈین مسلمز" میں احمد رضا خاں

کا ذکر نہیں کیا پھر ۱۹۶۸ء میں ایک اور خط میں حیرت کا اظہار کیا کہ ڈبلیو سی۔ اسمتھ نے بھی اپنی کتاب ماڈرن اسلام ان انڈیا میں احمد رضا خاں کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے مزید لکھا کہ امام احمد رضا خاں پر تحقیق کی ضرورت ہے وہ خود مجموعہ ہائے فتاویٰ کا تقابلی جائزہ لیں گے اس سلسلے میں ان کے پیش نظر فتاویٰ رضویہ بھی ہے۔

سعودی عرب

۲۳ محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض

محمد بن سعود یونیورسٹی کے پروفیسر کلیۃ الشریعہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ امام احمد رضا سے متاثر نظر آتے ہیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور، بھارت) کے استاد مولانا محمد یٰسین اعظمی کو موصوف نے بتایا کہ وہ ایک دوست کے ساتھ سفر پر جارہے تھے۔ جو فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کررہے تھے۔ فتاویٰ رضویہ کا ایک عربی فتویٰ انہوں نے بھی مطالعہ کیا ـــــ پھر کیا ہوا ؟

"عبارت کی روانی اور کتاب و سنت و اقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور اس ایک فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہہ ہے۔"

(محمد یٰسین اعظمی : امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۷ء ص ۱۹۴)

مصر

۲۴ ازہر یونیورسٹی قاہرہ

ازہر یونیورسٹی کے ایک اہل حدیث فاضل ڈاکٹر محی الدین الوائی نے عربی میں امام احمد رضا پر ایک مقالہ لکھا تھا جو قاہرہ کے مشہور جریدے "صوت الشرق" (شمارہ فروری ۱۹۷۰ء، ص ۱۶-۱۷) میں شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے نہایت جامعیت کے ساتھ امام احمد رضا کے حالات و افکار اور علمی آثار پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں :-

(ترجمہ عربی) مولانا احمد رضا خاں کی تصنیفات تقریباً پچاس فنون میں ہیں۔ جن فنون پر آپ نے مدلل اور لاتعداد

تصنیفات کی ہیں ان میں سب سے زیادہ نادر علم زیجات (وہ جدول جن سے تاروں کی رفتار پہچانی جاتی ہے، دجیر و مقابلہ و علم طبقات الارض ہے ۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنی زندگی میں جن فتاوی شرعیہ کو صادر فرمایا انھیں کتابی شکل میں جمع کر لیا گیا ہے ۔ تقریباً بارہ جلدوں پر مشتمل ہے جس کا نام "فتاوی رضویہ" ہے ۔"

(بحوالہ المیزان ۔ امام احمد رضا نمبر، ص ۵۵۵)

افغانستان

۲۵ کابل یونیورسٹی، کابل

کابل یونیورسٹی کے ایک جہاں دیدہ استاد پروفیسر عبداللہ کورشاد، اراکین مجلس رضا، لاہور کے نام ایک مکتوب میں امام احمد رضا کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں لکھتے ہیں :-

" علامہ موصوف کی تحقیقی کاوشیں اس قابل ہیں کہ تاریخ ثقافت اسلامی ہندوستان و پاکستان میں بالتفصیل ثبت ہوں اور تاریخ علم و فرہنگ افاغنہ اور آریانہ دائرۃ المعارف کو لازم ہے کہ اسماء گرامی کو ساری مؤلفات کے ساتھ اپنے اوراق میں محفوظ کرلے "۔

(محمد مقبول احمد : پیغامات یوم رضا مطبوعہ لاہور ، ص ۳۳)

اختتامیہ

المختصر امام احمد رضا کی شخصیت اور افکار پر دنیا کی بہت سی یونیورسٹیوں کے فضلاء نے اظہار خیال کیا ہے اور بعض محققین نے تحقیقی کام کئے ہیں اور بعض کر رہے ہیں ۔ امام احمد رضا کی نگارشات اور حالات و افکار یونیورسٹی اور تعلیمی بورڈوں کے نصاب میں بھی شامل ہیں ۔ چنانچہ سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد کے ایم اے (اردو) کے نصاب میں امام احمد رضا کا قصیدۂ نوریہ شامل ہے ۔ اس طرح پاکستان کے تمام بورڈوں کے نصاب میں سال رواں سے "مطالعہ پاکستان" کے لازمی مضمون کے نصاب میں امام احمد رضا کے حالات و افکار کو شامل کیا گیا ہے ۔ پاکستان کے مرکزی وزیر تعلیم خان محمد علی خاں آف ہوتی امام احمد رضا کے حالات و افکار اور علمی آثار سے بخوبی واقف ہیں انہوں نے ۱۹۸۰ء میں یوم رضا کے موقع پر راولپنڈی کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

" اعلیٰ حضرت کی دینی اور ملی خدمات کو دیکھ کر حرم پاک کے عظیم عالم سید حلیس مکی نے انھیں "چودھویں صدی کا مجدد" کہا

اور یہ نعرہ اہلِ سُنت کا نعرہ بن گیا ــــ لبنان کے شہرۂ آفاق مفکر علامہ یوسف نبھانی نے "المعین" امام کبیر" کے لقب سے نوازا ــــ جن حضرات نے اعلیٰحضرت کی گراں مایہ کتب کا مطالعہ کیا ہے اور ان کی وسیع المطالعہ شخصیت کو ملاحظہ کیا ہے اور ان کی وسعتِ علمی کے سمندر میں غوطہ زنی کی کوشش کی ہے . . . . ، وہ یقیناً علامہ مکی اور علامہ نبھانی کی آراء کی تائید کرتے ہیں ــــ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اربعہ عناصر سے مرکب ہیں مگر اعلیحضرت کا خمیر تین عناصر سے اٹھا تھا اور وہ ہیں ــ علم ــ عمل ــــ اور محبت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ہفت روزہ افق (کراچی) شمارہ ۷ فروری ۱۹۸۰ء ص ۳۱)

وزیر تعلیم کے اس بیان کی روشنی میں ہماری جامعات کو امام احمد رضا کی طرف پوری توجہ دینی چاہیئے ۔ ان کے علمی آثار کو اپنے پاس محفوظ کر لینا چاہیئے ۔ اور ان کے مختلف گوشوں کو موضوع تحقیق بنانا چاہیئے اس سلسلے میں راقم نے محققین کی سہولت کے لئے امام احمد رضا کی سوانحی انسائیکلوپیڈیا کی پندرہ جلدوں کے لئے ایک خاکہ مرتب کیا ہے جو عنقریب شائع کر دیا جائے گا ۔ انشاء اللہ!

اہم اقتباسات

۱۔ ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ (ڈاکٹر محمد اقبال، لاہور)

۲۔ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔"

(پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد)

۳۔ فاضل بریلوی کی زندگی کو مشعل راہ بنانا چاہیئے ۔ (علامہ علاؤ الدین صدیقی ۔ پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

۴۔ انہوں نے اپنی تصانیف سے علوم اسلامی میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔"

(ڈاکٹر عبادت بریلوی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

۵۔ بلاشبہ وہ عبقری تھے ۔" (ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، اسلامیہ یونیورسٹی، بھاولپور)

۶۔ ریاضی کے میدان میں اعلیٰحضرت کا مقام بہت بلند ہے۔" (پروفیسر ابرار حسین، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد)

۷۔ انہوں نے علم و عمل میں عشق رسول کو وہ مرکزی مقام دیا ہے جس کے بغیر تمام دین جسد بے روح ہے۔"

(پروفیسر کرار حسین، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ)

۸۔ اردو کی نعتیہ شاعری کا کوئی جائزہ حضرت کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔"

(ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

۹۔ "وہ جب باہر آتے تو لوگ ان کو ہاتھ لگانے کے لئے لپکتے تھے، کوئی ان کا ہاتھ چومتا تھا اور کوئی پیر۔"

(ڈاکٹر باربرا مٹکاف، کیلی فورنیا۔ یونیورسٹی، امریکہ)

۱۰۔ "علامہ موصوف کی تحقیقی کاوشیں اس قابل ہیں کہ تاریخ ثقافت اسلامی ہندوستان و پاکستان میں بالتفصیل ثبت ہوں۔"
(پروفیسر عبد الشکور شاد، کابل یونیورسٹی، کابل)

۱۱۔ "عبارت کی روانی اور کتاب و سنت و اقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔"
(شیخ عبد الفتاح ابو غدہ، پروفیسر کلیۃ الشریعۃ، محمد بن سعود یونیورسٹی سعودی عرب)

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

احمد رضا خان

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں!
جانِ مراد و کانِ تمنا کہوں تجھے

گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں
درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے

صبحِ وطن پہ شامِ غریباں کو دوں شرف
بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے

اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں میں جانِ تجلا کہوں تجھے

بے داغ لالہ یا قمرِ بے کلف کہوں
بے خار گلبنِ چمن آرا کہوں تجھے

مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیعِ روزِ جزا کا کہوں تجھے

اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں
تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے

تیرے تو وصفِ عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ کیا کیا کہوں تجھے

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی
چپ ہو رہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری کے علمی کارنامے

(مولانا وقار الدین ممبر مرکزی رویت ہلال کمیٹی)

"پیران نمی پرند مریداں می پرانند" پرانی کہاوت تھی لیکن زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ معمولات انسانی کے ہر شعبے میں تبدیلی رونما ہوئی کہ عقیدت میں جھوٹ بولنا اپنے بزرگ پیشواؤں کی تعریف و توصیف میں غلط بیانی کرنا مخالف پر افترا و بہتان طرازی کرنا جھوٹ کو سچ اور باطل کو حق کر دکھانا نقلی اشیاء پر اصلی لیبل لگانا۔ پیتل پر سونے کا ملمع کرنا تانبے پر چاندی کا نکل کرنا۔ ردی اشیاء پر ایسا خوبصورت پیکنگ کرنا کہ ان کے مقابلے میں بہترین چیزیں بھی نظر میں نہ آئیں۔ پروپیگنڈے کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنا جن کے چند اوراق کے دس بیس رسالے تھے ان پر صرف ایک صفر بڑھا کر سو دو سو بتانا یا دو صفر کے اضافے سے ہزاروں تک پہونچانا اتنا عام ہو گیا کہ لوگوں کو حقیقت پر بھی اعتماد مشکل ہو گیا اور کسی کے واقعی کارناموں کو بیان کرنے پر بھی پروپیگنڈے کا شبہ ہونے لگا ان حالات میں کسی معروف و مسلم شخصیت پر بھی قلم اٹھانا مشکل ہو گیا لیکن مجھ سے اصرار کیا گیا کہ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب کے علمی کارناموں کے متعلق لکھوں مجھ جیسے بے بضاعت عدیم الفرصت انسان کے لئے ان ناسازگار حالات میں یہ کام مشکل تر تھا لیکن اصرار بھی شدید تھا۔ لہٰذا بمشکل کچھ وقت نکالا اور چند ساعتوں میں قلم برداشتہ یہ مختصر مضمون لکھ دیا اس میں کچھ حصہ میرے مشاہدات پر مبنی ہے جسکو عقیدتمند لوگوں کے علاوہ ایسے خالی الذہن لوگ بھی جو مجھے جانتے ہیں صحیح سمجھیں گے لیکن زیادہ حصہ ایسے دلائل پر مشتمل ہے جن کو ہر طالب حق غلط فہمی کا شکار خود دیکھ کر مطمئن ہو سکتا ہے اور منصف مزاج اعلیٰ حضرت کے علمی کارناموں اور ان کی دینی خدمات کا اعتراف کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت جیسا جامع علوم اور صاحب تصانیف کثیرہ زمین ہند پر کوئی دوسرا نہیں گزرا اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دنیائے اسلام میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ میں تقریباً نو سال بریلی کے مشہور مدرسہ منظر الاسلام میں مدرس رہا اور معقولات اور منقولات کی انتہائی کتابیں میرے ذمہ تھیں جب کسی کتاب میں کوئی مشکل پیش آئی تو اس کا حل یہ تھا کہ اعلیحضرت کے کتب خانے سے وہ کتاب نکالی جس میں اشکال تھا تو حضرت کا قلمی حاشیہ اسی کتاب پر لکھا پایا اور جن مشکل مقامات کو عام طور پر محشی حضرات چھوڑ جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے وہاں تحریر فرما دیا تھا۔ اسی طرح درس نظامی کی اکثر کتابوں پر حواشی لکھے پائے اور کتب خانے کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے اکثر علمی کارنامے اہل سنت کی ناداری اور بے سرمایگی کی وجہ سے غیر مطبوعہ پڑے ہیں۔ اگر وہ طبع ہو جاتے تو اہل علم کو اندازہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسی علمیت سے نوازا تھا اور ان کے علمی کارنامے کیا ہیں۔ تفسیر و فقہ و حدیث کی بھی تقریباً ہر کتاب پر حاشیہ تحریر فرمایا ان حواشی کی رفعت کا اندازہ کرنے کے لئے ایک واقعہ بیان کئے دیتا ہوں۔ سنہ چونتیس یا پینتیس کا واقعہ ہے میں

اس وقت بریلی میں طالب علم تھا۔ اس وقت پنجاب کے معمر جلیل القدر عالم و فقیہہ مولانا سراج احمد صاحب جنہوں نے زمانہ دراز تک فتویٰ نویسی کا کام کیا تھا اور اعلیٰحضرت سے شاگردی یا ارادت کا کوئی تعلق بھی نہیں رکھتے تھے۔ بریلی میں تشریف لائے وہاں کسی سے کوئی تعارف بھی نہ تھا حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا، سردار احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے جو اس وقت بریلی میں مدرس تھے ملاقات کی اور فرمایا کہ اعلیٰحضرت کی حیات میں وراثت میں ایک رسالہ لکھ رہا تھا اور اس فن کی مشہور کتاب سراجی کی ایک عبارت میں جو ذوی الارحام کے بارے میں ہے ایک پیچیدگی تھی۔ میں نے اس کو لکھ کر بریلی، دیوبند اور کئی دوسری جگہ کے مشہور علماء کے پاس بھیجا اور اس کا حل طلب کیا جو جواب آئے ان میں اعلیٰحضرت کا جواب سب سے بہتر اور تسلی بخش تھا اس کو پڑھ کر میرا دل چاہا کہ خود جا کر اُن سے ملاقات کروں لیکن حالات کی مجبوری سے حاضر نہ ہو سکا اور ان کا وصال ہو گیا۔ میرا شوق باقی تھا اس لئے یہ خیال کیا کہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی تو کم از کم اُن کے کتب خانے کو دیکھ کر علمی کارناموں سے استفادہ کروں اس شوق میں یہاں آیا ہوں۔ اتفاق سے اس زمانے میں اعلیٰحضرت کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حامد رضا خان صاحب جنکے پاس کتب خانے کی چابیاں تھیں موجود نہ تھے۔ باہر تشریف لے گئے تھے۔ صرف فتاوٰی شامی کی ایک جلد جس پر اعلیٰحضرت کا مبسوط حاشیہ ہے مولانا سردار احمد صاحب کے پاس تھی انہوں نے وہ دے دی کہ اس کا مطالعہ فرمائیے وہ چند گھنٹے مطالعہ کرنے کے بعد مدرسہ میں آئے میری موجودگی میں مولانا سردار احمد صاحب نے ان سے دریافت فرمایا کہ حاشیہ کیسا ہے۔ مولانا موصوف نے جواب دیا کہ واللہ اگر علامہ شامی زندہ ہوتے تو اعلیٰحضرت سے پڑھتے۔ یہ رائے اپنے علاقہ اور اپنے وقت کے مایہ ناز فقیہہ مولانا سراج احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔ اس سے منصف مزاج اندازہ کریگا کہ حواشی کا غیر مطبوعہ سرمایہ کیسا قیمتی ہے اور اعلیٰحضرت کے علمی کارنامے کتنے بے بہا ہیں۔

یوں تو بلا مبالغہ اعلیٰحضرت کی تصانیف ایک ہزار کے قریب ہیں۔ کئی سو تو مطبوعہ ہیں۔ اگر صرف مطبوعہ کتب کی فہرست لکھی جائے تو اخبارات اس کو جگہ نہ دیں گے۔ اس لئے فہرست تو نہیں لکھتا ہاں یہ دعوت ضرور دیتا ہوں کہ اگر کسی کو اطمینان کرنا ہو تو اہل سنت کے کتب خانوں کی شائع کردہ فہرست کتب کو دیکھکر شمار کر لیں۔ صرف اسماء کتب پڑھنے سے مضمون کتاب کا علم بھی ہو جائے گا کیونکہ حضرت کا کمال یہ ہے کہ تمام کتابوں کے نام تاریخی ہیں اور مضمون کتاب پر دلالت کرنے والے۔ مطبوعہ رسائل میں سے چند کا تذکرہ کئے دیتا ہوں تاکہ شائقین علم استفادہ کر سکیں۔ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ اس کو صرف آٹھ گھنٹے میں مکہ معظمہ میں بزبان عربی تحریر فرمایا۔ اس پر علماء حرمین طیبین و دیگر بلاد اسلامیہ کے اکسٹھ نامور علماء و مفتیان عظام نے تقریظات تحریر فرمائیں جو متعدد بار ہند و پاکستان میں شائع ہو چکی ہے ان تقریظات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشہور علماء حرمین کی نظر میں اعلیٰحضرت کا علمی مقام کتنا تھا اور انہوں نے آپ کی علمی کارناموں کو کتنا سراہا ہے بلکہ ابھی تک حرمین طیبین میں چند معمر علماء بقید حیات ہیں جنہوں نے ایسی مجالس میں شرکت کی تھی جن میں علماء حرمین نے اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی استفادے کئے تھے یہ علماء اپنی مجالس میں اعلیٰحضرت کے تبحر علمی کا ذکر کرتے تھے۔ اس بارے میں پروفیسر مسعود احمد صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کی تحریر کردہ کتاب فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں۔ مطالعہ کی جا سکتی ہے اس کو مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کیا ہے۔

الزبدۃ الذکیہ فی حرمت السجدۃ التحیہ۔ غیر اللہ کو بقصد عبادت سجدہ کرنا تو باتفاق امت شرک ہے لیکن بقصد تعظیم سجدے کی حرمت پر یہ مبسوط رسالہ تحریر فرمایا جس میں ایک سو آیات و احادیث سے حرمت ثابت فرمائی۔ اس موضوع پر اتنے دلائل پر مشتمل کوئی دوسری کتاب پیش نہیں کی جا سکتی۔

منیرالعین فی حکم تقبیل الابہامین ۔ جواب اذان میں اشہدان محمد رسول اللہ پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانے کے متعلق علامہ شامی نے کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ، کتاب الفردوس، مقاصد حسنہ کے حوالے سے یہ حدیث نقل فرمائی ۔ من قبل ظفری ابہامیہ عند سماع اشہدان محمد رسول اللہ فی الاذان انا قائدہ ومدخلہ فی صفوف الجنۃ ۔ جس نے اذان میں اشہدان محمد رسول اللہ سننے کے وقت اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوما ۔ میں اس کا قائد اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کرنے والا ہونگا ۔

لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف بتا کر تقبیل ابہامین کو بدعت و ناجائز کہہ دیا تو اعلیٰ حضرت نے اس حدیث کی تقویت اور معمول بہ ثابت کرنے کے لئے یہ کتاب تحریر فرمائی ۔ شائقین علم حدیث کے طرق پر اتنی جامع کوئی کتاب نہیں دکھائی جا سکتی ہے ۔ اعلیٰ حضرت کا سب سے بڑا علمی کارنامہ فتاویٰ رضویہ ہے جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے ۔ پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں ۔ پہلی جلد ایک ہزار بڑے سائز کے صفحات کی ہے اس میں اٹھائیس رسائل ہیں ان کے ناموں سے سن، تصنیف اور مضمون کا علم ہو جاتا ہے ۔

(۱) الجود الحلو فی ارکان الوضو ۱۳۲۴ھ (۲) تنویر القندیل فی اوصاف المندیل ۱۳۲۴ھ (۳) لمع الاحکام ان لا وضوء من الزکام ۱۳۲۴ھ

(۴) الطراز المعلم فیما ہو حدث من احوال الدم ۱۳۲۴ھ

(۵) نبہ القوم ان الوضو من ای نوم ۱۳۲۵ھ

(۶) خلاصۃ تبیان الوضو

(۷) الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل ۱۳۲۰ھ

(۸) بارق النور فی مقادیر ماء الطہور ۱۳۲۷ھ

(۹) برکات السماء فی حکم اسراف الماء

(۱۰) ارتفاع الحجب عن ۔ الماء الجنب ۱۳۳۷ھ

(۱۱) الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل ۔ ۱۳۲۰ھ

(۱۲) النمیقۃ الانقی فی فرق الملاقی والملقی ۱۳۲۷ھ

(۱۳) النہی النمیر فی الماء المستدیر ۱۳۲۴ھ

(۱۴) رحب الساحۃ فی میاہ لا یستوی وجہہا وجوفہا المساحۃ ۱۳۳۴ھ

(۱۵) ہبۃ الحبیر فی عمق ماء کثیر ۱۹۳۴ھ

(۱۶) اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام ۱۹۳۴ھ

(۱۷) النور والنورق لاسفار الماء المطلق ۱۳۳۴ھ

(۱۸) عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی

(۱۹) الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان

(۲۰) حسن التعمم لبیان حد التیمم ۱۳۳۴ھ

(۲۱) سمح الندری فیما یورث العجز عن الماء ۱۳۳۵ھ

(۲۲) الظفر لقول زفر

(۲۳) المطر السعید علیٰ بنت جنس الصعید — ۱۳۳۵ھ

(۲۴) الحد السدید فی نفی الاستعمال عن الصعید — ۱۳۳۵ھ

(۲۵) باب العقائد والکلام — ۱۳۳۵ھ

(۲۶) قوانین العلماء فی متیمم علم عند زید ماء — ۱۳۳۵ھ

(۲۷) الطلبۃ البدیعۃ فی قول صدر الشریعۃ — ۱۳۳۵ھ

(۲۸) مجلی الشمعۃ لجامع حدث ولمعۃ — ۱۳۳۵ھ

ان رسائل کے علاوہ فہرست فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل چند عنوانات نقل کئے دیتا ہوں ان کے مضامین دیکھیں اور بتائیں کہ یہ تفصیل کسی کتاب میں یکجا پائی جاتی ہے یا نہیں۔

صفحہ ۲۰۷ پر سوال ہے کہ آب مطلق جو وضو و غسل کے لئے درکار ہے اس کی تعریف کیا ہے اور آب مقید کسے کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں ۱۶۰ پانیوں کو بیان فرمایا جن سے وضو و غسل جائز ہے۔ اس کے بعد ۱۲۵ وہ پانی بیان فرمائے جن سے وضو جائز نہیں پھر ۲۲ وہ پانی جن میں اختلاف ہے اس کے بعد ۴۳ ان پانیوں کی بحث جن سے وضو جائز ہے یا نہیں اس طرح ۳۵۰ قسم کے پانیوں کا حکم بیان فرمایا ہے جو صرف اعلیٰحضرت ہی کا حصہ ہے۔ یہ تو مسلمان جانتے ہیں کہ تیمم ارض و جنس ارض سے جائز ہے مگر ارض میں کون کون اشیا داخل ہیں اور کون سی نہیں۔ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ص۶۹۲ پر ۱۸۰ ان اشیاء کے نام بیان فرمائے ہیں جن سے تیمم جائز ہے اور ۱۳۰ وہ جن سے جائز نہیں۔ یہ وہ تحقیق ہے جسے یکجا کسی کتاب میں نہیں دکھایا جاسکتا ہے۔ طبیعات میں دلچسپی رکھنے والے ان عنوانات کو ملاحظہ فرمائیں۔ ص۵۴۸ کیا سبب ہے موتی شیشہ وغیرہ پیسنے سے خوب سفید ہو جاتے ہیں ص۵۴۵ رنگین پیشاب کے جھاگ کیوں سفید نظر آتے ہیں ص۵۴۹ آئینہ میں دراز پڑ جائے تو وہاں سفیدی کیوں نظر آتی ہے۔ یہ چند ارشادات لکھ دیئے ہیں تاکہ اہل علم طالب حق حضرات شاہد فرماکر اعلیٰحضرت کے علمی کارناموں کو سمجھیں۔ میرا دعویٰ ہے اگر منصف مزاج عالم صرف فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل کا مطالعہ کرلے تو یہی کہے گا جو میں نے کہا ہے کہ زمین ہند و پاک پر ایسا جامع علوم محقق کثیر التصنیف کوئی دوسرا نہیں گزرا۔ اور علامہ سیوطی کے بعد تمام دنیائے اسلام میں اعلیٰحضرت کا ثانی نہیں دکھایا جاسکتا ہے۔

> "شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے۔ شریعت ہی پر طریقت کا دارومدار ہے۔ شریعت ہی اصل کار اور محک و معیار ہے۔ شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اسکے سوا جو آدمی جو راہ چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور پڑیگا۔ طریقت اسی راہ کا روشن ٹکڑا ہے اسکا اس سے جدا ہونا محال و نا سزا ہے۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے۔ جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے۔" (مقال العرفاء۔ فاضل بریلوی)

مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب

معارف رضا کا دوسرا شمارہ زیر ترتیب و تکمیل ہے۔ میں نے بہت سے اہلِ قلم و دانشور حضرات کو مضامین کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت کے مصداق خود ابھی تک کچھ نہیں لکھا اور کیوں نہیں لکھا اس کے بارے میں عذر گناہ بدتر از گناہ وجہ عذر خواہی ممکن نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک بات عرض کروں کہ میں نے جب بھی کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو یہی سوچتا رہا کہ کیا لکھوں۔ ایسی ہمہ گیر شخصیت کے بارے میں قلم اٹھانا آسان بات نہیں علاوہ ازیں میرے پاس فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے فتاویٰ کی جلدیں ہوتیں یا رسائل موجود ہوتے تو کہیں نہ کہیں سے کچھ نقل کر دیتا لیکن علمی مواد کی عدم موجودگی بھی اس کام میں مزاحم رہی ہے۔

سال گزشتہ یعنی معارف رضا کے پہلے شمارہ میں استاد محترم صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ اور والد محترم صدر تاج العلماء شیخ الحدیث الحاج مفتی محمد عمر صاحب نعیمی سے فاضل بریلوی قدس سرہ کے بارے میں جو کچھ سنتا رہا تھا اس میں چند باتیں ذہن سے کاغذ پر منتقل کر دی تھیں۔ میرے بعض احباب نے اس کو پسند فرمایا اور فرمائش کی کہ ایسے واقعات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے ان کو تاریخ کا جزو بنا دوں لیکن بعض احباب نے شکوہ کیا اور میرے اس اقدام کو بنظر استحسان نہ دیکھا اور فرمائش کے ساتھ فہمائش بھی کی کہ میں کسی علمی موضوع پر قلم اٹھاؤں ان تمام احباب سے مؤدبانہ گذارش کروں گا کہ من آنم کہ من دانم میں اور فاضل بریلوی قدس سرہ کے سلسلہ میں علمی موضوع پر قلم اٹھاؤں میرے لئے یہ کام بہت مشکل ہے۔ بہر حال اتنی بات تو ہے کہ مجھے بریلوی قدس سرہ کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنا تو ہے اب کیا لکھوں گا یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے اور فیصلہ یہ کر لیا ہے کہ اب جب لکھنا شروع کیا ہے تو قلم کو اسی طرف موڑ دوں جس طرف ان کی روحانیت متوجہ کرے۔

تمہید و تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے کہوں کہ اب دل یہ چاہتا ہے کہ فاضل بریلوی قدس سرہ کی سیاسی بصیرت کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کروں حالانکہ اس موضوع پر محترمی جناب ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے اعلیٰ حضرت اور ترک موالات میں خاصی روشنی ڈالی ہے لیکن یہ رسالہ بہت سے احباب کی نظروں کے سامنے نہ آیا ہوگا اسلئے میں اس سلسلے میں چند باتیں عرض کروں گا۔

۱۸۵۷ء میں پیش آنے والے واقعات کو جنہیں ماضی میں غدر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اس کو آج کا مورخ جنگ آزادی کی خشت اول سے تعبیر کرتا ہے۔ بہر حال اس مہم کو ہم کسی بھی نام سے یاد کریں اس کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس خونی معرکہ کے بعد

غیر منقسم ہندوستان میں برطانوی سامراج کے قدم جمے سرکردہ علماء اور حق پرست مسلمانوں سے خوب خوب بدلے لئے گئے اور ان کے جذبۂ حریت کو کچلنے کے کیا کچھ نہ ہوا۔ ایسے خونچکاں واقعات پیش آئے جن کو نقل کرتے ہوئے قلم تھرتھرانے لگتا ہے۔ ان بدبختوں نے مسلمان قائدین سرکردہ علماء کے خلاف بغاوت کے مقدمے چلائے۔ جائیدادوں کی ضبطی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے بعض کو تختۂ دار پر چڑھایا تو بعض کو جزائر انڈمان میں پھینکوایا۔ لیکن ان حضرات نے اعلیٰ حوصلگی سے سارے مظالم برداشت کئے لیکن ان کے پائے ثبات کو لغزش نہ آئی۔ مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی وغیرہ اور دوسرے اکابر علماء نے جزائر انڈمان میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی اور دوسرے اکابر علماء نے تختۂ دار کو خوش آمدید کہا۔ ایسے نازک وقت میں صاحبانِ بصیرت اور غیور مسلمانوں میں قیادت کا بحران پیدا ہوا اس خلاء کو پر کرنے کے لئے ایسے گندم نما جو فروش میدان میں آئے جنہوں نے ایک تو مسلمانوں کی قیادت کا ڈھونگ رچایا تو دوسری جانب انگریز نوازی کو اپنایا اور منصب سیادت و قیادت پر براجمان ہوگئے برسہا برس تک مسلمان قوم مخلص اور باصلاحیت قائد سے محروم رہی گو اس دور میں ایسے افراد ملتے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی کسی نہ کسی حد تک خدمت کی ملی شعور کے تحفظ و بقا کے لئے کچھ کیا لیکن ...... (یہاں میں ان احباب فکر کا نام لے کر اعتراضات کے دروازے کو کھولنا مناسب نہیں سمجھتا صرف مندرجہ بالا سطور میں اشارتاً کچھ عرض کر دیا جس سے سمجھنے والوں کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

بیسویں صدی کے اوائل میں غیر منقسم ہندوستان میں تحریک آزادی کے سلسلہ میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک اٹھی اور کس زور و شور کے ساتھ اس تحریک کے قائدین نے یہ نعرہ لگایا کہ ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لئے منظم اور متحد تحریک کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ہندو مسلم اتحاد نہایت ضروری ہے اس تحریک کے سیلاب میں بہت سے مسلمان بہہ گئے ہیں جن میں سادگی کی بنا پر اور بعض ملت فروشی کی بنا پر۔

اس تحریک کے تحت الشعور ایک پہلو یہ بھی کارفرما تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ مسلمان کس حد تک رابطہ قائم کر سکتے ہیں لیکن ان حالات میں لینے والوں نے اس پہلو پر غور نہ کیا کہ اس اتحاد میں اپنی تہذیبی انفرادیت بھی ختم ہو کر رہ جائے گی اور ایسا ہوا کہ اس اتحاد کے نتیجہ میں رئیس الاحرار کو میرٹھ کے ایک جلسہ میں لالہ محمد علی اور خادم کعبہ کو پنڈت شوکت کے ناموں سے مخاطب کیا گیا۔ اور اسی پر اکتفا نہ ہوا بلکہ ہندوؤں کی قدر و منزلت میں کیا کچھ نہ ہوا اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ہندو لیڈروں کو مسجدوں کے منبروں پر بٹھا کر ان کا اعزاز و اکرام کیا گیا۔ بت پرستوں کا شعار قشقہ مسلمان لیڈروں نے بڑے شوق سے لگوایا۔ راکھی، ہولی اور دیوالی کے تیوہاروں میں شرکت کی۔ کس کس بات کی تذکرہ کی جائے!

ہندو نوازی میں کہاں تک غلو کیا گیا۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اگر منصب ختم نہ ہوا ہوتا تو گاندھی جی نبی ہوتے۔ ایک صاحب نے سوچا میں کیوں پیچھے رہوں انہوں نے فرمایا۔ خاموش از ثنائے تو ثنائے تست

یہ ایک فتنہ اور نمودار ہوا وہ تھا ہندو نوازی میں ترک گاؤکشی۔ اس سلسلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا گیا کہ ہندوستان میں کس طرح گاؤکشی روک دی جائے۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

ایسے موقعہ پر برصغیر کے مسلمانوں پر قدرت نے کرم فرمایا۔ اور ایک ہستی کو مسلمانوں کی ہدایت اور ان گم گشتہ راہوں کی رہنمائی کے لئے حوصلہ عطا فرمایا اور وہ ذات تھی فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ کی۔ آپ نے ملت مسلمہ کو گاؤکشی کے ترک

کرنے کی ترغیب دی اور توجہ دلائی کہ "ہمارا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے حصول کے لئے ہوتا ہے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے حلال قرار دیا ہے ہم ان کو اپنے اوپر کیوں حرام کریں گے اور گائے کی قربانی تو برصغیر میں شعائر اسلامی میں سے ہے اس لئے اس کو کسی قیمت پر مشرکین کی خوشنودی کے حصول میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں فاضل بریلوی نے ایک رسالہ انفس الفکر فی قربانی البقر تصنیف فرمایا اور مسلمانوں کو شرعی حکم سے آگاہ فرمایا۔ اس رسالہ میں ایک جگہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شہر میں بزور مخالفین گاؤکشی بند کردی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو ہماری شریعت مطہرہ اس سے باز رہنے کا حکم نہیں دیتی یک قلم موقوف کیا جائے تو اس میں ذلت اسلام متصور نہیں ہوگی کیا اس میں خواری و مغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی۔

فاضل بریلوی قدس سرہ کی غیرت ایمانی یہ کس طرح گوارا کر سکتی تھی کہ شعائر اسلامی پامال ہوتے رہیں اور وہ خاموشی سے دیکھتے رہیں ان کا طریق کار تو رحمت عالم کا وہ ارشاد تھا جس میں آپ نے فرمایا ہے اگر کسی کو برائی کو دیکھو تو اس کو ہاتھ سے روکو اور اگر ہاتھ سے نہ روک سکو تو زبان سے روکنے کی کوشش کرو اور اگر ان دونوں پر عمل نہ کر سکو تو کم از کم دل سے برا سمجھو اور ایمان کی کسوٹی پر پرکھے جانے کے تیسرا درجہ ہے۔

فاضل بریلوی نے زبان و قلم سے اس برائی کو روکنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ ہندو مسلم طلسم سامری کو پاش پاش کرنے کے لئے ایک مستقل رسالہ المحجۃ المؤتمنہ تحریر فرمایا۔ اس رسالہ میں فاضل بریلوی نے ملت مسلمہ کی غیرت کو اس طرح جھنجوڑا ہے۔

جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری تو کہاں کی عزت اور کہاں کی خودداری وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی سمجھیں۔ تمہارا پاک ہاتھ اگر ان کی کسی چیز کو لگ جائے وہ گندی ہو جائے۔ سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں پیسے لیں تو دور سے یا پنکھا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوالیں۔ حالانکہ بحکم قرآن خود وہی نجس و ناپاک ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس و مطہر بیت اللہ (مسجد) میں لے جاؤ اور جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ۔ مگر تمہیں اسلامی حس ہی نہ رہی محبت مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا ان باتوں کا ان سے کیا گلہ

ہندو مسلم اتحاد کے سلسلہ میں فاضل بریلوی قدس سرہ نے ایک اور جگہ اس طرح فرمایا۔

تم نے دیکھا یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے دین کی کیسا کیسا شریعت کو بدلتے بدلتے پاؤں کے نیچے کچلتے اور خیر خواہ اسلام بن کر مسلمانوں کو چھلتے ہیں۔

موالات مشرکین ایک معاہدہ مشرکین و داستعانت مشرکین بھی مسجد میں اعلائے مشرکین پھر ان سب میں بلا مبالغہ یقیناً قطعاً لیڈروں نے خنزیر کو دبنے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے۔ دین الٰہی کو دیدہ و دانستہ پامال کیا ہے۔ اور پھر لیڈر ہیں، ریفامر ہیں مسلمانوں کے بڑے راہبر ہیں۔ جو ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے مسلمان ہی نہیں۔ یعنی جب تک اسلام کو کند چھریوں سے ذبح نہ کرے ایمان ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں جانتا ہوں کہ میرا یہ کلام انہیں برا لگے گا۔ اور حسب معمول تحقیق حق و اظہار احکام رب الانام کا نام گالیاں رکھا جائے گا۔ یا تو آخر میں ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت کی یا خاموش بیٹھے۔ اب وہ پاکستان بننے کے بعد صف قائدین میں شامل ہوئے اور مقبول شاعر۔

؎ نیرنگئ سیاست دوراں تو دیکھئے ۔ منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔

مخالفین و معاندین جنکا کام ہی اقتدار پردازی ہے اور فتنہ انگیزی ہے وہ کوئی موقع ایسا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جہاں انہیں اپنے مقصد کی بات ملتی ہو۔ چنانچہ جب فاضل بریلوی نے تحریک خلافت کے سلسلے میں اپنی رائے کا برملا اظہار فرمایا اور حاجی لعل خانصاحب کے استفسار کے جواب میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی کیا جارہا ہے وہ نہ تو قرین مصلحت ہے اور نہ اس سے ترکوں کو فائدہ۔ اس پر اسطرح آپ کی ذات کو ہدفِ ملامت بنایا گیا الامان الحفیظ۔ کہا گیا کہ انہیں ترکوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ انگریز کے تنخواہ دار ہیں۔ غرضیکہ جو کچھ منہ میں آیا کہتے گئے لیکن آنے والے وقت نے یہ ظاہر کر دیا کہ جو کچھ فاضل بریلوی نے فرمایا تھا وہ حق و صواب تھا۔

ڈاکٹر محمد مسعود صاحب تحریک آزادی اور السوادِ اعظم میں رقمطراز ہیں۔

تحریک خلافت اور پھر تحریک موالات (۱۹۱۹ - ۲۰) کے دور میں فاضل بریلوی کے مخالفت میں ایک طوفان اٹھایا گیا۔ یہ دور نہایت جذباتی دور تھا۔ مگر اس پُرآشوب دور میں فاضل بریلوی، صدر الافاضل اور تاج العلماؒ نے جس سیاسی سوجھ بوجھ اور بصیرت کا ثبوت دیا اس کی قدر اگرچہ اُسوقت نہ کی گئی مگر آج کا مورخ مجبور ہے کہ ان کی بصیرت و عافیت اندیشی کو خراجِ عقیدت پیش کرے۔

۱۱ر جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ کو مسجد بی بی جی، بریلی میں اہلِ سنت و جماعت کا جلسہ ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ فاضل بریلوی صاحبِ فراش تھے اور اسی سال آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے قوم کے نام ایک پیغام جاری کیا جس میں آپ نے ترکوں کی مدد، اماکن مقدسہ کی حفاظت اور مخالفین کی سیاسی چالوں کا بڑے بصیرت افروز انداز میں ذکر فرمایا ہے اور آخر میں مسلمانوں کو حقیقی فلاح حاصل کرنے کے لیئے اپنی ان تجاویز کی طرف متوجہ فرمایا جو آپ بہت پہلے ۱۹۱۲ء میں پیش کر چکے تھے۔ اس پیغام کے آخر میں آپ نے فرمایا یہ آٹھ برس ہو گئے جبکہ اس جنگ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ فقیر نے فلاح مسلمین کے لیئے چار تدبیریں شائع کی تھیں۔ امید کہ ان پر غور فرما کر ان کے اجراء میں سعی کریں۔

فاضل بریلوی قدس سرہٗ اور دیگر علمائے اہلسنت کا دفاع کرتے ہوئے والدِ محترم تاج العلماء شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی قدس سرہٗ نے السواد اعظم شعبان ۱۳۳۹ھ کے شمارے میں تحریر فرمایا۔

"وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے علمائے اسلام گورنمنٹ کے تنخواہ دار سمجھے گئے؟ کیا شعائرِ اسلام کے مٹنے سے راضی نہ ہونا مسلمانوں کو مراسمِ شرک سے روکنا یہ خاص گورنمنٹ کا کام ہے؟ یا اس کے علاوہ وہ گورنمنٹ کو کوئی امداد پہنچا رہے ہیں؟

فاضل بریلوی قدس سرہٗ پر الزامات تراشی کا یہ سلسلہ جاری رہا اور آخر میں ایک فردِ جرم جاری کی گئی۔ جس کے سلسلہ میں فاضل بریلوی کا جواب السواد اعظم جمادی الاول ۱۳۳۹ھ میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ گورنمنٹ کی خوشی میں اس کے حسبِ منشاء فتویٰ دیدیا۔ اس الزام کا جواب محترمی ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے اپنے مقالہ "فاضل بریلوی اور ترکِ موالات" میں شرح و بسیط کے ساتھ دیا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

مضمون کی طوالت اور معارفِ رضا کی ضخامت اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ اس سلسلہ میں مزید کچھ لکھا جائے حقیقتِ حال یہ ہے کہ فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے ملت مسلمہ کی مذہبی اور سیاسی پلیٹ فارم سے اسطرح دستگیری فرمائی جس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔

فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ کے متوسلین نے اس مشن کو جاری وساری رکھا۔ ان متوسلین میں استاذ العلماء صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرآد آبادی اور تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب نعیمی کا نام سرفہرست لیا جاسکتا ہے۔ ان حضرات نے دوسرے اکابر اہلسنت کے ساتھ اس جہاد کو جاری رکھا اور السوادِ اعظم کے ذریعہ ہر باطل تحریک کا تعاقب کرتے رہے۔ تفصیلات کیلئے تحریک آزادی اور السواد اعظم۔ مرتب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ کو ملاحظہ کریں۔

"وہ جس کے متعلق مکہ معظمہ کے علماء کرام گواہی دیتے ہیں کہ وہ سرداروں میں یکتا و یگانہ ہے، امامِ وقت، میرے سردار، میری جائے پناہ، حضرت احمد رضا خان بریلوی۔ اللہ تعالےٰ ہمکو اور سب مسلمانوں کو اس کی زندگی سے بہرہ ور فرمائے اور مجھے اسکی روش نصیب کرے کہ اس کی روش سیدِ عالم، سرورِ کونین، سرکارِ دو جہاں سردارِ انبیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روش ہے۔"

شیخ عبد الرحمٰن دھان۔ مکی

چند واقعات و روایات

(ڈاکٹر محمد ایوب قادری):-

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں (سنہ ۱۸۵۶ء - ۱۹۲۱ء) اپنے عہد کے نامور عالم، فقیہہ، ریاضی داں، مصنف اور عبقری تھے۔ علوم ریاضی میں وہ مجتہدانہ دسترس رکھتے تھے اسی طرح علم فقہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ فاضل بریلوی[7] سے متعلق چند واقعات و روایات جو مختلف اوقات میں بزرگانِ بدایوں و بریلی سے خاکسار تک پہنچی ہیں ان کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱)

ضلع بریلی میں قصبہ آنولہ، تحصیل کا صدر مقام اور مشہور تاریخی بستی ہے روہیلوں کے زمانہ میں عرصہ تک یہ قصبہ صدر مقام رہا۔ قلعہ، مقبرے اور مساجد وغیرہ بہت سے تاریخی آثار موجود ہیں۔ قصبہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور قرآن کریم کے حفاظ اچھی تعداد میں موجود ہیں۔

انگریزی دور حکومت میں شیوخ کلال کا خاندان (محلہ قلعہ) مشہور رہا اس خاندان کی نامور شخصیت حکیم سعادت علی خاں ابن شیخ حکیم مردان علی تھے جو انگریزی حکومت میں تحصیلدار تھے پھر ریاست رام پور میں مدار المہام ہوئے انہوں نے جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء کے موقع پر انگریزی حکومت کی خدمات انجام دیں اور روہیل کھنڈ میں انگریزی حکومت کے مفاد کا تحفظ کیا لہٰذا حسن خدمات کے صلہ میں ان کو زمینداری اور انعام و اکرام ملا۔ ایک انگریزی خاتون سے انہوں نے شادی کی جس کے دو لڑکے اصغر علی اور وہاب علی ہوئے۔ خاندانی بیوی سے چار صاحبزادے تھے سنہ ۱۲۸۳ھ میں حکیم سعادت علی خاں کا انتقال ہوا۔

سنہ ۱۹۰۴-۵ء میں اس خاندان میں بعض نوجوان قادیانی تحریک سے متاثر ہو گئے۔ جن میں خان بہادر حکیم منظم علی خاں عرف مکہ میاں ابن واحد علی خاں ابن حکیم سعادت علی خاں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک اور بزرگ مولوی اسد علی خاں (ف سنہ ۱۹۵۶ء) کا رجحان بھی اُدھر ہو گیا تھا اور اس حلقہ کو وسعت ہونے لگی۔ چنانچہ اس موقع پر قصبہ آنولہ کے بعض اہل الرائے حضرات نے ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد کیا جس میں بدایوں سے مولانا عبد المقتدر بدایونی (ف سنہ ۱۹۱۵ء) مفتی حافظ بدایونی (ف سنہ ۱۹۲۱ء) امروہہ سے مولانا احمد حسن امروہوی، پیلی بھیت سے مولانا وصی احمد محدث سورتی اور بریلی سے مولانا احمد رضا خاں تشریف لائے۔

علمائے کرام کی تقریریں ہوئیں اس میں فاضل بریلوی اور محدث امروہوی کی تقاریر حاصل جلسہ تھیں۔ علمائے کرام کے سامنے
حکیم معظم علی خاں عرف مکہ میاں
مولوی اسد علی خاں خاص طور سے پیش ہوئے انہوں نے توبہ کی اور اس طرح یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس قصبہ سے ختم ہو گیا
اگرچہ حکیم معظم علی خاں کے پاس ان کی حیات (مارچ ۱۹۵۱ء) تک قادیان سے پراپیگنڈہ لٹریچر آتا رہا۔
شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ مولوی اسد علی خاں مرحوم قادیان گئے تھے اور مرزائے قادیان سے ملے تھے مرزا نے
بیک وقت مسیح موعود اور کرشن کے اوتار ہونے کا بھی دعوی کیا تھا۔ مولوی اسد علیخاں نے مرزا سے پوچھا تھا کہ اگر آپ کی
واقع ہو جائے تو آپ کا کریہ کرم کرشن کے اوتار کے طریقے پر ہوگا یا مسیح موعود کے انداز پر۔ مرزا اس کا جواب ہو گیا
وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مرزا کی نبوت کا سارا کھیل حکیم نورالدین بھیروی اور مولوی محمد احسن امروہوی کے علم و فضل کا کرشمہ تھا۔

(۲)

حکیم سعادت علی خاں مرحوم کے فرزند مذکور الصدر وہاب علی سے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاںؒ کی سوتیلی بھوپھی
مستجاب بیگم منسوب تھیں۔

(۳)

مولانا مولوی حافظ عبدالمجید ولد شیخ عبدالکریم (ف ۱۹۴۳ء) جب مدرسہ قادریہ بدایوں سے فارغ التحصیل ہو کر
اپنے وطن آنولہ آئے تو حاجی بلاتی، شیخ رمضان بخش بزاز اور مولانا حکیم سعید اللہ قادری (۱۹۱۰ء) کی کوششوں سے ایک مدرسہ
اسلامیہ محلہ گنج میں (پیش دروازہ، حاجی بلاتی مرحوم) قائم ہوا۔ حضرت مولانا عبدالمجید اس مدرسہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے
مدرسہ کے افتتاح کے موقعہ پر بدایوں سے حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر اور مفتی حافظ بخش اور بریلی سے حضرت مولانا رضا خاں
تشریف لائے۔ اس موقعہ پر فاضل بریلویؒ کا یادگار وعظ ہوا۔
یہ مدرسہ جلد ہی ختم ہو گیا کیونکہ مولانا عبدالمجید باہر تشریف لے گئے مولانا مرحوم کے ہمدرس شیخ حبیب اللہ مرحوم (ف ۱۹۵۰ء)
جنہوں نے اس مدرسہ میں مولانا صاحب سے گلستاں کے چند سبق پڑھے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ کسی صاحب نے حضرت مولانا
عبدالمجید مرحوم کو ایک ٹھلیا چھاج بطور ہدیہ دیا تھا۔ مولانا موصوف وہ ٹھلیا خود اپنے مکان واقع محلہ بذریہ لے گئے تھے یہ ان کا انکسار تھا

(۴)

حضرت مولانا حافظ عبدالمجید صاحب فاضل بریلویؒ کا بڑی محبت سے ذکر کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ گر میں نماز
کے موقعہ پر موجود ہوتا تھا تو فاضل بریلوی مجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حافظ صاحب نماز
پڑھائینگے۔ مولانا عبدالمجید مرحوم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ______ ۱۹۰۰ء میں جب پٹنہ میں مشہور جلسہ ہوا تو بہری تقریر کے بعد
مغرب کی نماز ہوئی علمائے کرام کے اس عظیم الشان جلسہ میں بھی فاضل بریلویؒ نے حسب معمول فرمایا کہ ہمارے حافظ صاحب نماز
پڑھائیں گے۔

(۵)

شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے چہیتے مرید مولوی صوفی عبدالحمید اشرفی (ف ۱۹۴۵ء) ساکن قصبہ ادجھیانی (ضلع بدایوں تھے) صوفی صاحب کا کتب خانہ نہایت اعلیٰ تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ بدایوں، بریلی پیلی بھیت اور مرادآباد کے علمائے کرام کی تصانیف خاص طور سے جمع کی گئی تھیں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی تمام مطبوعہ تصانیف تھیں بعض خطی رسائل بھی تھے جو حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں کے ذریعہ سے ملے تھے فاضل بریلوی کے بعض خطوط بھی صوفی مرحوم کے والد شیخ نعیم الدین (ف ۱۹۳۱ء) کے نام تھے۔ جماعت رضا مصطفےٰ کا تمام لٹریچر، یادگار رضا کا مکمل فائل اور الرضا کا پہلا پرچہ بھی تھا۔ صوفی صاحب کے انتقال کے بعد کتب خانہ کا بڑا حصہ کچھوچھہ شریف بھیج دیا گیا۔

(۶)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی (ف ۱۹۰۱ء) اور فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلقات تھے۔ مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی (ف ۱۸۷۲ء) کے عرس میں فاضل بریلوی اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں (ف ۱۸۸۰ء) کی معیت میں شریک ہوتے تھے۔ فاضل بریلوی کی تقاریر کا آغاز اسی عرس قادری بدایونی سے ہوا۔

(۷)

۱۲۹۴ھ میں فاضل بریلوی اور مولانا نقی علی خاں بدایوں حضرت مولانا محب رسول عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے پھر علماء اکابر بدایوں حضرت شاہ اچھے میاں مارہروی کے عرس میں شرکت کے لئے مارہرہ پہنچے مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک و تعارف پر حضرت فاضل بریلوی اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں حضرت شاہ آل رسول مارہروی زیب سجادہ درگاہ عالیہ مارہرہ شریف سے بیعت ہوئے اسی لئے حضرت فاضل بریلوی نے قصیدہ چراغ انس (۱۳۱۵ھ) میں فرمایا ہے۔

تیری نعمت کا شکر کیا کیجئے ‏ ‏ ‏ ‏ تجھ سے کیا کیا ملا محب رسول

اور تو اور شیخ تجھ سے ملا! ‏ ‏ ‏ ‏ اس سے بڑھ کر ہے کیا محب رسول

۱۲۹۶ھ میں حضرت شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔ حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں نے فاضل بریلوی کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور اسد الخلفاء کا خطاب دیا۔

(۸)

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات، تبادلہ خیال اور علمی مذاکرات کے سلسلہ میں مدرسہ قادریہ بدایوں تشریف لے جاتے تھے کبھی کسی علمی مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے سے لکھ دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالقادر بدایونی اس مسئلہ کو ذہن نشین فرماتے اور اس مسئلہ سے متعلق جملہ کتب، کتب خانہ سے نکلوا کر رکھ لیتے تھے۔ اس سے ان دونوں حضرات

کے تعلق خاطر کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۹)

فاضل بریلوی نے ۱۳۱۵ھ میں باسم تاریخی قصیدہ "چراغ انس" حضرت مولانا عبد القادر بدایونی کی مدح میں لکھا ہے وہ شاہکار قصیدہ ہے شعر وانشا اور زبان وبیان کے علاوہ وہ اس دور کی مذہبی وعلمی کیفیت کا بھی آئینہ دار ہے وہ قصیدہ اسی زمانہ میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ پھر مولانا حسن رضا خاں مرحوم نے نہایت صحت واہتمام سے اپنے پیش لفظ کے ساتھ مشہور رسالہ تحفہ حنفیہ (پٹنہ) (ذی قعدہ وذی الحجہ ۱۳۱۸ھ) میں شائع کیا تھا۔ خوش قسمتی سے یہ رسالہ ہمارے ذخیرۂ علمیہ میں محفوظ ہے۔ مندرجہ ذیل شعر سے اس قصیدہ کا آغاز ہوتا ہے

اے امام الہدیٰ محب رسول — دین کے مقتدیٰ محب رسول

(۱۰)

اسی سال ۱۳۱۵ھ میں فاضل بریلوی نے حضرت شاہ ابو الحسین نوری میاں مارہروی کی شان میں قصیدۂ نوری باسم تاریخی "مشرقستان قدس" لکھا۔ مذاق میاں بدایونی کے حلقہ کی طرف سے اس قصیدہ پر فنی وعروضی اعتراض کیے گئے اور ایک کتابچہ مراۃ الغیب کے نام سے شائع ہوا۔ مولانا علی احمد خاں اسیر بدایونی (ف ۱۹۲۰ء) نے مراۃ الغیب کے جواب اور مشرقستان قدس کی تائید میں ایک رسالہ مشرقستان اقدس لکھا جو مولوی نواب سلطان احمد خاں بریلوی کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس قصیدہ کا پہلا شعر ہے۔

ماہ سیما ہے احمد نوری — مہر جا وہ ہے احمد نوری

بعض لوگوں نے کچھ لگائی بجھائی کی تھی جس کے نتیجہ میں یہ قصیدہ لکھا گیا تھا چنانچہ درج ذیل اشعار میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

میرے حق میں مخالفوں کی سُن — حق یہ میرا ہے احمد نوری
تو ہنادے کہ نفس بدنے ستم — خون رولایا ہے احمد نوری

اس قصیدہ نوری کے تتبع میں بدایوں کے دو بزرگ حاجی عطا محمد عطا بدایونی اور محمد نبی سوز بدایونی نے بھی حضرت نوری میاں کی شان میں قصیدے لکھے تھے۔ اول الذکر قصیدہ ہماری نظر سے گزرا ہے۔

(۱۱)

۱۳۱۳ھ میں فاضل بریلوی نے اپنا مشہور قصیدہ نور لکھا جس کا پہلا شعر

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا — صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اور آخری شعر ہے۔

اے رضا یہ احمد نوری کا فیضِ نور ہے ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

سب سے پہلے یہ قصیدہ عرس نادری بدایوں میں ۵ رجمادی الآخر ۱۳۱۷ھ کو پڑھا گیا جس میں ہندستان کے نامور علماء اور مشائخ مولانا عبد القادر بدایونی ، مولانا وصی احمد محدث ، مولانا ہادی علی خاں سیتاپوری، مولانا ہدایت رسول، شاہ محمد فاخر الہ آبادی ، مولانا عبد الصمد سہوانی ، شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی ، شاہ تجمل حسین شاہجہانپوری وغیرہ موجود تھے حضرت شاہ ابو الحسین نوری میاں صدر مشائخ تھے ۔ حضرت فاضل بریلوی بھی تشریف فرما تھے ۔ بدایوں کے مشہور نعت خواں حبیب قادری مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں قصیدہ نور پڑھا ۔ لوگ بیان کرتے تھے کہ محفل سراپا نور بن گئی ایک ایک شعر چار چار پانچ پانچ مرتبہ پڑھا گیا ۔ کیف و سرور کی ایک کیفیت برپا تھی تحسین و آفرین کے نعرے تھے دس بجے یہ قصیدہ شروع ہوا اور قبل ظہر ختم ہوا۔
حضرت شاہ احمد نوری قدس سرہ نے جو گردن جھکائے مراقب نظر آرہے تھے ۔ گردن اٹھائی اور دست بدعا ہوئے حضرت فاضل بریلوی والہانہ انداز سے اٹھ لٹھے اور بے ساختہ ایک چیخ نکلی اور حضرت میاں صاحب قبلہ کے زانوئے مبارک پر سر رکھ دیا ـــــــ سبحان اللہ و بحمدہ

(۱۲)

مولانا علی احمد خاں اسیر نے بھی اسی زمین میں ایک قصیدہ نور لکھا تھا جو اسی روز رات کو بعد اختتام وعظ پڑھا گیا۔ اس قصیدہ کا مطلع ہے ۔

مرحبا آیا عجب موسم سہانا نُور کا بلبلیں گاتی ہیں گلشن میں ترانہ نور کا

قصیدہ کا اختتام اس طرح ہوا ہے ۔

ہوں مقلد میں رضا کا اس زمینِ نور میں میں نے بھی جا گیر میں پایا علاقہ نور کا
دو جہاں میں رات دن یا رب رضا کے ساتھ ساتھ بہرِ ذوالنورین رکھنا ہم پہ سایہ نور کا
نور کی بارش جھما جھم ہونی آئی ہے اسیر لو رضا کے ساتھ بڑھ کر تم بھی حصہ نور کا

اس قصیدہ کی بھی خوب دھوم رہی ۔

شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ مولانا ضیاء الدین بدایونی مرحوم (ف ۱۹۷۰ء) نے بھی اسی زمین میں ایک قصیدہ ۱۳۷۶ھ میں باسم تاریخی " نورِ خورشید " لکھا جس کا مطلع ہے ۔

اوجِ عرشِ پاک سے چمکا ستارا نور کا صبحِ میلادِ نبی عالم ہے سارا نور کا

آخر کے دو شعر ملاحظہ ہوں ۔

ہے منور نور سے قبرِ رضا قبرِ اسیر ان کے صدقے یہ قصیدہ بھی ہو سارا نور کا
اے عرب کے چاند چمکا دے مری لوحِ جبیں ہو ضیا کو پھر مدینہ میں نظارا نور کا

(۱۳)

مولانا محمد علی قادری ساکن قصبہ آنولہ حضرت مولانا حامد رضا خاںؒ بریلوی کے خاص شاگرد اور تربیت یافتہ تھے ان کا بیان ہے کہ جب میں حفظ قرآن اور ابتدائی اردو فارسی کتابوں سے فارغ ہوا تو میرے والد مرحوم نے بریلی کے مدرسہ میں بھیجنے کا ارادہ کیا۔ حضرت فاضل بریلویؒ کا آخری زمانہ حیات تھا۔ جب والد صاحب بریلی پہنچے تو براہ راست اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے نہایت شفقت و محبت کا اظہار فرمایا۔ اور میرا نام پوچھا۔ میں نے عرض کیا محمد علی، نام سن کر بہت دعائیں دیں اور حضرت مولانا حامد رضا خاں کو بلوایا اور ان کے سپرد کیا کہ یہ تمہارے ایڈیٹر مولانا محمد علی ہیں ان کی تعلیم و تربیت کرو

مولانا محمد علی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا حامد رضا خاں مرحوم کی غایت درجہ شفقت و محبت میرے حال پر رہی ان کی حسن تعلیم و تربیت کا فیض ہے کہ میں بریلی سے فارغ التحصیل ہوا اور جب رسالہ یادگار رضا کا اجراء ہوا تو مجھے ایڈیٹر مقرر کیا گیا اس موقع پر مولانا حضرت حامد رضا خاںؒ نے فرمایا کہ ان کو تو خود اعلیٰحضرت ایڈیٹر فرما گئے ہیں۔

۔مولانا محمد علی مرحوم فرماتے تھے کہ حضرت ابا میاں مرحوم حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں سے بیعت تھے لہٰذا یہ ساری شفقتیں اور محبتیں اسی تعلق سے تھیں۔

(۱۴)

حاجی عبدالجامع جامی بدایونی (ف ۱۹۶۵ء) بدایوں کے ثقہ شاعر اور مرنجاں مرنج بزرگ تھے۔ ان کے والد حاجی عبدالقدیر حضرت شاہ آل رسول مارہروی کے خاص مرید تھے چنانچہ حضرت کے وصال پر حاجی عبدالقدیر مرحوم نے مرثیہ باسم تاریخی "مرثیہ آل رسول مقبول الٰہ" (۱۲۹۶ھ) لکھا ہے اور افضل المطابع کیفرہ بزرگ (بدایوں) سے شائع ہوا ہے۔ حاجی صاحب کا بیان ہے کہ والد صاحب نے اس مرثیہ کو مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کو دکھلانے کے بعد شائع کیا ہے

اسی وقت ایک مرثیہ باسم تاریخی "مرثیہ قطب زمانہ آل رسول" (۱۲۹۶ھ) منظوم غلام غوث قادری المتخلص وحشت مذاقی (مطبوعہ احمد المطابع دہلی) بھی شائع ہوا۔ مگر اول الذکر کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔

نعتیہ رباعی

اعلیٰحضرت احمد رضا

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ ۔۔۔ بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی ۔۔۔ یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی

(جناب اللہ بخش عقیلی مرحوم)

پاکستان کے سابق وزیر خزانہ جناب نبی بخش عقیلی صاحب کے بڑے بھائی اللہ بخش عقیلی مرحوم صاحب علم وفضل تھے۔ وہ ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر فائز رہے۔ سندھ کا مشہور تاریخی شہر ٹھٹھہ ان کا مولد ومسکن تھا۔ موصوف نے امام احمد رضا کے وصال کے ۱۰ ماہ بعد ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں ان کے حالات پر ایک مضمون قلم بند کیا تھا جو اسی زمانے میں لاہور کے ماہنامہ تصوف میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت کا غیر منقسم ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں چرچا تھا اور اہل علم آپ کی رفعت ومنزلت سے آگاہ تھے یہ مضمون مولانا محمد اسد نظامی موسوی کی عنایت سے محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو ملا اور موصوف نے ادارہ کے لئے عنایت فرمایا۔ ہم دونوں حضرات کے تہ دل سے ممنون ہیں۔

ادارہ

تکوین عالم سے لیکر زمانۂ اقدس تک خدائے عزوجل انبیاء علیہم السلام کو انسان کی ہدایت اور رہبری کے لئے مبعوث فرماتا رہا اور آخر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم المرسلین" بنا کر تکمیل دین کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا اس کے بعد ہر زمانہ میں اس مکمل دین کی تجدید اور گمراہ شدہ لوگوں کو پھر اسی رستہ کے پتہ بتانے کے لئے خاص بندگانِ خدا سے کوئی نہ کوئی ضرور آتا ہی رہا۔ اور اس شغل

ہدایت سے جو اسے عطا ہوتا ہے ایک بار پھر دنیا کو روشن کرتا رہا۔ خدائے عزوجل کے وہ برگزیدہ بندے صوفیائے عظام اور علمائے کرام میں اول المذکور طبقہ کے کام دل سے تعلق رکھتے ہیں اور آخر المذکور طبقہ کے ظاہری تقریر و تحریر سے۔ علمائے کرام کے حق میں سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی زبان فیض ترجمان سے یہ الفاظ نکلے ہیں کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا جیسے ہیں) اور ان کے اوصاف کو قرآن مجید نے ان ہی الفاظ میں بھر دیا ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (تحقیق اللہ کے بندوں میں سے اس سے ڈرنے والا طبقہ علما کا ہے)۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا وہ زمانہ ہم کبھی بھول نہیں سکتے۔ جبکہ جونپور، دہلی، سندھ ملتان وغیرہ کے حلقے اس مبارک گروہ سے پر مسجدوں کے حجرے انکی نشست و برخاست سے معمور مسجدوں کے منبر ان کی تجلیات سے جلوہ گر اور لوگوں کے مجمع ان کی مواعظ و نصائح سے گرم اور متاثر نظر آتے تھے ان ہی کی خامہ فرسائی نے دنیا کو عجیب کتابوں سے بھر دیا اور ان ہی کے حجج باہرہ اور براہین قاہرہ دیکھ کر دنیا کے مغرور شریروں کو اسلام کے آگے بصدق دل سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور پھر لطف یہ کہ مذہبی اشاعت کے ساتھ ساتھ اپنے دنیوی گذران کے لئے بھی مختلف پیشے اختیار کئے ہوئے تھے۔ اس زمانہ کا ہر بقال و حلوائی علوم دینیہ میں وہ ید طولیٰ رکھتا تھا کہ جس کو دیکھ کر ایک دنیا دنگ رہ جاتی تھی۔

لیکن ہماری اس پستی حالت پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں کہ اس بے شرمی کی لکڑی نے ہمارے دلوں کو اس قدر اندھا کر دیا کہ ہمیں نہ دین کی پرواہ رہی نہ مذہب کی۔ جانوروں اور حیوانوں کے موافق اپنے اس ستارے کے نیچے پڑے رہے حتیٰ کہ اپنی زندگیاں بھی وہیں ختم کر دیں۔

تاہم اس بے پرواہی و جہالت کے زمانے میں بھی خدائے مہربان ہمیں نہیں بھولا۔ اور اس ملت کے ساتھ کبھی کسی نہ کسی کونے میں خدا کے ان برگزیدہ بندوں کی ہستی آباد رہی۔ پھر اب بھی اگر ہم ان سے فیوض حاصل نہ کریں تو اس زندگی سے مرنا ہی بہتر ہے۔

ہماری بدقسمتی کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے مشغلوں اور عیش و عشرت ہی میں لگے رہیں اور اس شمع انوری کی نایاب تجلیاں بھی آہستہ آہستہ بجھتی چلی جائیں۔

بریلی کی اس بزرگ ہستی کے نام سے کون واقف نہیں جن کی تقریروں اور تحریروں کی آواز صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ افغانستان عربستان اور مصر میں بھی آج تک بتو روز درگونج رہے ہیں آپ کے نہایت مختصر حالات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حضرت مولینا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ افاغنہ کے اس خاندان عالی کے رکن رکین تھے جس کے افراد سلاطین دہلی کے پاس جلیل منصبوں پر سرفراز و ممتاز تھے۔ درویشی اور علم دین کا شوق تو آپ کے خاندان کی وراثت ہی تھی۔ چنانچہ آپ کے جد امجد مولوی رضا علی خاں مرحوم بریلوی نے ۲۲ برس کی عمر میں علوم متداولہ بخوبی حاصل کئے تھے اور علم فقہ میں تو انھیں خاص طور پر مہارت کامل تھی منجملہ اس کے آپ کا زہد اور قناعت اور حلم و تواضع آپ کے خصوصیات سے تھے۔ ان کے فرزند یعنی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے والد ماجد مولوی نقی علی خاں بریلوی مرحوم بھی اپنے زمانہ کے بڑے عالم اور پرہیزگار تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے ۲۵ بڑی زبردست تصانیف ہیں جن میں الفتاوۃ النقویہ فی الخصائص النبویہ، وسیلۃ النجاۃ اذاقۃ الاثام۔ ازالۃ الاوہام تزکیۃ الایقان اور لمعۃ النبراس بہت ضروری اور یہاں پر قابل تذکرہ ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت بروز شنبہ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ کو بریلی میں ہوئی۔ عقیقہ کے دن آپ کے جد امجد مرحوم نے فرمایا کہ میں نے ایک خواب

دیکھا ہے جس سے اس فرزند کا فاضل و عارف ہونا معلوم ہوتا ہے۔

چار برس کی عمر میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے قرآن شریف کا پڑھنا ختم کیا اور بعمر ۶ برس ماہ ربیع الاوّل میں برسرِ منبر مجمع کثیر کے سامنے رسالہ میلاد شریف پڑھا۔ تمام علوم درسیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی اور ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ یعنی ۱۴ برس کی عمر میں اس سے فارغ ہوئے۔ اسی تاریخ کو آپ نے استفتائے رضاعت کا جواب لکھا اور آپ کے والد ماجد نے فتاویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کیا

۱۲۹۴ھ میں مع اپنے والد کے سید آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کی خدمت میں شرفِ بیعت حاصل کیا اور آپ کو بھی وہاں سے جمیع سلاسل کی اجازت اور سند حدیث ملی۔ پھر اپنے والد مرحوم کے ساتھ ہی ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفا) سے مشرف ہوئے اور وہاں کے علماء یعنی سید احمد دحلان مفتی شافعیہ اور عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ سے سند حدیث فقہ اصول تفسیر اور دیگر علوم کی حاصل کی۔

وہاں ایک روز کی بات ہے کہ مغرب کے وقت مقام ابراہیمؑ میں جب آپ نماز مغرب سے فارغ ہوئے تو امام شافعیہ حسن بن صالح جمل الیل نے بغیر کسی سابق تعارف کے آپ کو ہاتھ سے پکڑا اور اپنے گھر کی طرف لے گئے۔ وہاں دیر تک آپ کی پیشانی کی طرف دیکھتے رہے اور فرمایا کہ "انی الاجد نور اللہ ھٰذا الجبین" میں اس پیشانی میں خدا کا نور پاتا ہوں)۔ اس کے بعد ان سے آپ کو سند صحاح ستہ اور اجازت سلسلہ قادریہ ملی اور آپ کا نام انہوں نے ضیاء الدین احمد رکھا۔ سند مذکور میں امام بخاری علیہ الرحمہ تک گیارہ وسائط ہیں۔

شیخ جمل اللیل کے کہنے پر آپ نے ان کی ایک تصنیف کردہ کتاب جوہرۃ المضیہ کی شرح جس میں مذہب شافعیہ کے مطابق مناسک حج کا بیان تھا۔ مکہ معظمہ میں دو دن میں لکھی اور اس کا نام النیرۃ الوضیۃ فی شرح جوہرۃ المضیۃ مذہب حنفیہ کے سوا دیگر مذاہب میں آپ کی وسعت علمی کا پتہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ فرماتے ہیں:-

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین (جس کو اچھا بنانے کی خدا کی مرضی ہوتی ہے۔ اسے دین کا فقیہ بناتے ہیں)

پھر مدینہ طیبہ میں آپ کی ملاقات مفتی شافعیہ مولانا محمد بن عربت ہوئی۔ کھانا کھاتے وقت دوران گفتگو میں ایک مسئلہ نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فضیلت میں زیادہ ہیں اور مولانا مفتی مذکور اس کے برعکس فرماتے تھے۔ بالآخر مولانا مفتی نے فرمایا کہ دونوں قول صحیح ہیں۔ آپ نے فرمایا "وجھت ھو مولیھا" (اور ہر گروہ کے لئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ مونہہ کرتے ہیں) اس وقت حرم شریف سے نماز عصر کی بانگ کا آواز آیا اور مولانا مفتی فاستبقوا الخیرات فرماتے ہوئے اٹھے۔ رات کو نماز عشا کے بعد آپ مسجد شریف میں تنہا بیٹھے رہے اور وہاں آپ نے مغفرت کی بشارت پائی۔

اس مختصر سے مضمون میں آپ کے اتنے ہی اوصاف اور فضائل بیان ہو سکے اور ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کس پایہ کے عالم اور مجدد تھے۔ مجھے سیدی و مخدومی حضرت پیر محمد مور شاہ صاحب قادری علیہ الرحمۃ کے وہ الفاظ یاد ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ وعظ میں فرمایا تھا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے نام نامی اسم گرامی احمد رضا سے بذریعہ علم الحروف مجدد مائۃ حاضرۃ ثابت کیا جا سکتا ہے ؎

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی ۔۔۔ یہ دیکھو خوشنما لگتا ہے کیسا چاند بن گہنے۔

مگر افسوس کہ ان کے فیوض سے ابھی ہندوستان کوئی بہرہ ور نہ ہوا تھا کہ قضا نے زیادہ ٹھہرنے نہ دیا۔ اور ۱۳۴۰ھ ہجری میں ماہ

صفر المظفر کی ۲۵ تاریخ کو بروز جمعۃ المبارک ظہر کے وقت وہ برگزیدہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ اور یہ گوہر بے بہا ہمارے ہاتھوں سے جاتا رہا۔

آپ کی تاریخ وفات پیر مخدومی حضرت پیر محمد شاہ صاحب قادری مرحوم نے شاید ایک نظم بھی لکھی تھی لیکن مجھے صرف اتنا یاد رہا ہے انہوں نے آپ کا سال وفات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نکالا تھا۔ ۱۳۴۰ھ

آپ نے ساری عمر دشمنان دین کے سمجھانے اور عوام الناس کو ان کی دھوکہ بازیوں سے بچا کر راہ ہدایت پر لانے میں صرف کر دی ہزاروں اعتراضوں کے جواب لکھے اور صدہا مسئلوں کو صاف کیا اور قرآن شریف کی اس آیۃ کریمہ کے حقیقی مصداق تھے کہ ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب۔

آپ صاحب تصانیف کثیرہ تھے جن کا صحیح اندازہ معلوم نہیں۔ ویسے تو جملہ تصانیف علم کا ایک بحر ہیں۔ لیکن سب سے زبردست تصنیف آپ کی حیرت انگیز کتاب العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ہے جس کی ترتیب میں بڑی تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی بارہ ضخیم جلدوں میں سے اس وقت صرف ایک جلد ۸۵۰ صفحات پر چھپ چکی ہے جس میں ۲۸ رسائل اور ۳۷۰ فتوے کے سوا ابواب فقہ کے مختلف مسئلے اور علم عقائد علم حدیث، علم اصول ہندسہ و ریاضی کے مسئلے درج ہیں جن میں سے صدہا اس کتاب کے سوا کہیں مشکل سے ملیں گے۔ باقی گیاراں جلدیں ابھی تک غیر مطبوع ہیں۔

آپ کی تصانیف الروض البھیج فی آداب تخریج ہے۔ جس کے نام کے بعد صاحب تذکرہ لکھتے ہیں کہ اگر پیش ازیں کتابی در این فن یافتہ نشود پس مصنف را موجد تصنیف ہذا می توان گفت۔ ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا

میں نے آپ کے حالات بابرکات کا یہ صرف ایک مختصر خاکہ قارئین کرام کی خدمت میں عرض کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے وصال کو آج اٹھ مہینے کا عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن کسی نے آپ کے حالات پر قلم نہیں اٹھایا۔ مجھے ہندوستان کے علمائے اہل سنت سے عموماً اور جماعت مبارکہ انجمن رضائے مصطفےٰ بریلی سے خصوصاً قوی امید ہے کہ وہ ضرور آپ کے مفصل سوانح عمری شائع فرما کر عوام الناس کو مستفیض ہونے کا موقعہ دیں گے ؎

زوصف ناتمام ماجمال یار مستغنی است بخال و خط برنگ و بوچہ حاجت روئے زیبارا

آخر میں مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ہندوستان کی خاک میں بھی ایسے عالم ایسے فقیہ اور ایسے مجدد ہو گزرے ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ غفلت کے پردے ڈال کر ایسی نیند سوئے ہیں کہ ان کی اتنی چیخ و پکار کا بھی ہم پر اثر نہیں ہوتا۔ ہماری بے قدری و لاپرواہی میں اسی طور اس مبارک گروہ کے افراد یکے بعد دیگرے چلے جاتے ہیں اور اسلامی دنیا کا یہ رنگ ہوتا ہوا چلا جاتا ہے کہ "مسلمانی در کتاب مسلمانان در گور"۔

چنانچہ استاذی و مخدومی حضرت سید محمد شاہ صاحب قادری علیہ الرحمۃ بھی بروز چہار شنبہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ کو داعی اجل کو لبیک کہہ کر گوشہ لحد میں جا لیٹے ؎

گرگ اجل یکایک ازیں گلہ می برد وین گلہ را نگر کہ چہ آسودہ مے چرد

مولانا کا نعتیہ کلام

پروفیسر جلیل قدوائی

کراچی میں نومبر ۱۹۵۸ء میں اپنے مرحوم دوست منظر صدیقی کے اصرار پر "بزمِ سیماب" کی طرف سے منعقدہ جشنِ یوم میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعتیہ مشاعرہ میں میں نے خطبۂ صدارت پڑھا تھا۔ اس میں مولانا رضا کا ایک مطلع نقل کیا تھا ؎

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے　　اندھیری رات سُنی تھی، چراغ لے کے چلے

میں وہ خطبہ اور اس میں مولانا کے اس مطلع کی شمولیت بھول چکا تھا مگر چند دن ہوئے محمد مرید احمد چشتی صاحب نے اپنے ایک خط میں اخبار "جنگ" کے حوالے سے مجھے اس کی یاد دلائی اور مولانا کی شاعری پر مجھ سے کچھ لکھنے کا اصرار کیا۔ سچ یہ ہے کہ مولانا کا کلام اِدھر اُدھر سے میری نظر سے ضرور گزرا تھا مگر میں نے اسے بالاستیعاب نہیں پڑھا تھا اور اس مختصر سے مطالعہ کی بنیاد پر کوئی "مقالہ" لکھنا میرے بس کی بات نہ تھی مگر "مرید" نے مجھ "پیر" کو "اڑانے" کا تہیہ کر رکھا تھا بمصداق "پیراں نمی پرند، مریداں می پرانند" چنانچہ انہوں نے مجھے مضمون لکھنے کے لئے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی مطبوعہ و غیر مطبوعہ دونوں طرح کا مسالہ فراہم کر دیا۔ اور اب نہ مجھے صرف اپنی محرومی پر افسوس ہوا کہ مولانا کا کلام اس سے قبل مفصل کیوں نہیں پڑھا بلکہ مضمون نہ لکھنے کا بھی کوئی عذر باقی نہ رہا۔

اوپر میں نے مولانا کے جس مطلع کا ذکر کیا ہے ان کا کلام بالاستیعاب پڑھنے کے بعد ایسے بہتیرے نشتر آنکھوں میں کھبے اور دل میں پیوست ہوئے۔ ایک مقام پر نظر سے گزرا کہ مرزا داغ نے جب مولانا کا یہ مطلع سُنا ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں　　تیرے اے دن بہار پھرتے ہیں

تو بہت تعریف کی اور فرمایا "مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتے ہیں"۔ خیر، یہ مطلع تو جہاں استاد کے خاص مذاق کا تھا اور انھیں پسند آنا ہی تھا۔ لیکن اگر مولانا کی نعت میں غزل کی عام شان دیکھنا ہو، جو میں سمجھتا ہوں مولانا کے کلام کا امتیازی اور مخصوص وصف ہے، تو اس کی ان کے کلام میں کمی نہیں۔ میری طرح جہاں استاد نے بھی مولانا کا کلام بالاستیعاب نہیں دیکھا تھا ورنہ اس میں انہیں عشق و معرفت کے ساتھ بیان کی شستگی و روانی اور زبان کی شگفتگی و برجستگی کے بہت سے اور بھی قابلِ قدر نمونے ملتے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں نعت جیسی مشکل صنف میں جہاں فرطِ نیازمندی و جوشِ عقیدت نیز احترامِ رسالت و پابندیٔ شریعت کے پیشِ نظر جس کی بنا پر علامہ اقبال نے تنبیہ کی ہے ؏ باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

کلام کی شاعرانہ خوبیوں پر بہمہ وقت نظر رکھنا عموماً مشکل ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ہی میں نہیں، بلکہ اخلاق و موعظت کے مضامین میں بھی جو "الا ماشاء اللہ"

شاعرانہ اعتبار سے خشک اور بے جان سمجھے جاتے ہیں۔ مولانا نے ان اوصاف کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے ؎

اے شافعِ امم، شہِ ذی جاہ لے خبر — للہ لے خبر مری، للہ لے خبر
مجرم کو بارگاہِ عدالت میں لائے ہیں — تکتا ہے بیکسی میں تری راہ لے خبر
اہلِ عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے — مرا ہے کون تیرے سوا، آہ، لے خبر
مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے ضیا — تیرا ہی تو ہے بندۂ درگاہ، لے خبر

⁂

دیر سے پاس میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں — کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی — پھر دکھا دے وہ ادائے گلِ خنداں ہم کو
کاش آویزۂ قندیلِ مدینہ ہو وہ دل — جس کی شورش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو
خاک ہو جائیں در پاک پہ حسرت مٹ جائے — یا الٰہی! نہ پھرا بے سر و ساماں ہم کو
جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار — نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو
گر لبِ پاک سے اقرارِ شفاعت ہو جائے — یوں نہ بے چین رکھے جوششِ عصیاں ہم کو

نیرِ حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ، ملے سایۂ داماں ہم کو

چونکہ میں ایک ایک، دو دو متفرق اشعار پیش کر کے کسی شاعر کے اندازِ سخن اور اس کے کلام کے حسن و قبح پر کوئی دلیل قائم کرنا محکم طریق کار نہیں مانتا اگرچہ شاعر کے متفرق اچھے اشعار کو اُن کی ذاتی خوبیوں کے لحاظ سے داد و تحسین کا بالکل غیر مستحق بھی نہیں سمجھتا اس لئے میں نے مندرجہ بالا غزلیات کے متعدد بہ تعداد میں منتخب اشعار ناظرین کی نذر کئے ہیں اور یہ غزل جیسی مبتنہ بے ترتیب و غیر ہم آہنگ صنفِ سخن نیز خود مولانا کے کلام کا اعجاز نہیں تو کیا ہے کہ پھر بھی نہ صرف غزل کی روایتی شان قائم رہتی ہے بلکہ اس کا تسلسل نہیں ٹوٹتا اور ایک مخصوص فضا قائم رہتی ہے۔ کچھ اور اشعار دیکھئے یہ چھوٹی بحر کے ہیں اور نشتر کا حکم رکھتے ہیں

راہ پر خار ہے، کیا ہونا ہے — پاؤں افگار ہے، کیا ہونا ہے
تن کی اب کون خبر لے ہئے ہئے — دل کا آزار ہے، کیا ہونا ہے
جان ہلکان ہوئی جاتی ہے — بار سا بار ہے، کیا ہونا ہے
روشنی کی ہمیں عادت، اور گھر — تیرہ و تار ہے، کیا ہونا ہے
دور جانا ہے، رہا دن تھوڑا — راہ دشوار ہے، کیا ہونا ہے

اس سلسلے میں یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں ؎

کیوں نہ گلشن مری خوشبوئے دہن سے مہکے — باغِ عالم میں میں بلبل ہوں ثنا خواں کس کا؟
آفتِ جانِ عنادل ہے، ترا حسن اے گل — رنگ اڑایا ہے یہ اے جانِ گلستاں کس کا؟

شبِ اعمال سیہ، صبح کرم سے بدلی   نور افشاں ہوا یہ چہرۂ تاباں کس کا؟
یا نبیؐ! جس کی اماں چاہے رضائے خستہ   تیرے دامن کے سوا اور ہے داماں کس کا؟

اور یہ شعر تو بالکل اصغر گونڈوی کا معلوم ہوتا ہے۔ اُن کے دور سے پہلے کا شعر اور اندازِ بیان کی یہ طرفگی ؎

کسی وحشی کی خاک اڑ کر حرم میں آ گئی شاید   بگولوں سے ہے اٹھتا شور مستانہ سلاسل کا

اسی طرح مولانا کا حسبِ ذیل مقطع ؎

اُن کے آگے دعوئ ہستی رضاؔ   کیا بکے جاتا ہے یہ ہر بار ہم!

پر بھی انقیاد و طاعت سے بھرپور اصغر صاحب کا یہ مطلع یاد آتا ہے ؎

مرا وجود ہی خود انقیاد و طاعت ہے   کہ ریشہ ریشہ میں ساری ہے اک جبینِ سجود

یا اصغر صاحب ہی کا یہ مقطع ؎

اصغر حریمِ عشق میں ہستی ہی جرم ہے   رکھنا کبھی نہ پاؤں یہاں سر لئے ہوئے

تم تو چاند عرب کے ہو پیارے، تم تو عجم کے سورج ہو!   دیکھو مجھ بے کس پر شب نے کیسی آفت ڈالی ہے؟
دنیا کو تو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ   صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے؟

اس پر یاس یگانہ کا مشہور شعر یاد آتا ہے اگرچہ ان کا شعر محض عاشقانہ ہے اور مولانا کا معنوی وسعت میں اپنے اندر دنیائیں سمیٹے ہوئے ہے ؎

چتونوں سے کھلتا ہے کچھ سراغ باطن کا   چال سے تو ظالم کے سادگی برستی ہے!

مولانا کے اسی غزل کے کچھ اور اشعار ؎

شہد دکھائے، زہر پلائے، قاتل ڈائن شوہر کش   اس مردار پہ کیا للچایا، دنیا دیکھی بھالی ہے
وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا   ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے
مولا تیرے عفو و کرم ہوں میرے گواہ صفائی کے   ورنہ رضاؔ سے چور پہ تیری ڈگری تو اقبالی ہے

مولانا کی کئی غزلوں کو اُن کے مختلف اوصاف کی بنا پر لوگوں نے شاہکار کا درجہ دیا ہے خصوصاً ان کی خسرو کے رنگ کی غزل کو جو صنعتِ ملمع میں ہے اور جس کا بعض اہل رائے نے فیضی، قاآنی اور انشا کی غزلوں سے مقابلہ کیا ہے یعنی عربی، فارسی اردو اور ہندی کی جامع غزل اور اس شعر کی حامل ؎

البحر علا والموج طغیٰ من بیکس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا

لیکن میرے ناقص خیال میں اُن کے اس رنگ کے بعض اشعار میں کما حقہٗ ہمواری [illegible] ہے۔ میری منتخبہ مندرجہ بالا غزل نہ صرف اپنے منفرد اندازِ بیان بلکہ اعلیٰ معنویت و گیرائی کے لحاظ سے بھی مولانا کے سارے کلام پر بھاری ہے اور بفرضِ محال اُن کا پہلا شاہکار نہ ہو تو دوسرا ضرور ہے۔

خود مولانا کی اپنی شاعری کے بارے میں کیا رائے تھی یہ ایک دلچسپ سوال ہے اُن کے ایک غیر مطبوعہ قطعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے

کہ وہ اس سلسلے میں، ہرگز کسی توہم نہی میں مبتلا نہیں تھے۔ دراصل وہ ایک عالم متبحر اور فاضل اجل تھے۔ دانا و بینا، قرآن پاک کے مترجم و مفسر، دینی و فقہی امور میں استاد کامل جن کی بعض علمی اختلافات کے باوجود علامہ شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی اور علامہ اقبال جیسے بزرگوں نے تعریف کی مگر وہ ایک سرمست و سرشار عاشق رسول بھی تھے جگر کا مطلع یاد آیا ہے

مست و سرشار و غزل خواں می روم　　　از سرِ جاں سوئے جاناں می روم

اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے سات ان کے جوش عقیدت نے انھیں شاعر بنا دیا اسے انہوں نے اسے اپنے قطعہ میں یوں بیان کیا ہے

رہا نہ شوق کبھی مجھکو سیر دیواں سے　　　ہمیشہ صحبتِ ارباب شعر سے ہوں نفور
نہ اپنے کاموں سے تضییع وقت کی فرصت　　　نہ اپنی وضع کے قابل کہ اس میں ہوں مشہور

اس ضمن میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی نعتیہ غزل گوئی میں کہیں کہیں بالکل غیر متوقع طور پر اور یقیناً کسی اہتمام و التزام کے بغیر متعدد اساتذۂ سخن کے مخصوص رنگ کی جھلک نظر آجاتی ہے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ "حسبِ بیاں" میں آگے چل کر واضح کروں گا، موصوف شعر و شاعری کو اپنے لئے کچھ موجب فخر و مباحات یا ذریعۂ عزت خیال نہ کرتے تھے اسے بھی ان کا ایک قابل ذکر بلکہ وہی وصف شمار کرنا چاہیئے۔ ادیر کی ایک غزل "پرخار ہے، کیا ہونا ہے"، "افگار ہے کیا ہونا ہے" میں، ع　دُور جانا ہے، رہا دن تھوڑا

یا اس سے زیادہ اُن کے ایک مطلع ہے

کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم　　　دن ڈھلا، ہوتے نہیں ہشیار ہم

پر میر کا شعر یاد آتا ہے ہے

صبح گزری شام ہونے آئی میرؔ　　　تو نہ چیتا اور بہت دن کم رہا!

یا ان اشعار سے جو جدید شاعری کے زمرہ میں آتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی اور آرزو لکھنوی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سچ پوچھئے تو یہ اپنی معنویت کے اعتبار سے ان اساتذہ کے کلام سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہیں یعنی نعتیہ کلام کے ساتھ ساتھ محاسبۂ نفس! ہے

سُونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے　　　سونے والو جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے
بادل گرجے، بجلی تڑپے، دھک سے کلیجہ ہو جائے　　　بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے
ساتھی ہک کے پکاروں، ساتھی ہو تو جواب آئے　　　پھر جھنجھلا کر سر دے پٹکوں چل اے مولا والی ہے

⁂　⁂　⁂

رہی وبال سے اس کے مجھے سبک دوشی　　　کہ ویسے ہی ہے گراں سر پہ بار جرم و قصور
مگر جو ہاتف غیبی مجھے بتاتا ہے　　　زباں تک لیے لاتا ہوں میں بمدح حضور

لہٰذا مولانا کے کلام پر نظر ڈالتے ہوئے ان کے اس نقطۂ نظر کو ضرور سامنے رکھنا چاہیئے بلکہ ان محدودات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے قابل تحسین کلام پر اتھیں اور زیادہ داد دینی چاہیئے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ انہوں نے کبھی اپنی استادی کا دعویٰ نہیں

کیا بلکہ جو قدر و مقبولیت ان کے کلام کو حاصل رہی اسے وہ "ہاتف غیبی" کا فیض بتلاتے ہیں۔ جو ان کے عشق رسول میں جوشِ عقیدت کا نتیجہ ہے اور بس۔

مولانا کے کلام میں قرآنِ پاک اور احادیث کے بکثرت حوالے ملتے ہیں۔ اور محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال، اقوال صنائع بدائع، رعایات وغیرہ بھی بہت ہیں۔ بے شک خالص ادبی معیار سے اعلیٰ درجہ کی شاعری میں ان چیزوں کی گنجائش محدود ہے اور آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان وجوہ سے کہیں کہیں ان کے کلام میں ثقالت ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ مگر یہ عیب تو آپ کو ہر زبان کے بڑے سے بڑے شاعر کے ہاں بلکہ قدماء کے دور میں بھی ملے گا یکمل ہمواری ظاہر و باطن دونوں دنیاؤں میں مفقود بلکہ مصلحتِ تکوینی کے خلاف ہے مولانا کوئی پیشہ ور یا مشاعروں کے شاعر نہیں تھے۔ اور اس قسم کے شاعر بھی متذکرہ، کلیہ سے مستثنیٰ کب ہوئے یا ہوتے ہیں۔ عشق رسول میں مولانا کی سرمستی و سرشاری بلا اشتباہ ہمیں "نعرۂ منصوری" کا جواز بخشتی ہے۔ آصغر نے جب یہ کہا کہ ؎

دونوں عالم تیری نیرنگ ادائی کے نثار   اب کوئی چیز یہاں جیب محبت میں نہیں

تو انہوں نے عشق کی خاطر عشق کے سوا دنیا کی ہر چیز سے اپنی مکمل بے تعلقی، بے خبری، گم شدگی، بلکہ بے اعتنائی کا اظہار کیا اور یہ جو کہا کہ ع

جوششِ عشق میں ہر چیز اڑی جاتی ہے

تو اس امر کا اعلان کیا کہ جب طوفانی جذبۂ پرستش کے آگے ماسوا عشق کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ بلکہ عشق کے آگے ہر چیز ہیچ ہے یہ انہوں نے ایک عظیم حقیقت پیش کی اور میں کہوں گا کہ اگر عشقِ رسول کے سیلِ رواں بلکہ سیلابِ تند و تیز کے آگے مولانا کی شاعری میں فن کے بہتیرے لوازم و اصول خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے تو ہمیں اس پر ملال کیوں ہو؟ عشقِ رسول کا بازار تو گرم رہا۔ عقیدتِ رسول کے شغل و شغف کا کاروبار تو جاری رہا۔

قطعات رُباعیاتِ
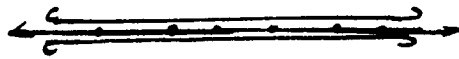
اعلیحضرت احمد رضا خان

اے عالم کن صلاح عبدالقادر   انعام کن فلاح عبدالقادر
من سر تا پا جناح گشتم فریاد   اے سر تا پا نجاح عبدالقادر

اے ظلِ الٰہ شیخ عبدالقادر   اے بندہ پناہ شیخ عبدالقادر
محتاج و گدائم و تو ذوالتاج و کریم   شیئاً للہ شیخ عبدالقادر

اعلحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ نے سرزمین ہند میں جب تجدید و احیاء دین کا کام شروع کیا تو انھیں بیک وقت کئی محاذوں پر برسر پیکار ہونا پڑا۔ ایک طرف فرنگی تہذیب اور اس کے دلدادہ تھے، دوسری طرف ہندو نواز نام نہاد مسلمان تھے تیسری طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے باکیاں کرنے والے تھے۔ دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم کا ٹولہ الگ تھا، آریہ سماج الگ تھے، مرزائی الگ گمراہی پھیلا رہے تھے غرضیکہ ضلالت وغوایت، کفر و شرک، الحاد و زندقہ کے گھرے بادل پورے برصغیر پر چھائے ہوئے تھے اور پوری گھن گرج سے برستے تھے، ایسے میں یہ مرد حق آگاہ نام خدا اور وسیلہ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سہارے طوفانوں کا رخ موڑنے اور باطل کے سیلابوں کا زور توڑنے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس میں احمد بن حنبل اور شیخ عبدالقادر الجیلانی کا سا زہد و تقویٰ تھا۔ ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کی سی ژرف نگاہی تھی، رازی و غزالی کا سا طرز استدلال تھا وہ مجدد الف ثانی اور منصور حلاج کا اعلائے کلمۃ الحق کا یارا رکھتا تھا، دشمنان اسلام کے لئے اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّار کی تفسیر اور عاشقان مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رُحَمَاءُ بَیْنَھُم کی تصویر تھا۔ اس کے پاس نہ تو کوئی بڑی درسگاہ تھی اور نہ کوئی مرکز عقیدت خانقاہ، نہ کوئی سرگرم عمل جماعت تھی نہ مددگاروں کا کوئی گروہ، اس کا ہتھیار انقلاب آفریں قلم، اس کی سپر آہنی ہمت و عزم اور اس کی جائے پناہ، دامن رحمت مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ آخر کار اس نیک نیت و پاک طینت مرد حق آگاہ نے اپنے مشن میں کامیابی اور کامرانی پائی۔ فوج و سپاہ والے پیچھے رہ گئے ان کی حجت باطل اور ان کا پردۂ فریب چاک ہو گیا۔ ان کی جمعیت پراگندہ اور ان کی غوغا آرائی غلغلۂ حق میں گم ہو گئی الحق یعلو ولا یُعلیٰ کے مصداق پورا برصغیر پاک و ہند مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمہ اللہ کی روشن کی ہوئی شمع سے روشن ہو گیا۔ اس وقت ذکر ان کے طرز استدلال اور طریقہ استنباط کا ہے تو سنئے، کسی نے سوال کیا تھا کہ خالد یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جو کام بھلا یا برا ہوتا ہے سب خدا کی تقدیر سے ہوتا ہے اور تدابیر کو کار دنیاوی و اخروی میں امر مستحسن اور بہتر جانتا ہے ولید خالد کو بوجہ مستحسن جاننے تدبیرات کے کافر کہتا ہے وغیرہ۔

اعلیٰ حضرت نے جو جواب ارشاد فرمایا۔ اس کا کچھ حصہ یہ ہے۔ بے شک خالد سچا اور اس کا عقیدہ اہل حق کا عقیدہ، فی الواقع

عالم میں جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ جل جلالہ کی تقدیر سے ہے۔ قال تعالیٰ کل صغیر وکبیر مستطر۔ وقال تعالیٰ
کل شیء احصینٰہ فی امام مبین۔ وقال تعالیٰ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین الیٰ غیر ذلک
من الایات والاحادیث، مگر تدبیر زنہار معطل نہیں۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ رب جل مجدہٗ نے اپنی حکمت بالغہ کے
مطابق اس میں مسببات کو اسباب سے ربط دیا۔ اور سنت الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبب پیدا ہو، جس طرح تقدیر کو بھول کر
تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے۔ یونہی تدبیر کو محض ومطرود وفضول ومردود بتانا کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے جس کی
اسے صدہا آیات واحادیث سے اعراض اور انبیاء وصحابہ وائمہ واولیاء سب پر طعن واعتراض لازم آتا ہے۔ حضرات مرسلین صلوات
اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین سے زیادہ کس کا توکل اور ان سے بڑھ کر تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان، پھر وہ ہمیشہ تدبیر فرماتے اور اس کی
راہیں بتاتے اور خود کسب حلال میں سعی کرکے رزق طیب کھاتے، داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے قال تعالیٰ وعلمنٰہ صنعۃ
لبوس لکم لتحصنکم من باسکم فھل انتم تشکرون۔ وقال تعالیٰ والنا لہ الحدید ان اعمل سٰبغٰت وقدر
فی السرد واعملوا صالحا انی بما تعملون بصیر۔ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس شعیب علیہ السلام کی بکریاں اجرت پر
چرائیں قال تعالیٰ انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علیٰ ان تاجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا
فمن عندک وما ارید ان اشق علیک ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰلحین ٥ قال ذالک
بینی وبینک ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علی واللہ علیٰ ما نقول وکیل فلما قضی موسی
الاجل وسار باھلہ الآیہ خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال
مضاربت لے کر شام کو تشریف فرما ہوئے حضرت عثمان غنی وحضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما بڑے نامی گرامی تاجر تھے
حضرت امام اعظم قدس سرہ الاکرم بزازی کرتے بلکہ دلیل منکر تدبیر خود کیا تدبیر سے خالی ہوگا ہم نے فرض کیا کہ وہ زراعت تجارت نوکری
اجرت کچھ نہ کرتا ہو آخر اپنے لئے کھانا پکاتا یا پکوا تا ہوگا۔ آٹا پیسنا گوندھنا پکانا یہ کیا تدبیر نہیں۔ یہ بھی جانے دیجئے اگر بغیر اس سوال
کے یا اشارہ وایماء کے خود بخود پکی پکائی اسے مل جاتی ہو۔ تاہم نوالہ بنانا مونہہ تک لانا چبانا نگلنا یہ بھی تدبیر کو معطل کرے تو اس سے
کبھی باز آئے کہ تقدیر الٰہی میں زندگی لکھی ہے۔ بے کھائے جئے گا یا قدرت الٰہی سے پیٹ بھر جائے گا یا خود بخود کھانا معدے میں چلا جائے گا
اور ان باتوں سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا مذہب اہل سنت میں نہ پانی پیاس بجھاتا ہے نہ کھانا بھوک کھوتا ہے بلکہ یہ سب اسباب عادیہ
ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے مسببات کو مربوط فرمایا اور اپنی عادت جاریہ کے مطابق ان کے بعد سیری اور سیرابی کو پیدا فرمایا ہے وہ نہ چاہے
تو اسے گھڑے دھڑیوں کھا جائے کچھ مفید نہ ہوگا۔ آخر مرض استسقاء وجوع البقر میں کیا ہوتا ہے وہی کھانا پانی جو پہلے سیر وسیراب
کرتا تھا۔ اب کیوں محض بے کار جاتا ہے اور اگر وہ چاہے تو بے کھائے پیئے بھوک و پیاس نہ آئے۔ جیسے زمانہ دجال میں اہل ایمان کی
پرورش فرمائیگا۔ اور ملائکہ کا بے آب وغذا زندگی بسر کرنا کسے نہیں معلوم مگر یہ انسان میں خرق عادت ہے جس پر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا
جہل وحماقت جہاں تک کہ اگر تقدیر بھروسہ کا جھوٹا نام کرکے خورد ونوش کا عہد کرے اور بھوک و پیاس سے مرجائے بے شک حرام موت
مرے اور اللہ تعالیٰ کا گنہ گار ٹھہرے مرگ بھی تو تقدیر سے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ
اپنے ہاتھوں سے اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔

گرچہ مردن مقدرست ولے … تو مرو در دہان اژدھا

ہم نے مانا کہ ولید اپنے دعوے پر ایسا مضبوط ہو کہ یک لخت ترک اسباب کر کے پیمان واثق کرے کہ اصلا دست و پا نہ ہلائے گا۔ اشارۃً وکنایۃً کسی تدبیر کے پاس نہ جائے گا۔ خدا کے حکم سے پیٹ بھرے تو بہتر ورنہ قبول تاہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا۔ یہ کیا تدبیر نہیں کہ دعا خود موثر حقیقی کب ہے صرف مرنے کا ایک سبب ہے اور تدبیر کا ہے کا نام یہی ہے۔

حدائقِ بخشش

بل سے اتار دو راہ گذر کو خبر نہ ہو ! — جبرئیل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا ! — یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں ! — ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

کہتی تھی یہ براق سے اسکی سبک روی — یوں جائیے کہ گردِ سفر کو خبر نہ ہو

فرماتے ہیں یہ دونوں ہیں سردارِ دو جہاں — اے مرتضیٰ عتیق و عمر کو خبر نہ ہو

ایسا گمادے ان کی ولا میں خدا ہمیں — ڈھونڈا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

آ دل حرم کو روکنے والوں سے چھپکے آج — یوں اُٹھ چلیں کہ پہلو و بر کو خبر نہ ہو

طیرِ حرم ہیں یہ کہیں رشتہ بپا نہ ہوں — یوں دیکھئے کہ تارِ نظر کو خبر نہ ہو

اے خارِ طیبہ دیکھ کے دامن نہ بھیگ جائے — یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اے شوق دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں ! — اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

ان کے سوا رضاؔ کوئی حامی نہیں رہا
گزرا کرے پسر پہ پدر کو خبر نہ ہو

امام احمد رضا ایک عظیم مسلمان سائنسداں

سید محمد ریاست علی قادری بریلوی

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد دین و ملت الشاہ محمد احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ ایسے دور میں پیدا ہوئے جبکہ ہر چہار جانب سائنسی علوم کا چرچا تھا اور مادہ پرستوں نے دنیا میں ہلچل مچادی تھی۔ سائنس کی ترقی نے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ مختلف النوع نئے مسائل اس طرح سامنے آگئے کہ پوری تاریخ عالم میں مسائل جدیدہ کی اتنی طویل فہرست نہیں نظر آتی جو انیسویں اور بیسویں صدی کے درمیان ظاہر ہوئی۔ جدید سائنسی ایجادات نیز یورپی Industrial revolation کی وجہ سے دنیا میں آنے والی مصنوعات نے زندگی کے ہر طبقہ پر اپنا اثر ڈالا۔ اور کم و بیش ہر فرد پر ان ایجادات کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا۔ مغربی ملکوں میں سائنسی ایجادات سے لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے مذہب سے کھلی بغاوت کر کے اس کو کلیسا کی زینت بنا کر اس سے خلاصی حاصل کر لی۔ یورپ میں مذہب صرف کلیساؤں تک محدود ہو گیا۔ مغربی فلسفیوں اور سائنسدانوں نے عوام الناس کو یہ غلط تاثر دیا کہ مذہب انسانی زندگی کی راہ میں سب سے بڑا پتھر ہے اور یہ کہ مذہب پر چلتے ہوئے انسان دین و دنیا دونوں میں کبھی سرخرو نہیں ہو سکتا ہے۔ سائنس نے جوں جوں ترقی کی لوگ مذہب سے دل برداشتہ ہوتے گئے لیکن آج جب سائنس اپنے بام عروج پر ہے وہی لوگ جو مذہب کو اپنی زندگیوں سے خارج کر چکے تھے پھر اس طرف راغب ہو رہے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان کی زندگیوں میں ایک وسیع خلا ہے مغرب کے ان باطل خیالات کا رخ جب مشرق کی طرف ہوا تو یہاں کے ان مفکر اکابر علماء نے جو کسی نہ کسی طرح سے مایوسی اور احساس کمزوری کا شکار تھے ان خیالات کو گلے لگایا اور مسلمانوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مذہب کو چھوڑ کر ہی ترقی کی جا سکتی ہے۔ یہ اکابر و زعماء مغربی طرز فکر و عمل سے اتنے زیادہ مرعوب ہوئے کہ انہوں نے مغربی افکار کا اتنا زیادہ پرچار کیا کہ اکثر لوگ مذہب سے جی چرانے لگے۔ یہ دور ہندوستان کا بہت ہی پر آشوب دور تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی مرد مومن ان مصنوعات اور ان کے انسانی زندگی پر اثرات کے متعلق اسلامی نکتہ نگاہ سے مسلمانوں کے ملی و دینی شعور کو جھنجھوڑتے اور ان کو صحیح راہ دکھلائے۔ یہ کام وہی کر سکتا تھا جس کو علوم نقلیہ و عقلیہ دونوں پر یکساں عبور ہو۔ اس دور میں جب امام احمد رضا قدس سرہٗ ہر محاذ پر دشمنوں سے نبرد آزما تھے اور ہزاروں مسائل جن کا تعلق عبادات سے لے کر معاملات و قضاء تک پھیلا ہوا تھا مسلمانوں کے لئے حل طلب تھے امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ان مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے ایک عظیم تجدیدی کارنامہ سر انجام دیا کہ قیامت تک پیدا ہونے والے بے شمار اور مستقبل میں ہونے والی ایک سے ایک اعلیٰ ایجادات اور انسانی زندگی پر ان کے اثرات سے پیدا ہونے والی صورت کے احکام و علل کی دریافت کے ایسے رہبر و رہنما اصول وضع فرما دیئے کہ آئندہ مسائل جدیدہ کی وجہ سے فقہاء اور مفتیان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ ہمیشہ کے لئے حل ہو گئیں

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی علمیت کا ہر گوشہ اور ان کی شخصیت کا ہر پہلو ایک مستقل علم و فن کا منبع تھا۔ وہ بہترین صلاحیتوں کے مالک تھے۔ صدیوں میں ایسا شخص پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے نازک دور میں امام احمد رضا قدس سرہٗ سے وہ عظیم کام لیا کہ اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ کا مسلمانانِ پاک و ہند پر خصوصاً اور عالم اسلام پر عموماً بہت بڑا احسان ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ علم و فن بھی جانتے تھے اور ان کی باریکیوں پر بھی ان کی نگاہ تھی۔ ان کی ذات میں کتنے ہی علم و عالم گم تھے وہ صحیح معنوں میں ایک عالمِ دین تھے جن کی دسترس سے علم کا شاید ہی کوئی شعبہ ایسا ہو جس پر انھیں عبور حاصل نہ ہو صرف یہی نہیں کہ آپ بے شمار علوم و فنون پر مہارت رکھتے تھے یا ان سے آشنا تھے بلکہ ہر فن اور ہر علم میں آپ نے کوئی نہ کوئی تصنیف یادگار چھوڑی ہے۔ آپ نے کم و بیش ایک ہزار تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں جن میں فتاویٰ رضویہ بارہ ہزار صفحات پر مشتمل آپ کی جودتِ طبع اور تبحرِ علمی کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ یہ ایک ایسا انمول خزانہ ہے جس کی نظیر نہیں۔ علم و فن کی کوئی صنف ایسی نہیں جس کی جھلک اس عجوبۂ روزگار تصنیف میں موجود نہ ہو۔ ان فتاویٰ کو پڑھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ ان تمام علوم و فنون پر کس طرح مہارت رکھتے تھے جو ایک فقیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے پاس دنیا بھر سے ہزاروں سوالات آتے تھے جن کا جواب آپ پوری دیانت داری و تحقیق سے اس طرح سے دیا کرتے تھے کہ سوال کرنے والا ان جوابات سے پوری طرح مطمئن ہو جاتا۔ آپ کے جواب دینے کا انداز اتنا انوکھا اور فطری ہوتا کہ سوال کرنے والے کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ آپ کے جواب پر اپنا سرِ تسلیم خم کر دے۔ سوال کرنے والا اگر عالم ہے تو اس کو عالمانہ جواب دیا جاتا اور اگر سوال کرنے والا محقق ہے تو اس کا جواب بھی محققانہ طرز پر دیتے تھے کسی ماہر نے سوال کیا ہے تو اس کا جواب بھی ماہرانہ طرز پر ہوتا۔ سوالات سائنسی علوم پر ہوتے تو جواب بھی سائنسی علوم کی روشنی میں دیا جاتا۔ کمالِ فن یہ ہے کہ سوال جس زبان میں آتا تو اس کا جواب بھی اسی زبان میں دیا جاتا۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ کو اصنافِ علم میں ہر صنف پر کامل عبور تھا اور سائنسی علوم و فنون پر تو وہ اس قدر حاوی تھے کہ ریاضی کے بیشتر شاخوں کی مدد سے بڑے سے بڑا مسئلہ حل فرمایا کرتے تھے اور اپنے نقطۂ نظر یا جواب کی وضاحت میں صفحات کے صفحات پیش کر دیتے تھے یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو ریاضی اور جدید علوم پر پورا پورا عبور و مہارت حاصل ہو۔ آپ کے جواب دینے کا انداز منفرد دیکھتا ہوتا تھا۔ جواب دیتے وقت آپ نہ صرف اپنے دلائل پر ہی اکتفا فرماتے بلکہ مخالفین کے دلائل پر بھی بخوبی مطلع ہوتے اور ان کے ممکنہ اعتراضات کے شافی جواب شامل کر لیتے تھے۔ حق یہ ہے کہ جب تک جواب دینے والا مخالف کے دلائل پر عبور نہ رکھتا ہو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کوئی حتمی فیصلہ کر سکے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ میں ایک عظیم فقیہ کی خصوصیات اجتماعی طور پر نظر آتی ہیں۔ آپ بچپن ہی سے نیک سیرت، صائب الرائے شخصیت کے حامل تھے۔ علم کے کسی میدان میں آپ کی جولانیٔ قلم میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں آپ کی شان و رفعت یکساں نظر آتی ہے اور اس شانِ رفعت میں آپ کی انفرادیت اس درجہ عظیم دکھائی دیتی ہے کہ آپ کے ہم عصروں میں تو کیا بلکہ کئی صدی قبل بھی آپ کی نظیر نہیں ملتی۔

فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں ہزارہا سوالات کے جوابات درج ہیں میرے لئے، یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے چند جوابات ہی جو علوم عقلیہ پر محیط ہیں اس مختصر مضمون میں پیش کر سکوں البتہ قارئین کرام کی دلچسپی کی خاطر چند ایسے جوابات ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کو پڑھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ علوم جدیدہ میں کس درجہ مہارت رکھتے تھے فتاویٰ رضویہ جلد دہم باب الاوقات میں علم ریاضی کی مدد سے امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جو جوابات پیش کیے ہیں۔ وہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

اعلیٰحضرت کے فتاویٰ کے چند نمونے

س :- بحضور اعلیٰحضرت عظیم البرکت قبلہ و کعبہ دام ظلہم الاقدس ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ خاکسار حضور والا کے قواعد فرمودہ کے مطابق برابر وقت نکالا کرتا تھا مگر اس دفعہ جب مدراس گیا وہاں مولوی عبداللہ صاحب احقر سے ملاقات ہوئی وہ برابر وقت مدراس شائع کیا کرتے ہیں چنانچہ ایک تختہ جس پر سال تمام شمسی کے اوقات انہوں نے استخراج کر کے شائع کیا ہے مجھے دیا اور کہا کہ یہ پرچہ میں نے بریلی بھی روانہ کیا ہے تاکہ وہ حضرت میری غلطی پر مجھے متنبہ فرمائیں ۔ اس کی طرف توجہ فرمایئے جناب کو بھی میں اسی غرض سے دیتا ہوں چنانچہ وہ پرچہ لیتا ہوا میں یہاں آیا ۲۲ جون ۱۹۱۷ء سے میں نے جانچ شروع کیا وقت غروب میرے قاعدہ کے مطابق ۱۸ بج کر ۲۷ منٹ ۲۵ سکنڈ اور طلوع ۵ بجکر ۴۴ منٹ ۱۹ سکنڈ ہوا اور اس نقشہ پر غروب ۶ بجکر ۴۲ اور طلوع ۵ بج کر ۴۸ منٹ لکھا ہے غرض ۳-۴ منٹ کا فرق ہے عشاء کا وقت نقشہ میں ۷ بجکر ۶۵ منٹ لکھا ہے میں پریشان ہوا کہ آخر فن کا جاننے والا اس قدر غلطی کیا کرے گا لاجرم میں نے اپنے ہی مستخرج وقت کو غلط سمجھ کر اس غلطی کی جستجو میں ہوا تو سوا اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں بوجہ موافق الجہۃ ہونے کے عرض بلد اور میل سے تفریق کر کے حاصل فرق کو جمع کر کے عمل کیا ہے اور جگہ کے لئے میل کو عرض بلد سے کم کر کے حاصل فرق الح الوم میں سے عمل کرنا ہوتا ہے اور یہاں عرض بلد بہت کم ہونے کی وجہ سے میل کو عرض بلد سے کم کیا گیا ہے اس کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ وقت تو اخیر پنجاب قریب کشمیر کا ہونا چاہیئے ۔ جہاں کا عرض لج مطع ہو کر الح الوخ کو تفریق کر کے ی الف م بچتا ہے اب پریشانی ہے کہ یہاں عمل کس طرح ہوگا اگرچہ قاعدہ کے یہ لفظ (اگر موافق الجہۃ ہو تفاضل لیں) اس کو بھی عام ہے اس لئے اس کا قاعدہ ارشاد ہو کہ جب عرض میل سے کم ہوگا تو کیا کیا جائے گا ۔

ج :- ولدی الاعز جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین المتین آمین ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مولوی عبداللہ صاحب کا کوئی تختہ اوقات مدراس یہاں نہ آیا صرف ایک چھوٹے رسالہ تحفۃ المصلی کے کہ سمت قبلہ میں ہے دو نسخے ایک بلندے میں آئے تھے ۔ وقت کا قاعدہ یقینا یہی ہے کہ جب عرض و میل متفق الجہۃ ہوں تفاضل لیا جائے گا یعنی ان میں جو اصغر ہو اکبر سے تفریق کیا جائے گا عرض ہو خواہ میل تو مدراس جس کا عرض لج ، ہے اس میں راس السرطان کا بعد اقل جس کا میل کلی الح الر ہے ی الح ہوا ۔ نیز وہ شہر جس کا عرض شمالی لج لح ہو اس میں بھی راس السرطان کا بعد اقل وہی ی الح ہوگا غایت یہ کہ مدراس میں یہ بعد سمت الراس سے شمالی ہوگا اور اس شہر میں جنوبی دونوں نصف اور ان کی جیبیں اور قاطع میل سب بدستور رہیں گے اور فرق وقت بوجہ قاطع عرض ہوگا مثلاً صبح و عشاء ہے راس السرطان پہ مدراس کا حساب بھیجتا ہوں یہاں مجموعہ ارلبعہ ۸۶ ۷ ۹۲ ۸۵ ۹ ہوا اور وقت عشاء ۴ ۶ ۴ تے آیا اور اس شہر میں مجموعہ ۴۱۹ ۴ ۹۲۸ ۹ ہوا اور وقت عشاء ۸۵۶۲۱ ثت ایک گھنٹہ دس منٹ سے زیادہ فرق ہو گیا طلوع و غروب کہ آپ نے نکالے یہی صحیح ہیں جن کی صحت اس پرچہ مواہر مرسلہ سے ظاہر یہ حقیقی وقت ہیں اور راس السرطان کی تعدیل الایام مزید ۴ ۳ ۴ ۲ اور وسط ہند سے فضل غربی مدراس ۹ تو مجموعہ ۴ ۳ ۴ ۱۰۲ بڑھانے سے مدراس کا وقت ریلوے حاصل ہوگا غروب ۲ ۴ ۶۵ ۶۲ طلوع ۹ ۷ ۵ ۳۳ ۵ یہ وقت غروب وہی ہے جو آپ نے نکالا تین سکنڈ + ۴ ۳۴ ۱۰۳ + ۴ ۳۴ ۱۰۳ کا تفاوت ان فرقوں سے ہوا کہ آپ نے میل الح الوخ لیا جو ۲۲ جون سنہ

۵ ۴۳ ۴۰ ۱۱۲ ۶۲۷۲۸ ۵۵

حال کو گر ینچ کے نصف النہار کا تھا اور میں نے الحج الرجو باسقاطِ خفیف ثوانی میں کلی ہے پھر آپ نے بُعد سمتی افق مطلق حسب دستور بالا کہ میرے یہاں معمول تھا صد لب نالیا ہوگا اور اب میں حد لامد رکھتا ہوں البتہ طلوع میں ۳۹ سکنڈ کا تفاوت آنا اس پر دال ہے آپ نے تعدیل الایام ۲ ۵ الی جو ۲۳ جون کی تعدیل مرصدی ہے اور ۹ منٹ فصل طول ملکر ۲ ۵ ۰ ۱ دونوں وقت حقیقی غروب و طلوع پر زائد کئے یہ کہ آپ کے یہاں معدل تعدیل ریلوے وقت غروب ۲۵ ۷ ۳ ۶ اور طلوع ۱۹ ۴ ۴ ۵

اس کا تمام ۳۵ ۲۲ ۵ ۔ تمام غروب = ۵۲۲۳۵

۴۴ ۲۱

نصفہ ۱۰۵۲

وہی منٹ سکنڈ آگئے جو تعدیل مرصدی ۲۳ جون کو تھے

اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے یہاں وقت حقیقی غروب ۳۳ ۲۶ ۶ آیا اور طلوع ۲۷ ۳۳ ۵ تو آپ کے اور یہاں کے محسوب میں ۱۲ سکنڈ کا تفاوت ہے ۔ خیر ایسا اکثر نہیں ۔ مدراسی صاحب کا حساب یقیناً وجہ صحت نہیں رکھتا کہ غروب ساڑھے تین منٹ کم ہے اور طلوع سوا چار منٹ زیادہ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے طلوع و غروب نکالنے کا قاعدہ ہی استعمال نہ کیا بلکہ معمول عوام بے علم کی طرح طلوع بعد غروب نجومی حقیقی مرکزی لے کر ان میں تعدیل ریلوے ملادی ظل میل راس السرطان

۹٫۶۳۷۲۶۴۶

۹٫۳۶۵۶۶۴۱

۹٫۰۰۲۹۲۸۷

اس جیب کی قوس تقریباً ۵۷ مہ ہے جس کا وقت + ظل عرض مدراس

الح ح = غروب نجومی ق الح ح	اور وقائق
طلوع نجومی ہ لونب	تعدیل بھی

انہوں نے لو ظاہر وہی تی نب لئے ہیں ∴ والح ح ہ لونب یہ ان کا + منشا غلط ہے ۔ رہا وقت عشا

+ ی نب + ی نب

= ولدہا = مرمد

غروب ۴ ۳۲ ۶ طلوع ۴۸ ۵

وہ انہوں نے صحیح دیا ہے پر جیسے حساب ملاحظہ ہو

وقت حقیقی ۴۴ ۶ ۴ یہ وقت ہوا

+ تعدیل ریلوے ۱۰۳۴ سکنڈوں میں فرق ہے بس

۳۸ ۵۶ ۷

مؤامرات

مدراس ف مد طول لح عرض

صرف نصف اول

۹٫۹۳۳۸۹۷۶

۳۰۷ ملحہ

۹٫۹۳۳۹۲۵۲

الح الر = ۲۷ — ۲۳

- عرض ۴ — ۱۳ ۰

بعد اقل ۲۳ — ۱۰

س :- عصر کا وقت مستحب وقت مکروہ کیا ہے ؟

ج :- نماز عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیئے نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہو جائے باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا۔ لانھا تعصر یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ حاکم و دارقطنی نے زیاد بن عبداللہ نخعی سے روایت کی ہم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ جامع مسجد میں بیٹھے تھے مؤذن نے آکر عرض کی یا امیر المومنین نماز، امیر المومنین نے فرمایا ھذا الکلب یہ کتا ہمیں سنت سکھاتا ہے پھر اٹھ کر ہمیں نماز عصر پڑھائی جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں مسجد میں پہلے بیٹھے تھے فجثونا الرکب لنزول الشمس للمغرب نتراءاھا ہم زانوؤں پر کھڑے ہو کر سورج دیکھنے لگے کہ وہ غروب کیلئے نیچے اتر گیا تھا۔ یعنی دیواریں اس زمانے میں نیچی نیچی ہوتیں۔ آفتاب ڈھلک گیا تھا۔ بیٹھے سے نظر نہ آیا دیوار کے نیچے اتر چکا تھا گھٹنوں پہ کھڑے ہونے سے نظر آیا مگر ہرگز ہرگز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص متغیر ہو جائے اس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے۔ یعنی جبکہ غبار کثیر یا ابر رقیق وغیرہ حائل نہ ہو کہ ایسے حائل کے سبب تو ٹھیک دوپہر کے آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ صاف شفاف مطلع میں اس قدرتی دائمی حیلولت کرۂ بخار کے سبب کہ افق کے قرب میں نگاہ کو اس کا کثیر حصہ طے کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے طلوع و غروب کے قرب آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے جب اس سے اونچا ہوتا اور کرۂ بخار کا قلیل حصہ حائل رہ جاتا ہے شعاعیں زیادہ ظاہر ہوتیں اور نگاہ جمنے سے مانع آتی ہیں اور یہ حالت شرق، مغرب دونوں میں یکساں ہے جس کا حال اس شکل سے عیاں ہے۔ اب کرۂ زمین ہے ا موضع ناظر یعنی سطح زمین کی وہ جگہ جہاں دیکھنے والا شخص کھڑا ہے ج۔ زمین کے سب طرف کرۂ بخار ہے جسے عالم نسیم و عالم لیل و نہار بھی کہتے ہیں اور یہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل یا قول اول پر ۵۲ میل اونچا ہے اس کی ہوا اوپر کی ہوا سے کثیف تر ہے تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصہ حائل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئے گا اور نگاہ زیادہ ٹھہرے گی ہ مرکز شمس ہے ا ہ ہر طرف وہ خط ہے جو نگاہ ناظر سے شمس پر گزرتا ہے پہلے نمبر پر آفتاب افق شرقی سے طلوع میں ہے اور دوسرے تیسرے نمبر پر چڑھتا ہوا چوتھے نمبر پر ٹھیک نصف النہار پر نظر آیا ہے پانچویں چھٹے نمبر پر ڈھلکتا ہوا ساتویں نمبر پر افق مغربی پر غروب کے پاس پہنچا۔ ظاہر ہے کہ جب آفتاب پہلے نمبر پر ہے تو خط ا ہ کا حصہ ا ر کرۂ بخار میں گزرا اور دوسرے پر ا ح تیسرے پر ا ط چوتھے پر ا ح اور اقلیدس سے ثابت ہے کہ ان میں ا ر
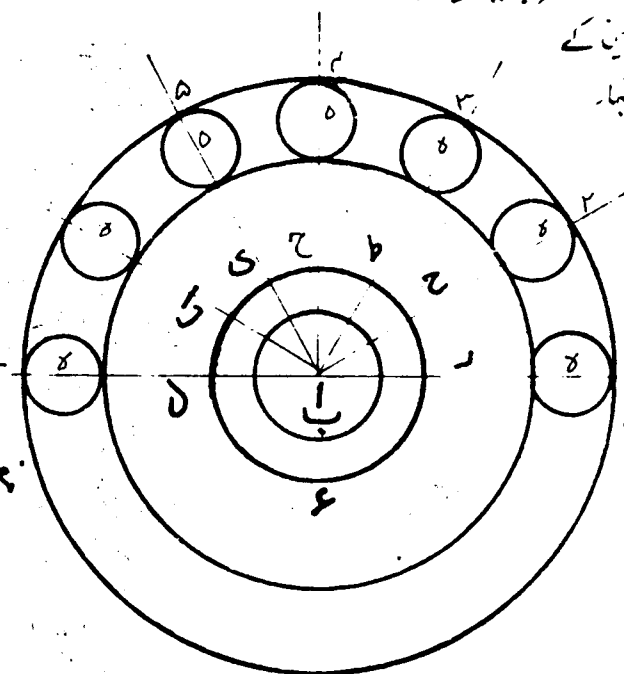
سب سے بڑا ہے اور آفتاب جتنا اونچا ہوتا جاتا ہے ا ح ا ط وغیرہ چھوٹے ہوتے جاتے ہیں کہ یہاں تک کہ نصف النہار پر خط ا ح سب سے چھوٹا رہ جاتا ہے۔ ہم نے اپنے محاسبات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ خط ا ح یعنی دوپہر کے وقت کا خط اگر ۵۴ ہی میل ہے جب بھی خط ا ر یعنی وقت طلوع کا خط بانسو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے پھر جب آفتاب ڈھلکتا ہے وہ خطوط اسی نسبت پر بڑے ہوتے جاتے ہیں ای برابر ا ط کے پڑتا ہے اور ا ك برابر ا ح کے اور ال برابر ا ر کے ہے یہاں سے واضح ہوگیا کہ یہ قدرتی دائمی سبب ہے جس کے باعث آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے اپنی انتہائی تیزی پر ہوتا ہے اور اس سے پہلے اور بعد دونوں پہلوؤں پر جتنا افق سے قریب تر ہوتا ہے اس کی شعاع دھیمی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ شرق وغرب میں ایک حد کے قرب پر اصلا نگاہ کو خیرہ نہیں کرتی مشرق میں جب تک اس حد سے آفتاب نکل کر اونچا نہ ہو جائے اس وقت تک نماز منع اور وقت کراہت کا ہے اور مغرب میں جب آفتاب اس حد کے اندر آجائے اس وقت سے غروب آفتاب تک نماز منع اور وقت کراہت کا ہے۔ تو اس بیان سے سبب بھی ظاہر ہوگیا اور یہ بھی کھل گیا کہ مشرق و مغرب دونوں جانب میں یہ وقت برابر ہے نہ یہ کہ مشرق کی طرف تو یہ وقت پندرہ بیس منٹ لے ہے جو تقریباً ایک نیزہ بلندی کی مقدار ہے اور مغرب میں ڈیڑھ دو گھنٹہ ہو جائے جو اس سے کئی نیزے زائد ہے تجربہ سے یہ وقت تقریباً بیس منٹ ثابت ہوا ہے تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے اس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقت کراہت آجائے گا اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہو جائے گی۔ ہاں یہ جو بعض کا خیال ہے کہ آفتاب متغیر ہونے سے مراد دھوپ کا میلا ہونا ہے یہ ہرگز صحیح نہیں جاڑے کے موسم میں تو آفتاب ڈھلکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کہ ابھی سایہ ایک مثل بھی نہیں پہنچتا اور بالاجماع وقت ظہر باقی ہوتا ہے یقیناً آفتاب بہت متغیر ہو جاتا ہے اور بیّن طور پر دھوپ میں زردی پیدا ہو جاتی ہے تو چاہیئے کہ عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی وقت کراہت آجائے اور نمازیں کراہت مل ہی نہ سکے اور یہ صریح باطل و محال ہے ابوالسعود علی الکنز اور طحطاوی علی الدر میں ہے۔ المراد ان یذهب الضوء فلا یحصل المبصر به حیرة ولا عبرة لتغیر الضوء لان تغیر الضوء یحصل بعد الزوال یعنی تغیر آفتاب سے مراد یہ ہے کہ اس کی روشنی جاتی رہے تو نگاہ کو اس سے خیرگی حاصل نہ ہو اور دھوپ کا تغیر کچھ معتبر نہیں کہ یہ تو زوال کے بعد ہو جاتا ہے بالجملہ سخن تحقیق وہ ہے جو ائمہ نے کتاب الاسرار و بحر الرائق وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ جس نماز میں تاخیر مستحب ہے جیسے فجر و عصر وغیرہما وہاں تاخیر کے یہ معنی ہیں کہ وقت کے دو حصے کریں۔ نصف اول چھوڑ کر نصف آخر میں پڑھیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں وقت سے مراد وقت مستحب ہے کہ مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں جب یہ قاعدہ معلوم ہو لیا اب تعین وقت کے لئے مثل ثانی کے وقت کا تخمینہ لکھیں جس سے ظہر و عصر کا اندازہ ہو سکے وہ یہ کہ ۲۱ مارچ تحویل حمل اور ۲۳۔۲۴ ستمبر تحویل میزان میں ختم مثل ثانی یعنی شروع وقت عصر حنفی سے آفتاب کے غروب شرعی تک ان بلاد میں ایک گھنٹہ ۴۱ منٹ باقی ہوتے ہیں اور ۲۰۔۲۱ اپریل تحویل ثور اور ۲۳۔۲۴ اگست تحویل سنبلہ کو ایک گھنٹہ ۵۰ منٹ رہتے ہیں اور ۲۱، ۲۲ مئی تحویل جوزا اور ۲۳، جولائی تحویل اسد کو دو گھنٹہ ایک منٹ اور ۲۳ جون تحویل سرطان کو دو گھنٹے چھ منٹ اور یہ سال میں سب سے بڑا وقت عصر ہے کہ اس سے زیادہ ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا اور ۲۴ اکتوبر تحویل عقرب اور ۱۹ فروری تحویل حوت کو ایک گھنٹہ ۳۶ منٹ اور ۲۲، ۲۳ نومبر تحویل قوس سے ۲۲ دسمبر تحویل جدی اور پھر ۲۰۔۲۱ جنوری تحویل دلو تک دو مہینے برابر بلکہ اس سے بھی کچھ زائد ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ باقی ہوتا ہے اور یہ سال میں سب سے چھوٹا وقت عصر ہے کہ ان سے کم ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا۔ اسی حساب سے جس دن جتنا وقت عصر ہو اس کے آخر سے ۲۰ منٹ وقت مکروہ کے نکال کر باقی کے دو حصے کریں حصہ اول چھوڑ کر حصہ دوم سے وقت مستحب ہے اور حصہ اول میں بھی

اصلاً کراہت نہیں ہاں اتنی تعجیل کہ دو مثل پورے ہونے میں شک ہو ضرور سخت خلاف احتیاط ہے اُس سے بچنا چاہیئے کہ اگر وہم و خدشہ ہے تو کراہت ہے اور اگر واقعی شک ہے تو امام کے طور پر ہو گی ہی نہیں یوہیں اتنی تاخیر نہ چاہیئے کہ وقت کراہت آنے کا اندیشہ ہو جائے اور اس سے پہلے پہلے اصلاً کسی قسم کی کراہت کا نام ونشان نہیں نہ وہ اللہ رسول کے نزدیک کاہل ہے۔ یہ محض غلط و باطل ہے جب شرعِ مطہر اس وقت کو مستحب فرما رہی ہے تو کیا وقت مستحب میں ادا کرنا مکروہ اور فاعل کاہلی کے ساتھ منسوب ہو سکتا ہے۔ یہ نری نادانی ہے پھر اگر اس نے احتیاط کی اور نماز میں تطویل کی کہ وقت کراہت وسط نماز میں آ گیا جب بھی اس پر اعتراض نہیں نہ کہ وقت کراہت آنے سے پہلے ختم کر دے اور اعتراض ہو۔ درمختار میں ہے لو شرع فیہ قبل التغیر فمدہ الیہ لایکرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

س :۔ (۱) فرض وسنت ہر دو کا اولیٰ وقت کیا ہے (۲) امسال وقت صلاۃ عید الفطر انتہا درجہ کب تک تھا جس کے بعد ساڑھے گیارہ بجے نماز پڑھی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

ج :۔ (۱) سنت قبلیہ میں اولیٰ اول وقت ہے بشرطیکہ فرض وسنت کے درمیان کلام یا کوئی فعل منافی نماز نہ کرے اور سنت بعدیہ میں مستحب فرضوں سے اتصال ہے مگر یہ کہ مکان پر آ کر پڑھے تو فصل میں حرج نہیں لیکن اجنبی افعال سے فصل نہ چاہیئے۔ یہ فصل سنت قبلیہ وبعدیہ دونوں کے ثواب کو ساقط اور انہیں طریقۂ مسنونہ سے خارج کرتا ہے اور فرض فجر وعصر وعشا میں مطلقاً اور ظہر میں موسم گرما تاخیر مستحب ہے اور مغرب میں تعجیل تاخیر کے یہ معنی کہ وقت مکروہ کے ۲ حصے کر کے پہلا نصف چھوڑ دیں دوسرے نصف میں نماز پڑھیں کما نص علیہ فی البحر الرائق وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم (۲) مذہب اصح پر اس کی نماز نہ ہوئی وقت اس کے قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔ مگر ایسی جگہ علما آسانی پر نظر فرماتے ہیں ہمارے علما کا دوسرا قول یہ ہے کہ وقت عید زوال تک ہے۔ اس تقدیر پر جس نے بارہ بجکر چھ منٹ تک بھی سلام پھیر دیا اس کی نماز ہو گئی کہ اس دن بارہ بجکر ساڑھے چھ منٹ پر زوال ہوا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

س :۔ نماز مغرب کا وقت افق شرقی کی جڑ سے سیاہی نمودار ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے یا جب سیاہی بلند ہو جاتی ہے اس وقت آفتاب ڈوبتا ہے بر تقدیر ثانی وہ بلندی کتنے گز ہوتی ہے اور آبادیوں میں سیاہی شرق سے نظر آنے پر نماز کا وقت سمجھا جائے گا یا نہیں۔

ج :۔ اقول وباللہ التوفیق افق شرقی سے سیاہی قرص شمسی کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہوتا ہے سیاہی کئی گز بلند ہو جاتی ہے اس وقت آفتاب ڈوبتا ہے جس طرح قرص شمسی کے شرعی طلوع سے سیاہی غربی کا غروب بہت بعد ہوتا ہے آفتاب مرتفع ہو جاتا ہے اس وقت تک سواد مرئی رہتا ہے اس پر عیان و بیان و برہان سب شاہد عادل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لیس الخبر کالمعاینۃ جسے بے شک ہو طلوع و غروب کے وقت جنگل میں جا کر جہاں سے دونوں جانب افق صاف نظر آئیں مشاہدہ کرے جو کچھ مذکور ہوا آنکھوں سے مشاہدہ ہو جائیگا۔ الحمد للہ عجائب قرآن منتہی نہیں کما فی حدیث الترمذی عن امیر المومنین علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتنقضی عجائبہ ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیۂ کریمہ تولج اللیل فی النہار وتولج النہار فی اللیل کے مطالع رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں صاف چمک رہی ہیں رات یعنی سایۂ زمین کی سیاہی کو حکیم قدیر عز جلالہ دن میں داخل فرماتا ہے ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے ابھی ظلمت شبینہ موجود ہے کہ عروس

خاور نے نقاب الٹائی۔ فان ایلاج شیئ یقتضی وجودهما لا ان یعدم احدهما فیعقبه الاخر واللیل والنهار بمعنی اللونین متضادان لا یجتمعان فلابد من التجوز ومن اقرب وجوهه ما ذکر العبد من حمل اللیل علی السواد فیبقی النهار علی حقیقته و یظهر الایلاج من دون کلفة و لا یتجاوز التجوز قدر الحاجة ویمکن العکس ایضا بان یحمل النهار علی الاشعة الشمسیة واللیل علی حقیقته فیکون اشارة الی ظهور انوار الشمس فی الافق الشرقی و اللیل باق بعد کما فی الصبح الاول و ان ارید اللیل العرفی فاظهر و اکمل والی حصول اللیل مع بقاء الضوء الشمسی فی الافق الغربی من الشفقین الاحمر و الابیض و ان کان الامام الفخر الرازی رحمه الله تعالی لا یرضی ان یجعل تلك الانوار من الشمس حتی الصبح الصادق ایضا کما اطال الکلام فیه فی سورة الانعام تحت قوله عز وجل فالق الاصباح و لیس الامر کما ظن واغتر بقوله العلامة الزرقانی فظن ان هذا مذهب منقول فنسبه لاهل السنة مع انه لیس الا من توسعات الامام فی البحث و الکلام و لم یستدل له الا ببحث عقلی نامر لاجلی و من البدیهی عند کل احد ان الشفق و الصبح اختان وما امرهما الا واحد و قد اخرج ابن ابی شیبة عن العوام بن حوشب قال قلت لمجاهد ما الشفق قال ان الشفق من الشمس ذکره فی الدر المنثور تحت قوله تعالی فلا اقسم بالشفق بل فی التفسیر الکبیر تحت الکریمة اتفق العلماء علی انه اسم للاثر الباقی من الشمس فی الافق بعد غروبها اما دلیله العقلی فقد رده العبد الضعیف بکلام لطیف ذکرته علی هامشه بالله التوفیق

قرآن عظیم کا نائب کریم کلام صاحب جوامع الکلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و جامع ترمذی و مسند امام میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

اذا اقبل اللیل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم

جب اِدھر سے رات آئے اور اُدھر سے دن پیٹھ دکھائے اور سورج پورا ڈوب جائے تو روزہ دار کا روزہ پورا ہو چکا لیل سے مراد سیاہی ہے اور نہار سے مراد ضو ورنہ الاقبال من ههنا والادبار من ههنا انما یکون لهما تعبیر میں ہے اذا اقبل اللیل یعنی ظلمته و ادبر النهار ای ضوءه عالم ماکان و مایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تینوں لفظ اسی ترتیب سے ارشاد فرمائے جس ترتیب سے واقع ہوتے ہیں۔ پہلے سیاہی اٹھتی ہے اس وقت تک اگر افق صاف اور غبار و بخارات سے پاک ہو آفتاب کی چمک باقی رہتی بلکہ قلل جبال و اعالی اغصان شجر پر عکس ڈالتی ہے پھر جب قرص جیسے پر آیا تکاثف البخرہ افیز دکثرت بعد عن الابصار وطول مرور شعاع البصر فی ثخن کرۃ البخار کے باعث روشنی بالکل محتجب ہو جاتی ہے مگر ہنوز قرص بالائے افق مرئی شرعی ہے اس کے بعد آفتاب ڈوبنا اور وقت افطار

نظر آتا ہے اس صاف ونفیس و بے تکلف معنی پر بحمد اللہ انتظام کلام ایسی اعلیٰ جلالت پر جلوہ فرما ہے جو صاحب جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع بلاغت بے مثل کو شایان و بجا ہے۔ کلمات علمائے کرام بھی ان نفیس معنی کے ایما سے خالی نہ رہے۔ امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ المصابیح میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں ای عند قد یقبل اللیل ولا تکون غربت حقیقۃ فلا بد من حقیقۃ الغروب حفنی علی الجامع الصغیر میں ہے۔ قولہ وغربت الشمس لم یکتف بما قبلہ عن ذلک اشارۃ الی انہ قد یوجد اقبال الظلمۃ وادبار الضوء ولم یوجد غروب الشمس اور اگر حدیث میں لیل و نہار معنی حقیقی پر رکھئے تو اگرچہ اتنا ضرور ہے کہ مجاز مرسل کی جگہ مجاز عقلی ہوگا لما علمت ان اسناد الاقبال والادبار الی ھھنا وھھنا لیس الیھما علی الحقیقۃ مگر اب تین الفاظ کریمہ کے جمع ہونے سے سوال متوجہ ہوگا شک نہیں کہ اس معنی پر اور ثلثہ متلازم ہیں اور ایک کا ذکر باقی سے مغنی وھذا ما قالہ الامام النووی فی المنہاج قال العلماء کل واحد من ھذہ الثلاثۃ یتضمن الاخرین ویلازمھما اس کی اطیب توجیہ وہ ہے کہ علامہ طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں افادہ کی کہ انما قال وغربت الشمس مع الاستغناء عنہ لبیان کمال الغروب کیلا یظن انہ یجوز الافطار بغروب بعضھا علامہ مناوی وغیرہ نے بھی ان کی تبعیت کی تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے۔ وزاد او غربت الشمس) مع ان ما قبلہ کاف اشارۃ الی اشتراط تحقق کمال الغروب

اقول یہ توجیہ وجیہ صراحۃً ہمارے مدعائے مذکور کی طرف ناظر ہے۔ نظر غائر میں بدرجہ جلی اور قلت تدبرین من طرف نفی یعنی اگرچہ لیل و نہار حقیقی مراد ہونے پر ذکر غروب کی حاجت نہ تھی کہ رات جبھی آئے گی کہ سورج ڈوب چکے گا مگر سواد و ضیا پر ان کا حمل بعید نہیں خصوصاً جبکہ اقبال من ھھنا و ادبار من ھھنا اس پر قرینہ ظاہرہ ہیں تو اگر اسی قدر پر قناعت فرمائی جاتی احتمال تھا کہ مجرد اقبال سواد و ادبار ضیا پر وقت افطار سمجھ لیا جاتا حالانکہ اقبال لیل در کنار ہنوز بعض قرص غروب کو باقی ہوتا ہے کہ ضیا بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا او غربت الشمس زائد فرمایا کہ کوئی غروب بعض قرص کو کافی نہ سمجھ لے پر ظاہر کہ اگر یہ اقبال و ادبار اسی وقت ہوتے جب پورا قرص ڈوب لیتا تو اس احتمال وظن کا کیا محل تھا ذکر غروب سے استغنا بدستور باقی رہتا اور جواب محض مہمل جاتا تو صاف ثابت ہوا کہ سیاہی اٹھنا اور شعاع چھپنا دونوں غروب شمس سے پہلے ہو لیتے ہیں علامہ علی قاری نے بھی اس کلام طیب طیبی کو تحقیق بتایا اور حسن قبول سے تلقی فرمایا۔ حیث قال بعد نقلہ وقال بعض العلماء انما ذکر ھذین لیبین ان غروبھا عن العیون لا یکفی لانھا قد تغیب ولا تکون غربت حقیقۃ فلا بد من اقبال اللیل اھ ثم ردہ بقولہ فیہ ان القید الثانی مستغن عنہ حینئذ وانما کان یتم کلامھم لو کان غربت مقدما اھ ای انما کان یحتاج اذ ذاک الی دفع ذلک الوھم بذکر اقبال اللیل اما اذ ذکر وکما ھو القاطع للوھم فای حاجۃ بعدہ الی ذکر الغروب الموھم ثم قال فیرجع الحکم الی ما حققہ الطیبی اھ فقد رجع الی ما یفید تحقیق کلام الامام ابن حجر کما علمت غیر ان المولی الفاضل رحمہ اللہ تعالیٰ شدید الایلاع بالرد علیہ فی شرحیہ للمشکوٰۃ والشمائل حتی فی الواضحات الجلائل مع انہ من تلامذتہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیھما وعلی سائر العلماء الکرام، ہاں شہروں باغوں خصوصاً نخلستان و کوہستان کی آبادیوں جنگلوں میں جہاں افق نظروں سے دور ہے غالباً یہ شرق سے اٹھتی ہوئی تاریکی خوب بلند ہو کر نظر آتی ہے اور یہ وقت خاص

غروب کا ہوتا ہے بلکہ بہت جگہ اس سے بھی پہلے غروب ہوچکتا ہے کلمات علما مثل قول امام ابوزکریا قال بعد ما نقلنا سابقا
وانما جمع بینهما لانه قد یکون فی واد ونحوہ بحیث لا یشاھد غروب الشمس فیعتمد اقبال الظلام وادبار
الضیاء وقول امام قاضی عیاض فی شرح صحیح مسلم قد لا یتفق مشاھدۃ عین الغروب ویشاھد ھجوم الظلمۃ
حتی یتیقن الغروب بذلك فیحل الافطار وقول امام عینی فی عمدۃ ثم بین ما یعتبر لمن لم یتمکن من
رؤیۃ جرم الشمس وھو اقبال الظلمۃ من المشرق فانھا لا تقبل منه الا وقد سقط القرص وقول جامع
الرموز ای وقت غیبۃ جرم الشمس کله اذا ظھر الغروب والا فالی وقت اقبال الظلمۃ من المشرق کما
فی التحفۃ وامثال ذالک کہ صراحۃً انہیں مواضع سے متعلق ہیں جہاں افق ظاہر اور رویت مقدور نہ ہو ایسے ہی عدم تمکن پر
محمول ورنہ جب باجماع امت اور خود انہیں علماء اور ان کے امثال کی تصریحات قطعیہ سے مدار حکم غروب جمیع جرم شمس ہے اور اصل
افق سے ارتفاع سواد بشہادت مشاہدہ قبل غروب حاصل تو اجرم واقبال پر ادارت حکم کیونکر معقول اور حدیث موطا مالک
عن ابن شھاب عن حمید بن عبد الرحمان ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہما
کانا یصلیان المغرب حین ینظران الی اللیل الاسود قبل ان یفطرا ثم یفطران بعد الصلاۃ و
ذلك فی رمضان تو ان عبارات سے بھی قریب تر ہے بشہر اور شہر کا بھی وسط اور وہ بھی نخلستان اور ملک کوہستان پھر
امام جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا حسن احتیاط خود عبارت حدیث سے ظاہر کہ حین ینظران الی اللیل الاسود مجرد ذکر
لیل یعنی سواد پر قناعت نہ کی بلکہ تاکیداً صفت اسود بڑھائی یعنی جب سیاہ سیاہی گہری ظلمت دیکھ لیتے اس وقت نماز پڑھتے
حدیث صحیحین اذا رأیتم اللیل قد اقبل من ھھنا فقد افطر الصائم میں اقبال لیل پر اقتصار بعض رواۃ کا اختصار
ہے کہ بکثرت معہود خود اسی حدیث کی دوسری روایت میں صرف اذا غابت الشمس من ھھنا فقد افطر الصائم ہے تیسری میں
اذا غابت الشمس من ھھنا وجاء اللیل من ھھنا فقد افطر الصائم ہے کلتاھما فی صحیح مسلم وغیرہ
اور اگر یہ بھی ہوتا تو بعد ارادہ لیل حقیقی اصلا مفید متوہم نہ رہتی اور علی التنزل یہ بھی نہ سہی تو انہیں مواضع سے متعلق سمجھی جاتی۔ بالجملہ
خلاف پر اصلا کوئی لفظ ایسا بھی نہیں جسے صریح مفسر کہئے نہ کہ ایسا جس کے سبب مشاہدات وحسیات کو باطل کر دیجئے کہ ان کے
ابطال میں معاذ اللہ ابطال شرائع ہے تلقی کتاب ورویت معجزات آخر بذریعہ حاسہ سمع وبصر ہی ہوں گے فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے
اس مطلب پر برہان ہندسی قائم کی ہے اگرچہ بعد بیان سابق کسی دلیل عقلی کی حاجت نہیں مگر اس سے زیادہ تایید وتسلید کے
علاوہ یہ مقدار معلوم ہوگی کہ غروب شمس سے کتنے پہلے سیاہی چمک آئے گی نیز اس سے مقدار بلندی سیاہی وقت غروب کے حساب میں
بھی مدد ملے گی جسے اس پر اطلاع منظور ہو فقیر کی کتاب زیج الاوقات للصوم والصلوات کی طرف رجوع کرے۔ وباللہ
التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

س:۔ قطع نظر شفق سرخ وسپید کے باتفاق علمائے حنفیہ بعد غروب آفتاب کے ایک گھنٹے بائیس منٹ کے بعد ہمیشہ وقت عشا کا
آجاتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ عشائے متفق علیہ کا وقت ہمیشہ ایک گھنٹہ بائیس منٹ بعد ہوجانے کا جزوی حکم کہ بعض بے علموں نے محض جزافاً لکھ دیا
بریلی۔ بدایوں، رامپور، شاہجہانپور، مرادآباد، بجنور، بلندشہر، پیلی بھیت، دہلی، میرٹھ، سہارنپور، دیوبند، گنگوہ وغیرہا بلاد

شمالیہ بلکہ عامۂ مواضع و اضلاع ممالک مغربی و شمالی و اودھ و پنجاب و بنگال و وسط ہند و راجپوتانہ عرض معظم آبادی ہندوستان
میں محض غلط و باطل اور حلیۂ صدق و صواب سے عاری و عاطل ہے۔ ہمارے بلاد اور اُن کے قریب العرض شہروں میں عشا کا
اجمالی وقت غروب شرعی شمس کے ایک گھنٹہ انیس منٹ بعد سے ایک گھنٹہ پینتیس منٹ بعد تک ہوتا ہے پھر جس قدر شمال کو
جائیے وقت بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ انتہائے شمالی ہند میں تحویل سرطان کے آس پاس بعد غروب شمس پونے دو گھنٹے سے بھی
زائد ایک گھنٹہ اڑتالیس منٹ تک پہنچتا ہے۔ دو منٹ کم آدھے گھنٹے کی غلطی ہے کہ شفق احمر و ابیض میں اختلاف ائمہ بھی اس
کی جھونک نہیں اٹھا سکتا ہم اپنے بلاد میں سب سے جلد آنے والی عشا کہ حوالی اعتدالین یعنی ۲۱ مارچ و ۲۴ ستمبر کے اردگرد ہوتی ہے
اور سب سے دیر میں ہونے والی عشا کہ تحویل سرطان ۲۲ جون پر ہوتی ہے حساب ہندسی سے پیش کریں جس سے واضح ہو جائے گا کہ ان
بے علم مفتیوں نے شرع الٰہی پر جاہلانہ حکم لگا دینے میں کس قدر جرأت کی تحویل حمل غروب نجومی و ہا انکسار افقی تقریباً فیہ تعدیل
الایام زائد ح فرق طول شرقی مدراس قح مجموع و یہ یعنی ۲۱ مارچ کو یہاں غروب شمس تقریباً سوا چھ بجے ہے۔ **العشاء**
جیب غایۃ الانخفاض ساحۃ کرشل تمام العرض لعدم المیل = نت مر کح خ)۔ (جیب انخفاض الوقت = لح لب الرم) = لا
مدمو کح ب (جیب اوسط = جیب تمام العرض لعدم المیل = نت مر مد منحطا) = لح نہ لب سہم قوسہ سط الو کح فضل الدائر ×
د = ز لرمہ تمام الی نت الب مہ + (تعدیل ایام و فرق طول زائدین = نا) = ز لح مہ یعنی اس تاریخ سات بجکر سوا تینتیس
منٹ پر وقت عشا آیا اس میں سے سوا چھ گھنٹے تفریق کیے تو ایک گھنٹہ سوا اٹھارہ منٹ رہے۔ **تحویل سرطان** غروب نجومی د
مد کح انکسار تعدیل الایام و فرق طول زائدین نہ مجموع ز ح یعنی ۲۲ جون کو جیبہ لرالرالو نصف قطر قسہ مو + انکسار معدل
لب نا = ح لرانحطاط الوقت جیبہ جز منزلہ تفاضل الجلیبین لو لح مب نا جیب تمام المیل لح = نہ م × جیب تمام
العرض نت مر کح خ منحط = ح الہ لح لح جیب اوسط پس تفاضل جلیبین = جیب اوسط منحط = مد کح ط مہ سہم قوسہ عہ
الدلو سہ فضل الدائر × د = ہ الح تمام و کح الب + تعدیل الایام الب + فصل شرقی ح ما = ز ح ہ یوں بھی وہی سات
پر تین منٹ آئے۔

العشاء لرحہ لرالو۔ ح لب الرم = ح لب طمو = ح الہ لح لح = الب نرمو سہم قوسہ آ کح وفضل الدائر × د = ح الر
لب تمام ح لب الح + الب + ح ما = ح لر یعنی اس تاریخ ۸ بجکر سوا سینتیس منٹ پر عشا ہوئی تفریق وقت غروب کرنے پر
ایک گھنٹے چونتیس منٹ سے قدرے زائد وقت ہوا بعینہٖ یہی مقداریں صبح کی ہیں۔ ہاں ہمارے بلاد میں صرف بقدر ثلث سال
یعنی تقریباً نصف دلو سے نصف حمل اور نصف سنبلہ سے نصف عقرب تک یہ اوقات ایک گھنٹہ بیس منٹ کے قریب قریب
رہتے ہیں باقی تمام سال میں اس سے زائد تو دہلی رامپور، میرٹھ مظفر نگر دیوبند گنگوہ سہارنپور میں کہ سب بریلی سے شمال کو ہیں اور
باہم ہر پچھلا پہلے سے زیادہ شمالی ہے ہمیشہ ایک گھنٹہ بیس منٹ کیونکر معقول ہے اگرچہ مفتیان جاہل و مخطیان غافل اپنی بیخبری سے
تصدیق کریں شہادتیں دیں اس کو لینے بے بصر بے خبر عمائد کا معمول بہ بتائیں وہ بھی نہ فقط عشا بلکہ وقت صبح میں بھی جس کا حاصل
یہ کہ سال کے دو تہائی حصے میں اُن کے اذان سب کے روزے نذر جہل بے حساب اور ان کی سحری کے ختم بلکہ کبھی شروع سے
بھی پہلے جلوۂ صبح صادق بے حجاب نسأل اللہ العفو و العافیہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی
العظیم۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم

س :۔ وقت ظہر کا عصر کا مغرب و عشا و فجر کا کب تک رہتا ہے ۔خصوص مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے ۔

ج :۔ وقت ظہر کا اس وقت تک رہتا ہے کہ سایہ سوا سایۂ اصلی کے جو اس روز ٹھیک دوپہر کو پڑا ہو دو مثل ہو جائے اور عصر کا وقت غروب آفتاب تک یعنی جب سورج کی کوئی کرن بالائے افق رہے اور اس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ آفتاب کے قرص پر نظر اچھی طرح نہ جمے جب بغیر کسی عارض بخار یا غبار وغیرہ کے نگاہ قرص آفتاب پر جمنے لگے وقت کراہت آگیا اور یہ وقت فقیر کے تجربہ سے اس وقت آتا ہے جب سورج ڈوبنے میں بیس منٹ رہ جاتے ہیں ۔مغرب کا وقت سپیدی ڈوبنے تک ہے یعنی چوڑی سپیدی کہ جنوباً شمالاً پھیلی ہوتی اور بعد سرخی غائب ہونے کے تادیر باقی رہتی ہے ۔جب وہ نہ رہی وقت مغرب گیا اور عشا آئی۔ دراز سپیدی کہ صبح کاذب کی طرح شرقاً غرباً ہوتی ہے معتبر نہیں اور یہ وقت ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ بعد غروب آفتاب ہوتا ہے آخر مارچ و آخر ستمبر میں اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ ہوتا ہے ۔آخر جون میں اور موسم میں بڑھ سے بڑھ ایک گھنٹہ چوبیس منٹ ہوتا ہے آخر دسمبر میں اور اس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ ستارے خوب ظاہر نہ ہو جائیں ۔اتنی دیر کرنی کہ چھوٹے چھوٹے ستارے بھی چمک آئیں مکروہ ہے ۔عشا کا وقت طلوع فجر صادق تک ہے اور وقت مستحب آدھی رات سے پہلے پہلے ۔یہ تمام اوقات درجات شمس و درجات عرض البلاد کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ان کے لئے ایک معین بتانا ممکن نہیں مغرب کو سائل نے بالخصوص دریافت کیا تھا۔ اس کے لئے وہ قریب تخمینہ کہ ان شہروں میں ہے گزارش ہوا یہی تخمینہ یعنیہ مقدار صبح صادق کا ہے۔

س :۔ ماہ جون و جولائی و اگست میں نماز ظہر کا وقت مستحب کئے بجے سے شروع ہوتا ہے اور کئے بجے تک رہتا ہے ؟

ج :۔ بحکم حدیث و فقہ ایام گرما میں تاخیر ظہر مستحب و مسنون ہے اور تاخیر کے یہ معنی کہ وقت کئے جائیں نصف اول چھوڑ کر نصف ثانی میں پڑھیں ۔کما افادہ فی البحر الرائق عن الاسرار وغیرہ اور صیف یعنی ایام گرما سے مراد زمان اشتداد گرمی ہے ۔خلاصہ و بحر وغیرہما میں ہے ۔الشتاء ما اشتد فیہ البرد علی الدوام والصیف ما یشتد فیہ الحر علی الدوام اور یہ باختلاف بلاد مختلف ہوتا ہے ۔فلکیوں کی تقسیم کہ تحویل حمل سے آخر جوزا تک ربیع آخر سنبلہ تک صیف آخر حوت تک شتا ہے ان کے بلاد کے موافق ہوگی ۔ہمارے بلاد میں ہر فصل ایک برج پہلے شروع ہو جاتی ہے مثلاً جاڑا تحویل جدی یعنی ۲۲ر دسمبر سے شروع نہیں ہوتا بلکہ دسمبر کا سارا مہینہ اور آخر نومبر یقیناً اشتداد سرما کا وقت ہے یوں ہیں درختوں کا مشاہدہ شہادت دیتا ہے کہ اواخر فروری تحویل حوت سے بہار شروع ہو جاتی ہے اور بے شک جون کا پورا مہینہ اور اواخر مئی شدت گرما کا وقت ہے تو ہمارے یہاں تقسیم فصول یوں ہے حوت حمل، ثور، بہار، جوزا، سرطان اسد گرمی سنبلہ میزان عقرب خریف قوس جدی دلو جاڑا تو زمانۂ استحباب تاخیر ظہر ۲۲ر مئی سے ۲۴ر اگست تک ہے اوقات نماز کا آغاز و انجام ہر روز بدلتا ہے ایک وقت معین کی تعیین ناممکن ہے لہٰذا ہم صرف ایام تحویلات ثور تا سنبلہ کا حساب بیان کریں کہ اس سے ایام مابین کا تقریبی قیاس کر سکیں اور زیادت افادت کے لئے ان ایام کا طلوع و غروب بھی لکھ دیں کہ اگرچہ مئی جون گزر گئے جولائی اگست باقی ہیں ۔صحیح گھڑی سے مقابلہ کر سکتے ہیں اگر دھوپ گھڑی موجود ہو تو جس وقت اس میں کیلی کا سایہ خط نصف النہار پر منطبق ہو جیبی گھڑی میں وہ وقت کر دیں جو خانہ شروع وقت ظہر میں ہم نے لکھا ہے یہ گھڑی نہایت کافی درجہ پر صحیح ہوگی ورنہ شام کے چار بجے جو دراس سے تار آتا ہے جس وقت وہ سولہ کا گھنٹہ بتائے گھڑی میں چار بجائیں ورنہ ریل تار کی گھڑیوں بلکہ توپ کا بھی کچھ اعتبار نہیں میں نے توپ میں گیارہ

منٹ تک کی غلطی مشاہدہ کی ہے اور تین چار منٹ کی غلطی تو صدہا بار پائی ہے ہم اس نقشہ میں ریلوے کا وقت دیں گے اور ازانجا کہ یہ تقریب سالہا سال تک کام دے سکنڈوں کی تدقیق نہ کریں گے رانی کھیت کے لئے جس کا عرض شمال ۲۹ درجے ۳۸ دقیقے اور طول شرقی ۷۹ درجے ۲۸ دقیقے ہے۔

اوقات بعض تحویلات کا نقشہ

تاریخ شمسی	تحویل برج	طلوع شمس		شروع وقت ظہر		وقت مستحب ابتدائے فرض ظہر		شروع وقت عصر حنفی		غروب شمس	
		گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ
۲۱ر اپریل	ثور	۵	۱۴	۱۲	۱۱	۲	۲۱	۴	۵۱	۶	۴۴
۲۲ر مئی	جوزا	۵	۱۶	۱۲	۰۸	۲	۳۴	۴	۵۹	۷	۱
۲۲ر جون	سرطان	۵	۱۲	۱۲	۱۳	۲	۴۰	۵	۷	۷	۱۵
۲۲ر جولائی	اسد	۵	۲۶	۱۲	۱۸	۲	۴۴	۵	۹	۷	۱۱
۲۴ر اگست	سنبلہ	۵	۴۴	۱۲	۱۴	۲	۳۴	۴	۵۴	۶	۴۵

بعض عوام کو اپنی ناواقفی سے وقت ظہر پانچ بجے تک رہنے کا بھی تعجب ہوتا ہے نہ کہ پانچ سے بھی کچھ منٹ زائد تک لہٰذا ایام خمسہ میں سب سے بڑا وقت کہ ۲۴ر جولائی کا آیا ہم اس کو برہان ہندسی ذکر کردیں کہ آج کل بہت مدعیان علم بھی فن توقیت سے محض ناواقف ہیں العین اطمینان ہو کہ یہ بیانات جزافی نہیں تحقیقی ہیں جو نہ جانتا ہو جاننے والوں کا اتباع کرے اور جو نہ خود جانے نہ جاننے والوں کی مانے اس کا مرض لاعلاج ہے۔

البرھان تحویل مفروض بوقت مطلوب راس الاسد بہت ساعۃ درجۂ سالقوب فہ الح تب × وقت تخمینی بت = ماقر لا ا = تقویم نصف النہار حقیقی کح الط میل حہ ہا ا + تام العرض سہ الب + نصف قطر بہ فمو = فہ مطمو تمام طہ ی مد بعد سمتی حقیقی حاجی وقت ظہیرہ تحویش بمر لی ط ی ہ ہ ظلش ط ما اما = ظل وقت عصر حنفی ع طما اما قوسہ سہ لہ — کح الب + نصف قطر = سہ الرنط الب بعد سمتی حقیقی مرکزی وقت مطلوب عرض البلد الط لح میل راس الاسد کح طلح نر = ط الح الوح + بعد سمتی = عدالہ الہ نصف لرحہ الح — ح جیبہ ۹٫۷۸۴۱۵۲۶ وبعد سمتی۔ نصف مذکور = الرنط مولط جیبہ ۹٫۶۷۱۵۵۶۴ قاطع عرض ۰٫۰۶۰۸۷۶۶ قاطع میل ۰٫۰۲۷۴۵۶۰ جمع الاربعہ ۹٫۵۴۴۰۴۲ لغو لیشس درجدول وقت ۵۹ ۲٫۶ +

فصل طول وسط الہند ۱۲۸" + تعدیل الایام ۶۱۶" = ۸۳۳/۶ ؁ ۵ تت یعنی پانچ بجکر آٹھ منٹ ۴۲ سیکنڈ پر وقت ظہر ختم ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

س:۔ کسی جگہ نماز ظہر ۲½ بجے ہوتی ہے اور عصر کی نماز ۴½ پر باجماعت ہوتی ہے یہ وقت نماز کے ایام سرما میں تنگ سمجھے جائینگے یا کوئی کمی بیشی ان اوقات میں کی جائے ۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بازار کی مسجد میں ہر جماعت یعنی ایک ہی وقت کی کئی جماعت کے واسطے اور اذان ہر مرتبہ پڑھی جائے یا صرف جماعت اول ہی میں اور محلہ کی مسجد میں جماعت ثانی میں تکبیر اور اذان ہونی چاہیئے یا نہیں اور بازاری مسجد میں ہر جماعت اولیٰ کا ثواب ہے یا نہیں۔

ج:۔ اگر یہ صحیح وقت ہوں تو کسی موسم میں ظہر اور عصر کے لئے تنگ وقت نہیں سب میں جلد وقت مغرب نومبر کے آخر اور دسمبر کی ابتدائی تاریخوں میں ہوتا ہے۔ جب ریلوے وقت سے آفتاب سوا پانچ بجے ڈوبتا ہے اور کراہت کا وقت غروب سے صرف بیس منٹ پہلے ہے تو چار بجکر پچپن منٹ پر وقت کراہت آجائے گا۔ نماز اگر ٹھیک ساڑھے چار بجے شروع ہوئی تو غائت درجہ دس بارہ منٹ میں ختم ہو جائے گی جب بھی وقت کراہت سے تقریباً پاؤ گھنٹے پہلے ہو چکے گی ہاں اُن دنوں میں پونے پانچ بجے شروع جماعت میں خطرہ ہے کہ اگر جماعت ۸ منٹ میں ادا کی اور شروع میں پونے پانچ بجے سے دو تین منٹ بھی دیر ہو گئی تو سلام سے پہلے وقت کراہت آجائے گا آتنی تاخیر دہ کرے جسے وقت صحیح معلوم ہوں اور بتصحیح ساعت جانتا ہو کہ عصر میں جتنی تاخیر ہو افضل ہے جبکہ وقت کراہت سے پہلے پہلے ختم ہو جائے پھر جو وقت مقرر ہوتا ہے اکثر چند منٹ اس سے تاخیر بھی ہو جاتی ہے اور گھڑی کبھی چند منٹ سست ہو جاتی ہے ۔ ومن رتع حول الحمی اوشک ان یقع فیہ لہٰذا ان ایام میں عام لوگوں کو عصر ساڑھے چار بجے مناسب تر ہے اور گھڑی کی تحقیق صحیح ہو تو ایام سرما میں ساڑھے چار بجے شروع نماز میں اصلا حرج نہیں۔

بعض صاحب فرماتے ہیں کہ ظہر دو بجے اور عصر چار بجے ہونی چاہیئے ان دونوں وقتوں میں اول کی پابندی کی جائے۔

(نوٹ)

اگر ریاضی کی اصطلاحات یا جمع تفریق میں کوئی غلطی نظر آئے تو اس کو کتابت کی غلطی اور صاحب مضمون کی ذمہ داری تصور کیا جائے۔

اعلیٰحضرت احمد رضا خان بریلوی

اور ناموس رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(مولانا حافظ قاری سید محمد فاروق احمد ایم۔ اے)

برصغیر پاک و ہند میں فرماں روایانِ مغلیہ کے ہاتھوں سے اقتدار جیسے ہی انگریزوں کے ہاتھوں عملاً منتقل ہوا۔ ان غاصبوں نے پہلے تو بزورِ شمشیر مسلمانانِ ہند کو بے دست و پا بنانے کی کوشش کی پھر ہر شعبۂ حیات میں ان کے مؤثر ترین کردار کو بلا روک ٹوک اور مزاحمت کے بالکل غیر مؤثر کر دیا۔ ان کے قوائے فکر کو مضمحل اور عملی صلاحیتوں کو منجمد کر دیا۔ اور ان کے مقابلہ میں ہندوؤں کو دوسری غیر مسلم اقوام کی شہ دیکر اور ان کی ہر طرح سے سرپرستی کر کے اپنے اقتدار کے سنگھاسن کو پختگی اور قوت دینے کے لئے اپنے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا۔

ان تمام عسکری، سیاسی اور انتظامی فریب کاریوں کے باوجود ایک مسئلہ ان کے لئے مستقل دردِ سر کا باعث بنا رہا اور وہ یہ کہ برصغیر کے مسلمان سیاسی، اقتصادی، سماجی اور میدانِ فنون و علوم اور مختلف صنعتوں اور حرفتوں میں ہر ڈھب آشنا ہونے کے باوجود انگریزی اقتدار کے لئے مستقل خطرہ بنے ہوئے ہیں اور اس طرح ان کی نیندیں قصرِ بکنگھم تک حرام کئے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ قوتِ محرکہ درحقیقت وہ جہاد کی اسپرٹ تھی جو ایک آتش فشاں کی مانند تھی۔ اور یہ لاوا کسی وقت بھی ابل کر انگریزی اقتدار کو تہس نہس کر سکتا تھا۔ اس دور کے عبقری ذہن رکھنے والے تمام انگریز مدبرین اور مفکرین نے رات دن سر جوڑ کر مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو ان کے سینوں سے جدا کرنے کی تدبیر پر بڑے ٹھنڈے دل سے غور و فکر کیا اور بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ مسلمانانِ ہند پر جہاد کی عملی راہیں اگرچہ ہتھیاروں سے غیر مسلح کر کے اقتصادی طور پر مفلس و قلاش کر کے اور سیاسی طور پر بے دست و پا کر کے ہم نے ہر طرح سے بند کر دی ہیں۔ لیکن ان کے دل و دماغ جس ایک زبردست قوت و طاقت سے سرشار ہیں جو فی الحقیقت روحِ جہاد ہے اس سے کسی نہ کسی طرح محروم بنانا ہے۔ انگریز کے عبقری ذہن نے کمالِ تحقیق کے بعد اس کا سراغ لگایا کہ مسلمان درحقیقت اپنے رسول ؐ کی تعظیم و توقیر، عشق و محبت، ادب میں دنیا کی تمام قوموں سے کہیں آگے بڑھے ہوئے ہیں اور ذاتِ محمد رسول اللہ سے ان کی بے پناہ شیفتگی اور والہانہ عقیدت ہی ان کی زندگی کی سب سے بڑی قوی، مؤثر اور مضبوط اساس ہے اور یہ اساس ہنتے، مفلوج، قلاش اور بے دست و پا ہونے کے باوجود انہیں کسی بھی وقت اور کسی بھی لمحہ ایک ناقابلِ مدافعت انقلاب پر اس طرح آمادہ کر سکتی ہے کہ پھر کوئی بھی مسلح لشکر ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا اور وہ ذاتِ رسول ؐ سے عشق و محبت اور فداکاری اور ناموسِ رسالت کی خاطر دنیا کی بڑی سے بڑی قوت کو پاش

پاش پاش کر سکتے ہیں۔ بڑے سے بڑا اور مضبوط سے مضبوط بند جاں نثارانِ رسولِ مقبول کے سیلِ رواں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔

اس راز کو پانے کے بعد اب وہ تدابیر اختیار کرنے کا مرحلہ آیا جس کے ذریعہ اس شیفتگی ووالہانہ پن، جاں نثاری اور فداکاری کے جذبات کو نفسیاتی اور غیر محسوس طریقے سے مضمحل اور کمزور بنایا جائے چنانچہ فتنوں کے انجکشن جسدِ ملتِ اسلامیہ ہند میں داخل کئے گئے۔ پہلا فتنہ مقامِ رسالت ﷺ کو عام بشری سطح پر لانا تھا اور دوسرا فتنہ حیات النبی کے عقیدہ کو شد و مد سے معرضِ بحث میں لاکر ختمِ نبوت کی اساس پر گولہ باری کرنا تھا چنانچہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے ان فتنوں کو کھل کر بھی اور در پردہ انگریز بہادر کی شہ پر شہ ملی یہاں تک کہ قادیان سے مرزا غلام احمد کی تحریک نے سر اٹھایا۔ جھوٹے مدعیِ نبوت نے مسلمانانِ ہند کے فکری محاذ پر چھاپے مارے، گمراہی کی راہیں کھولیں اور اس طرح انگریز کے دو مقاصد بیک وقت پورے ہوئے۔ پہلے یہ کہ اسے ایک وفادار، جہاد نا آشنا اور ہر مرحلہ پر اس کی کاسہ لیسی کا حق ادا کرنے والا ایک گروہ مسلمانوں ہی میں سے اور خاص طور پر اس خطہ پنجاب سے میسر آگیا جہاں کے مسلمان دیگر صوبہ جاتِ ہند کے مقابلے میں مقامِ رسالت اور آدابِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ سرشار تھے دوسرے یہ کہ مسلمانانِ ہند کے ذہنوں کو عقیدتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں انتشار کی آماجگاہ بنانے میں کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی حد تک بڑی مدد ملی۔ فتنوں کا دوسرا انجکشن جو جسدِ ملتِ اسلامیہ میں انگریز نے داخل کیا تھا۔ اس کا اثر slow poison کی طرح اس طرح ظہور میں آیا کہ تکریم و تعظیم توقیر و عظمت، اُنس و محبت، شیفتگی و وارفتگی، فداکاری و جاں نثاری کا جو سب سے زیادہ قوی رشتہ آقا و مولیٰ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے امتیوں کے درمیان قائم تھا اس کی گرفت کمزور سے کمزور کر دی جائے اور سوائے وحی سے متصف ہونے کے بقیہ دیگر امتیازات سے ذاتِ اقدس کو ایک عام بشر کی صف میں لا کھڑا کیا جائے۔ چنانچہ برصغیر ہند و پاک میں علمی اور عملی طور پر ہر دو طریقے سے ایک محاذ کھولا گیا۔ جس نے مسلمانانِ ہند کے عقیدتِ رسول کو مجروح و مضمحل کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں اس طرح صرف کر دیں کہ ان کی نظروں سے تصورِ آخرت بھی اوجھل ہو گیا کہ شفاعتِ کبریٰ جنابِ احمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر اُمتی کو بخشش کی راہیں کھلیں گی مگر سوائے گستاخانِ مقامِ رسالت پناہ کے۔

جمہور مسلمانانِ ہند کے معتقدات پر ضرب کاری کی اس مہم نے ان کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ شدید ہیجان و اضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی نظریں ایک ایسے جری اور مستِ مئے عشقِ رسول کی جویا تھیں جو ان مٹھی بھر گستاخانِ مرتبہ رسالت پناہ کے جرأت کا مسکت علمی، عقلی اور مستند جواب دے کر سرحداتِ آداب و مقامِ محمدی کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ برصغیر کے تمام مشائخ و صوفیا اور علمائے حق پرست نے برصغیر کے ایک گوشہ اور ہر ایک حلقہ سے اپنے اپنے طور پر اس ذہنی اور فکرِ خام کے خلاف منبر و محراب کے علاوہ اپنے تحریری سرمائے سے جواب دیئے مگر اس محاذ پر قدرت نے قیادت کا جو فخر امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کو عطا فرمایا وہ سوادِ اعظم کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔

اعلیٰ حضرت امام رضا خاںؒ نے جس خانوادہ میں آنکھ کھولی تھی وہ مئے عشقِ رسول سے سرشار تھا۔ اس خاندانی پسِ منظر کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال ذہانت و بصیرت، جودتِ طبع اور معارفِ علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ استنباط و استخراجِ مسائل کا جو ملکہ بخشا تھا اس نے اوائل عمری ہی میں انہیں وہ مقام و منزلت بخشی کہ وہ اپنے ہمعصر عمر رسیدہ اور بزرگ علماء کی صفوں میں شمار کئے جانے

لگے عصری علوم کے ساتھ ساتھ علم دہبی ولدنی سے بھی عزیز و حکیم نے ان کو بے پناہ نوازا تھا۔ اور یہ سرمایۂ علمی درحقیقت حضرت احمد رضا خان سرشار مئے حب نبی تھے وہ ذات اقدس کے مرتبہ و مقام منزلت کے معاملے میں انتہائی حساس، کمال درجہ غیور تھے اور انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس وقت کے پھیلائے ہوئے اس فتنہ کے تدارک کے لئے وقف کر دیا۔

اعلیٰ حضرت کا موقف عصر حاضر کے تمام تر منہاج دلائل و براہین پر مبنی تھا انہوں نے گستاخان مرتبہ رسالت پناہ کے پیش کردہ مواد کے خلاف قرآن کریم، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اہلسنت و جماعت کے چاروں ائمہ کرام اور مفکرین و مجتہدین کے ساتھ اجل مشائخ وصوفیائے کرام کے عمل متواترہ کی روشنی میں مقام مصطفےٰ اور آداب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے زبردست اور کامیاب مہم چلائی اور ایسا ذخیرۂ علمی پیش کیا جس کو اس دور کے اجل علماء و مشائخ اور مفتیان حرمین الشریفین کی نہ صرف تائید و توثیق حاصل تھی بلکہ انہوں نے زبانی اور تحریری طور پر بھی اسے ایک قابل فخر اور مستند اور وقیع جزو علوم اسلامیہ قرار دیا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں عرض کیا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ ان تمام فکری، تقریری اور تحریری مواد کو اس کے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ بغور مطالعہ کرتے اور جہاں کہیں رسالت پناہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و آداب میں کسی بھی پہلو سے سوئے ادب کا ادنی سا بھی شائبہ نظر آتا۔ متعلقہ مقرر اور مصنف کو دلائل و براہین کی روشنی میں آگاہ فرماتے تاکہ وہ رجوع کر سکے۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد وحید، ہادی برحق رحمت اللعالمین شفیع المذنبین، خاتم النبین، وجہ تخلیق کائنات محبوب رب العالمین، قاسم عطائے ربانی بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے مصداق محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و سخا اور رحمت سے ہر امتی کی وابستگی کو کمال ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے قائم کرنا تھا نہ کہ اس کا رابطہ ذات حبیب کبریا سے منقطع کرنا۔

چنانچہ جہاں اور جب کسی نے اپنے افکار کی اصلاح اور اپنے مبنی بر گستاخی کلمات سے رجوع کیا اعلیٰ حضرت کی وہ آنکھ کا تارا اور دل کی ٹھنڈک کے مصداق ہو جاتا لیکن اگر حقائق سے آگاہی اور اتمام حجت کے باوجود اپنے پندار علمی میں مبتلا، زعم دلائل عزازیلی اور حماقت ابلئے روزگار یا انانیت کے شکار، ضد و بحث اور دشنام طرازی کی راہ اختیار کرتے تو۔

محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

یہ فدائی عشق رسول میں بے پناہ حساس، مایۂ حبیب میں انتہائی غیور و جسور کسی بھی قیمت پر اسے معاف کرنے اور اس کے عقائد باطلہ کے رد کرنے میں کسی رو رعایت کا قائل نہ تھا۔

اعلیٰ حضرت کے اس طرز عمل نے بہتوں کو ان کا مخالف بنایا لیکن یہ اصول انس و محبت کے عین متقاضی تھا اس لئے کہ ایمان تو عین محبت کا نام ہے۔ ذات حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جتنی محبت ہوگی اسی نسبت سے تکمیل ایمان کے تقاضے پورے ہوں گے اور جب امتی اور نبی کے درمیان سے محبت میں کمی آگئی آداب و مقام و منزلت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دل و دماغ خالی ہو گئے تو سارے ظاہری بے روح اعمال بے وزن ہو جاتے ہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ امام احمد رضا کے ہاتھوں رب العالمین نے وہ عظیم الشان اور لافانی خدمت دینی کا فریضہ انجام دلوایا جس کا لب لباب ختمی مرتبت آقا و مولیٰ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و حرمت کا تحفظ تھا اور اسی طرح ان کو مقام فنائیت فی اللہ والرسول حاصل ہوئی جس نے ان کے وصال کے ۶۲ سال گزرنے کے بعد بھی برصغیر ہند و پاک کی غالب اکثریت کو روح ایمان کی وہ دولت بے پایاں عطا کی جس کی وجہ سے مئے عشق نبی سے سرشار ہو کر مسلمانان ہند نے تحریک پاکستان میں اس جوش و خروش سے حصہ لیا کہ بالآخر ہند و

کی ہٹ دھرمی اور انگریزوں کی تمام تر شاطرانہ چالیں ناکام ہو گئیں اور پاکستان وجود میں آیا ؎

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

اور یہ بھی عشقِ نبی ﷺ کی اسی دولت بے پایاں کا اعجاز ہی تھا جس کا تحفظ کر کے اور فروغ دے کر اس برصغیر کے مسلمانوں کے سینوں کی امانت بنا دیا کہ ۱۹۷۷ء میں ایک بد دماغ آمر کے خلاف چلنے والی تحریک کا نعرہ مستانہ "نبی نبی" اور "نظام مصطفےٰ" تھا جو اسی قوت محرکہ کے بل بوتے پر کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

حق تو یہ ہے کہ اسلامیانِ ہند کو ناموس رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر انتہائی حساس اور غیور اُمتی کا کردار ادا کرنے میں اعلیحضرت، مجدد ملت، عظیم المرتبت، شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ لافانی کردار ہے جس پر نہ صرف عصر حاضر کی نسل بلکہ آئندہ نسلیں بھی فخر کرتی رہیں گی ؎

اسی سے نورِ نظر ہے اسی سے راحتِ دل

متاعِ زیست ہے عشقِ محمدِ عربی

در منقبت حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر — رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر

رُخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی — رہ گیا بوسہ دہ نقشِ کف پا ہو کر

وائے محرومیٔ قسمت کہ پھر اب کی برس — رہ گیا ہمرہِ زوارِ مدینہ ہو کر

چمن طیبہ ہے کہ وہ باغ کہ مرغِ سدرہ — برسوں چہکے ہیں جہاں بلبل شیدا ہو کر

صرصرِ دشت مدینہ کا مگر آیا خیال! — رشکِ گلشن جو بنا غنچۂ دل وا ہو کر

گوشِ شہ کہتے ہیں فریاد رسی کو ہم ہیں — وعدہ چشم سے بخشائیں گے گویا ہو کر

ہے یہ اُمید رضا کو تری رحمت سے شہا

نہ ہو زندانیٔ دوزخ ترا بندہ ہو کر

سید محمد اسماعیل رضا ذبیح ہری پور ہزارہ

اردو نعت گوئی کی تاریخ میں تیرھویں صدی کے وسط کے بعد کا عہد ماضی کی بہ نسبت زیادہ تابناک ہے۔ اسے سیاسی انحطاط کا ردعمل کہئے یا دورِ متوسطین میں الاپے گئے نغماتِ نعت کی بازگشت اور دردمند و پرخلوص دلوں سے نکلی ہوئی جذبات بھری نعتوں کی تاثیر کہ اس دور میں قرآن و حدیث کے عالم احکامِ شریعت کے پابند صاحبِ دل اور اصحابِ طریقت نے حُبِ رسول سے سرشار ہو کر کیف و سرور کے وہ راگ چھیڑے کہ دوسرے شعراء سے گوئے سبقت لے گئے۔

اس دور میں جہاں اردو نعتیہ شاعری کے ضخیم دواوین مرتب کئے گئے ہر صنفِ شاعری میں نعت کا کافی ذخیرہ جمع کیا گیا اور نعتیہ شاعری کی نئی تدوین و ترتیب کی گئی وہاں اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس دور نے ایسے شعراء بھی پیدا کئے جنہوں نے حمد اور نعت و منقبت کے سوا ایک شعر بھی نہیں کہا۔ اس دور میں ایسے اردو شعراء بھی ہوئے جو فخر سے کہہ سکتے ہیں" ہم بحمداللہ تبعیتہم۔ السعادون کے زمرہ میں نہیں آتے"۔ ان ہی مایۂ ناز شعراء میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کا نام بھی روشن نظر آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری

"علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ہے ...... ان کی شاعری کا محورِ خاص آنحضرت کی زندگی و سیرت تھی۔ مولانا صاحب صاحبِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ طریقت بھی۔ صرف نعت و سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ کہتے تھے (اردو کی نعتیہ شاعری ص۸۶)

حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ نے مطلقاً ستائش غیر گوارا نہ کی اور خود کو اس کریم کے آستانہ سے وابستہ رکھا کہ سارا جہاں جس کا زلہ ربا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

کروں میں مدحِ اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

اسی طرح آپ کی زبان پر عشقِ بلبل اور حسنِ گل کی بات بھی نہ آئی کیونکہ حسنِ گل سے ہزار گنا فردوسِ نظر، نگاہوں کو خیرہ اور

دلوں کو موہ لینے والا، والیل والضحیٰ جیسی ربانی ستائش والاحسن ان کے پیش نظر تھا اور بلبل کے سوزِ فراق سے کئی گنا زیادہ عشق کے جذبات ان کے دل میں موجزن تھے کہ آپ کا کلام والہانہ کیفیت، واردات عشق اور بیان عظمت رسول کے گلہائے رنگارنگ سے معمور دمزین نظر آتا ہے - فرماتے ہیں۔

وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں شرح والشمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح وثنا کرتے ہیں جنکو محمود کہا کرتے ہیں

یہ اعلیٰ حضرت کا کمال شاعری ہے کہ آپ کی طبع مشکل پسند نے ابتدار سے ہی تخیلانہ عیاشی سے دامن بچا کر وادی بہیمون کی سہل روی چھوڑکر مومنانہ شان سے راہ نعت میں قدم رکھا جو بقول عرفی "بردم تیغ قدم رکھنا ہے" کہ جہاں قدم قدم پر حبط اعمال کا اندیشہ ہے اور جہاں ادنیٰ سی لغزش دائمی محرومی کا سبب بن سکتی ہے - اعلیٰ حضرت اس بات کو بخوبی جانتے تھے چنانچہ فرمایا "حقیقتاً نعت شریف کا لکھنا نہایت مشکل ہے جسکو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے - اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہونچا جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے - البتہ حمد آسان ہے اس کا رستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے غرض حمد میں ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے (ملفوظات حصہ دوم ص۳)

محمد عبد اللہ قریشی لکھتے ہیں۔

"نعت ہماری شاعری کی محبوب اور پاکیزہ صنف ہے اس کے ڈانڈے ایک طرف عبد سے اور دوسری طرف معبود سے ملتے ہیں مگر اس کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے نعت گو جب تک عشق رسول میں ڈوب کر توحید و رسالت اور عبودیت کے نازک رشتوں میں کامل ہم آہنگی پیدا نہ کرے - جذبات عالیہ، درد، سوز و گداز، رفعت بیان اور حسن ذوق سے آشنا نہ ہو اس وقت تک وہ نعت گوئی کے منصب سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا" (اردو نعتیہ شاعری)

اعلیٰ حضرت نے عبد و معبود میں وہ ہم آہنگی دکھائی ہے کہ رسالت کی لے توحید پر ٹوٹے اور وہ ربط بیان کیا ہے کہ عبد کی یاد معبود کا ذکر بن جائے - حبیب اللہ کا محب صادق جب والیل جیسے گیسوؤں کی یاد میں آہ کھینچے تو آہ بھی اللہ کی ضرب کی شکل میں ذکر الہٰی بن جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ یادِ گیسو ذکر حق ہے آہ کر دل میں پیدا لام ہو ہی جائیگا

آہ کے دل (قلب یعنی درمیان) میں لؔ داخل کر دیا جائے تو اللہ بن جاتا ہے - پس حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوؤں کی یاد میں آہیں بھرنے سے بھی قلب ذاکر ہو سکتا ہے۔

ادب میں جب نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے - شاعری میں مدح کے لئے قصیدہ سے کام لیا جاتا ہے لیکن نعت کے لئے کوئی مخصوص ہیئت لازمی نہیں بلکہ شاعری کی تمام اصناف غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، قطعہ اور مستزاد وغیرہ میں نعت کہی جا سکتی ہے اعلیٰ حضرت نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے - جیسے

غزل :- طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ

مثنوی :- صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا ✻ صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

مثنوی :- مصطفےٰ مہر سپہرِ تاباں بالیقیں ! منتشر نورش بہ طبقات زمیں

رباعی :- اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

قطعہ :- خدا تیرا خدا ہے تو خدا کا پاک بندہ ہے خدا تو تو نہیں نورِ خدا ظلِ خدا تو ہے
تری تعریف میں جتنا بڑھیں سب تجھکو شایاں ہے فقط اک نا روا یہ ہے کہ یوں کہیئے خدا تو ہے

مستزاد :- فاذا فرغت فانصب یہ ملا ہے تجھکو منصب جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقت بخشش آیا، کرو قسمت عطایا

میں نے نشاندہی کے لئے چند مثالیں تحریر کی ہیں حقیقت تو یہ ہے آپ نے اپنی جودت طبع اور علمی تبحر کے سبب ہر صنف میں وہ رنگ جمایا کہ ہر سخن شناس پکار اٹھا۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں۔

اصحاب فن عروس سخن کے حسن صوری و معنوی کو علم بیان و بدیع سے پرکھتے ہیں کیونکہ مشاطانِ سخن بیان و بدیع کو کلام کا حسن خیال کرتے ہیں کہ ان کے بغیر شعر کے حسن میں نکھار اور بانکپن پیدا نہیں ہوتا۔ اعلیٰحضرت کے کلام میں اس حسن و خوبی کی جلوہ افروزیاں کافی حد تک پائی جاتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے اور لطف اٹھایئے۔

تشبیہ :- بے داغ لالہ، یا قمر بے کلف کہوں بے خار گلبن چمن آرا کہوں تجھے

استعارہ و کنایہ :- وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

استعارہ بالکنایہ :- پانچ دریائے کرم میں ہیں رضا پانچ فوارے یہ چھلکنے والے

مجاز مرسل :- بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنوئیں کا پیاسا خود بجھا جائے کلیجہ میرا چھینٹا تیرا

صنعت تضاد :- فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

تنسیق الصفات :- آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان ! صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

مراعات النظیر :- تو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار لائی ہے فصلِ سمن گوندھ کے سہرا تیرا

حسن تعلیل :- ان کے جلال کا اثر دل سے لگائے ہے قمر جو کہ ہو لوٹ زخم پر داغ جگر مٹائے کیوں

لف و نشر مرتب :- باعطا تم شاہ تم مختار تم بے نوا ہم زار ہم ناچار ہم

لف و نشر غیر مرتب :- دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار غنچہ ہوں گل ہوں برق تپاں ہوں کباب ہوں

صنعت تلمیح :- تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

تجنیس تام :- قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

صنعت تلمیع :- اتنی رحمت رضا پہ کرلو لَا يَقْرَبُهُ الْبَوَار آقا

صنعت اقتباس :- وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

صنعت عکس مستوی :- یہ سر ہو اور وہ خاک در وہ خاک در ہو اور یہ سر رضا وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے۔

نعت میں عشقیہ جذبات کا اظہار اور تغزل کی رنگ آمیزی آسان نہیں۔ عشق اور محبت کے تقاضے جدا ہیں اور ہوش و خرد کے پیمانے جدا۔ عشقیہ شاعری تو آورد کے زور پر کرلی جاتی ہے لیکن نعتیہ شاعری کا دارومدار تو عشق رسول پر ہے اس لئے اس میں آمد ہی آمد ہے۔ جب دل یادِ حبیب خدا میں تڑپتا مچلتا ہے اس وقت کے جذبات موجزن ہو کر طبع موزوں سے ابلتے ہیں اور نعتیہ شاعری میں ڈھل جاتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت اکثر فرمایا کرتے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار سے دلِ بے قرار کو تسکین دیتا ہوں ورنہ شعر و سخن میرا مذاق طبع نہیں۔

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا!

نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ردی تھی کیا کیسے قافیئے تھے

اعلیٰ حضرت کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ محبت تھی اور آپ کے دل میں جو حضور سے جذبہ پرستاری موجزن تھا وہ درِ حبیب پر جبیں سائی کا مقتضی ہے لیکن شریعت روکتی ہے۔ یہ اعلیٰ حضرت کا کمال ہے کہ تقاضائے محبت کو حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے کس طرح پورا کیا۔ فرماتے ہیں۔

اے شوقِ دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں

اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

آپ نے اپنے تبحر علمی کے سہارے عشق و محبت کا اظہار تمام سرشاری اور فدائیانہ انداز میں کیا ہے فرماتے ہیں۔

اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے	یہ راہ جانفزا مرے مولا کے در کی ہے
واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جانِ نو	یہ راہ جانفزا مرے مولا کے در کی ہے
کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں	نرگس مستِ ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں
لب سیراب کا صدقہ پانی	اے لگی دل کی بجھانے والے
ہو گیا دھک سے کلیجہ میرا	ہائے رخصت کی سنانے والے

طرز ادا کا بانکپن، ندرت مضمون اور لطف زبان سے مرصع کلام کے ساتھ ساتھ آپ کے ان اشعار سے جن میں نعت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن حکیم واحادیث کی تلمیحات بلکہ عبارات کے حوالہ جات ہیں۔ آپ کے بالگاہ علم کا اندازہ ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو والہانہ محبت آپ کے دل میں موجزن ہے اس کا بھی پتہ چلتا ہے۔

لَیْلَۃُ الْقَدْر میں مطلع الفجر حق	مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
معنی مادائے مقصد مازغیٰ	نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام
تو عرش ایمن نرانی ذاہب میں مہمانی ہے	نہ لطف ادن یا احمد نصیب لن ترانی ہے
مژگاں کی صفیں چار ہیں دو ابرو ہیں	والفجر کے پہلو میں لیالِ عشر
ان پر کتاب اتری بیانًا لکل شیئٍ	تفصیل جس میں ماعبر و ما غبر کی ہے

اعلیٰ حضرت کا یہ علمی کمال ہے کہ مضامین کی رفعت، خیال کی بلندی، شکوہ الفاظ قرآن مقدسہ اور احادیث مبارکہ کے استدلال و حوالہ جات کے سبب جو کلام سلیس و سادہ باسلاست و سادگی کا اعلیٰ نمونہ نہیں رہا تو موزونیت وحسن بیان نے کلام کو منتہائے بلاغت

تک پہونچا دیا ہے۔ جیسے

ایسا اُمی کس لئے منت کش استاذ ہو	کیا کفایت اس کو اقرا ربک الاکرام نہیں
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ تھا وعدہ ازلی	نہ منکروں کا عبث بدنصیب ہونا تھا
یہ ان کا بڑھنا تو نام کا تھا حقیقتاً فعل تھا اُدھر کا	تنزلوں میں ترقی افزا دنیٰ تدلیٰ کا سلسلہ تھا

اعلیٰ حضرت کا کلام ان کی تبحر علمی کا آئینہ دار ہے یہ بات الگ ہے کہ ہماری کم علمی کے سبب ان کے عالمانہ اشعار ہماری فہم سے بالا ہیں مگر ہم ان کو معمہ یا چیستان نہیں کہہ سکتے۔ ہم اگر قدیم طرز پر اپنی روایات اپنی تاریخ اور اپنی مذہبی خصوصیات سے واقف ہیں تب اعلیٰ حضرت کا کلام سمجھنا ہمارے لئے آسان ہے معمہ اور چیستان تو ان لفظی بھول بھلیوں کو کہتے ہیں کہ علم کا ان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ عقل کی رسائی پر مدار ہوتا ہے جیسے

لوٹے دریا کی کلائی زلف الجھی بام میں	مورچہ مخمل میں دیکھا آدمی بادام میں

لیکن اعلیٰ حضرت کے عالمانہ اشعار ایسے نہیں ہاں ان میں فنی مصطلحات، تاریخی تلمیحات، احادیث کے اشارات قرآن پاک کے فرمودات اور علمی تعلیقات ہیں۔ تقریباً تمام علوم از قسم فلسفہ، علم نجوم، علم ہندسہ، علم منطق، علم ہیئت اور قرآن و حدیث ان کے کلام میں موجود ہیں۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ انہوں نے اپنی عالمانہ شان دکھانے کے لئے اپنے تبحر علمی کے اظہار کا اہتمام کیا ہوگا بلکہ وہ اس پایہ کے عالم تھے کہ یہ سب بے ساختگی میں ان کے کلام کا حسن بن گئے۔

کائنات کی جس چیز پر ان کی نظر پڑی یا فکر رسا کی جہاں بھی رسائی ہوئی ہے اس نے سرور کائنات کے جس وصف و خوبی کا مظاہرہ کیا ہے وہی اعلیٰ حضرت کے لئے مضمون نعت بن گیا ہے۔ دیکھئے ان کی فکر رسا نے کتنی بلند پروازی اور کیسی معنی خیز نکتہ آفرینی کی ہے۔

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں	حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
دنیا مزار حشر جہاں ہیں غفور ہیں	ہر منزل اپنے چاند کی منزل غفر کی ہے
سعدین کا قران ہے پہلوئے ماہ میں	جھرمٹ کئے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے
سراغ اَیْنَ و متیٰ کہاں ہے نشانِ کیف و الیٰ کہاں ہے	نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے
محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل	کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

آپ کی طبع رسا نے بلند سے بلند مضمون کو نہایت خوبی سے سانچے میں ڈھالا ہے اور زبان کے جوہر دکھلائے ہیں۔

غبار بن کر نثار جائیں کہاں اس رہ گزر کو پائیں	ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے
بنا یہ داغ ملگجی تھا اٹھا دیا فرش چاندنی کا	ہجوم تار نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے
چلا وہ سرو چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں!	پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گذر چکے تھے
ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا	جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے
بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رکتے	جو قرب انہیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے
ہوا نہ آخر کہ ایک بجرا تموج بحر ہو سے ابھرا!	دنیٰ کی گودی میں ان کو لے کے فنا کے لنگر اٹھا دیئے تھے
اٹھے جو قصر دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے	وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

اعلیٰحضرت نے فنِ شعر میں کسی کے سامنے زانوئے شاگردی طے نہیں کیا اور نہ ہی کسی سے اصلاح کلام حاصل کی جیسا کہ ارشاد ہے
جبینِ طبع ہے ناسودہ داغ شاگردی غبارِ منتِ اصلاح سے ہے دامن دُور
یہ بھی اعلیٰحضرت کا کمال ہے کہ کسی استاد کی رہنمائی کا مرہون اصلاح ہوئے بغیر لوازمِ شاعری، فصاحت و بلاغت معانی و بیان طرزِ ادا کے محاسن اور فنِ شاعری کے تمام راز ان پر آشکارا ہو گئے۔ ان کا کلام زبان کی سادگی اور روزمرہ کی لطافت سے بھرپور ہے۔

یادِ حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں
سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں
راہِ نبی میں کیا کمی فرشِ بیاضِ دیدہ کی جادۂ ظل ہے ملگجی زیرِ قدم بچھائے کیوں!

آپ کے کلام کی طرزِ ادا کا بانکپن، پیاری زبان، اچھوتے مضامین، زبان کی سلاست و سادگی، محاورہ کا حسین امتزاج، شوخیٔ بیان، بے ساختگی، سوز و عشق اور رنگِ تغزل ملاحظہ ہو۔

رُخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی رہ گیا بوسہ نقشِ کفِ پا ہو کر
اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا ہے باڑا کہ چاند و سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے
ستم کیا کیسی مت کٹی تھی قمر وہ خاک ان کے رہ گزر کی اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھتا مٹے تھے
خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروروں منزل میں جلوہ کر کے ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آ لئے تھے

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام
بھینی بھینی مہک پر مہکتی درود پیاری پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام
سیدھی سیدھی روش پر کروروں درود سادہ سادہ طبیعت پہ لاکھوں سلام
لطفِ بیداریٔ شب پہ بے حد درود عالمِ خوابِ راحت پہ لاکھوں سلام
میرے آقا کا وہ در ہے جس پر! ماتھے گھس جاتے ہیں سرداروں کے
میرے عیسیٰ ترے صدقے جاؤں طَور بے طَور ہیں بیماروں کے
مجرمو! چشم تبسم رکھو! پھول بن جاتے ہیں انگاروں کے

مضمون آفرینی، ندرتِ تخیل، زبان کا لطف، سلاست روانگی، طرفگیٔ بیان، نازک خیالی، اختراعِ تراکیب، بندش کی چستی الفاظ کی موزونیت اور استعارات و کنایات، صنائع و بدائع کی رنگ آمیزی آپ کے کلام کی خصوصیت ہے۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نور کا
میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
کیا بنا نامِ خدا اسرا کا دولہا نور کا سر پہ سہرا نور کا بر میں شہانہ نور کا

وصف رخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا ‎ — ‎ قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا
جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا ‎ — ‎ نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
انجمن والے ہیں انجم بزم حلقہ نور کا ‎ — ‎ چاند پر تاروں کے جھرمٹ سے ہے ہالہ نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا! ‎ — ‎ سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
آب زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا ‎ — ‎ مصحف اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا
صبح کردی کفر کی سچا تھا مژدہ نور کا ‎ — ‎ شام ہی سے تھا شب تیرہ کو دھڑکا نور کا

ہر سخنور جانتا ہے کہ کسی نعت گو کا معنی آفرینی کے ساتھ ساتھ شکوہ الفاظی، بے ساختگی اور بندشوں کی چستی سے عہدہ برآ ہو جانا اس کی شاعری کا کمال ہے۔ جس کی مثال اعلیٰ حضرت کے اکثر کلام کے علاوہ وہ نعت بھی ہے جو عربی فارسی ہندی اور اردو زبانوں میں ہے۔ ان چاروں زبانوں کے امتزاج سے بندش اور الفاظ کے دروبست پر جو بار پڑے گا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اس کے علاوہ مضمون آفرینی اور شکوہ الفاظی کے تقاضے اس کے سوا ہیں اور اس خوبی کے ساتھ چاروں زبانوں کے التزام کے باوجود ہر زبان کا ٹکڑا نہایت سلیس و برجستہ ہے۔ طرفگی یہ کہ کسی اور نعت گو کی صلاحیتیں اس خوبی کے مظاہرے سے قاصر رہی ہیں۔ اعلیٰ حضرت اس انداز بیان میں منفرد ہیں۔

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا ‎ — ‎ جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ ہر دوسرا جانا
یا شمس نظرت الی لیلی چو بطیبہ رسی عرض بکنی!! ‎ — ‎ توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالہ مہ زلف ابر اجل! ‎ — ‎ تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
القلب شج والھم شجوں دل زار چناں جاں زیر چنوں! ‎ — ‎ پت اپنی بپت کا سے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا
الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا! ‎ — ‎ مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

غزل میں عشقیہ مضامین بیان کرنے کے لئے کوئی قید پابندی نہیں لیکن نعت شریف کہنے کے لئے ان مراتب کا جاننا ضروری ہے جو ایک نبی کے لئے مخصوص ہیں اور ان آداب قیود شرعی کا ملحوظ رکھنا لازمی ہے جو اس راہ کے سالک کو بے راہ روی سے روکتے ہیں یعنی نعت گو کے لئے معارف قرآن اور اسرار شریعت سے باخبری نہ ورنی ہے اعلیٰ حضرت اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ ‎ — ‎ بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی! ‎ — ‎ یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

کیونکہ احکام شریعت کا ملحوظ رکھنا ہر ہمہ شما کا کام نہیں اسی لئے تو صرف نعت لکھنے والے شعراء کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ یہاں تو بے قراری و بے تابی کو بھی ادب سکھایا جاتا ہے کہ کہیں بے تابی میں دامن ادب ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے اور جذبات کی عکاسی کے لئے بھی سلیقہ درکار ہوتا ہے کہ آداب بارگاہ رسالت کا پاس کیا جائے اور حضور نبوت کے مراتب عالیہ کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کا پورا پورا لحاظ رکھا یہاں تک کہ حضور محبوب امیدوں کا مچلنا بھی گوارا نہ فرمایا۔

حضور ان کے خلاف ادب تھی بے تابی ‎ — ‎ مری امید تجھے آرمیدہ ہونا تھا۔

تو محبوب کے آستانہ پر کسی کا پھڑکنا کب پسند ہوگا۔ فرماتے ہیں۔

ارے یہ جلوہ گہ جاناں ہے کچھ ادب بھی ہے پھڑکنے والے

اعلیٰ حضرت کا سارا کلام شاہد ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا میں سدا ایسے الفاظ اور ایسے کلمات استعمال کئے ہیں جو انتہائی ادب اور بے حد محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ایسی کوئی بات زبان پر بھی نہیں لائے جو پیارے حبیب کی شان و مرتبے کے مطابق نہ ہو۔ الف سے لے کر یا تک آپ ان کا کلام پڑھ جایئے کسی شعر میں یثرب کی ہوا تک نہ پائیں گے۔

اللہ کے پیارے حبیب نے اپنے قدوم میمنت اور ورود بابرکت سے یثرب سے تمام برائیوں اور بیماریوں کو دور فرما کر اسے یثرب سے طیبہ بنا دیا تھا تو بھلا اعلیٰ حضرت کی زبان پر مدینۃ النبی کے لئے یثرب کا لفظ کیوں کر آتا۔ جبکہ حدود شریعت سے ناواقف شعراء اپنی عقیدت اور جوش بیان میں توحید کی حدود گرا دیتے ہیں۔ رسول کو خدا بنا دیتے ہیں اولیائے کرام کو صحابہ عظام پر فضیلت دے جاتے ہیں، یا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اس انداز میں کرتے ہیں کہ احترام انبیاء باقی نہیں رہتا لیکن اعلیٰ حضرت کے کلام کو پاس شریعت نے ان لغزشوں سے پاک رکھا۔ بقول مولانا بدر الدین صاحب "اعلیٰ حضرت نے حدود شریعت میں رہ کر جس جوش اور جس خلوص سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے پڑھے ہیں اور جس ولولہ و کیف کے ساتھ اپنے مولیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے نغمے گائے ہیں وہ آپ اپنی مثال ہیں۔ نعت و منقبت میں آپ کا کوئی حریف و مقابل نہیں"

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں

نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضاؔ کی قسم

شاعری میں سراپا نگاری کو کمال سخن سمجھا جاتا ہے اور مشہور شعراء نے اپنے کمال فن دکھانے کے لئے اس میں اپنا زور قلم صرف کیا ہے لیکن نعت شریف میں سرکار دو عالم کا سراپا نظم کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی یہاں بڑے بڑے سخنوروں اپنی صلاحیتیں کھو بیٹھے ان کا زور بیان نہ چل سکا اور نطق سر بگریباں ہو گیا۔ یہ اعلیٰ حضرت کی تبحر علمی اور قادر الکلامی ہے کہ سراپائے سرکار دو عالم لکھنے میں بھی ان کا زور بیان اسی طرح قائم رہا۔ بلکہ اس کے حسن و دلکشی نے تو عوام کا دل ایسا موہ لیا ہے کہ ہر محفل میں اس کی گونج سنائی دیتی ہے جسے دیکھ کر اعلیٰحضرت کی ملک سخن پر شاہی تسلیم کرنی پڑتی اور در درح کی خواہش ہوتی ہے کہ

اعلیٰ حضرت سے قدسی کہیں ہاں رضاؔ

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

یہی وہ سلام ہے جس میں سرکار دو عالم کے پورے سراپے کا بیان عجیب والہانہ انداز میں کیا گیا ہے لذت روح کے لئے چند اشعار مطالعہ کیجئے۔

جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں	اس گل پاک منبت پہ لاکھوں سلام
طائران قدس جس کی ہیں قمریاں	اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے سر سروراں خم رہیں	اس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام
لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق!	مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
دور و نزدیک کی سننے والے وہ کان!	کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبیں سعادت پہ لاکھوں سلام

جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

جن کے آگے چراغ قمر جھلملائے
ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

ملفوظ امام احمد رضا

بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر "لا الہ الا اللہ" اور دوسرے پر "محمد رسول اللہ" (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوگا۔

"امام احمد رضا رح"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی چند نعتوں کا ابتدائی متن

(مولانا نور محمد قادری)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اُن نادرِ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے جو بقول حضرت اقبال کعبہ و بت خانہ کی صدیوں پر محیط آہ و فغاں کے نتیجہ میں منصۂ شہود پر آتی ہیں ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات　　تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں (اقبالؒ)

اور اپنے بے پناہ علم و فضل کی بدولت کائنات پر چھا جاتی ہیں۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالئے تو ایسی ہستیوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکے گی جو بیک وقت علوم و فنون اور علم و عمل کے لحاظ سے اتنی جامع حیثیت کی مالک ہوں گی جس قدر مولانا بریلوی تھے۔ محترم دوست پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب "اکرام امام رضا" کے تعارف میں تحریر فرماتے ہیں۔

"وہ امام ربانی بھی ہیں، وہ شیخ الہند بھی ہیں، سبحان الہند بھی ہیں، امام الہند بھی ہیں، حکیم الامت بھی ہیں۔ رئیس الاحرار بھی ہیں، شاعرِ مشرق بھی ہیں اور شاعرِ اسلام بھی ہیں۔ بہ یک وقت وہ بہت کچھ ہیں۔ شاید دس برس قبل راقم کو بھی یہ باتیں مبالغہ معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن عین الیقین کے بعد مبالغہ نہ رہیں[1]۔"

مندرجہ بالا الفاظ ایک عام پڑھے لکھے آدمی کے نہیں بلکہ ایک ایسے صاحب علم و فضل کے قلم سے نکلتے ہیں جن کے رشحاتِ قلم کا خاص و عام سبھی لوہا مانتے ہیں۔ وہ ایک ڈگری کالج (سکرند گورنمنٹ سائنس کالج کے پرنسپل بھی ہیں۔ پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ بھی۔ پروفیسر صاحب کو مولانا کی ذات میں جو صفات نظر آئی ہیں بادی النظر میں وہ بے شک مبالغہ اور دُور از حقیقت نظر آتی ہیں۔ لیکن جو شخص بھی مولانا بریلوی کی تصنیفات تالیفات کا خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرے گا وہ ان صفاتِ عالیہ کو زد دیا بدیر تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

یہی نہیں کہ مولانا بریلوی کو بہت سے علوم و فنون پر عبور حاصل تھا بلکہ ان علوم میں سے ہر ایک کے ساتھ انھیں طبعی مناسبت بھی تھی اور ہر علم میں انہوں نے اس درجہ کی استعداد بہم پہنچائی کہ عقل حیران و دنگ رہ جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے خود نہیں بلکہ ان فنون نے بقولِ غالب ؏ شعر خود آں خواہش کرد کہ گردد فنِ ما

---

[1] اکرام امام رضا تالیف مفتی برہان الحق مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء ص ۷

خود خواہش ظاہر کی کہ مولانا انھیں اپنے دامن سے وابستہ کریں ۔

ان فنونِ عالیہ میں سے ایک "شاعری" بھی ہے جسے مولانا نے اپنایا تو ہر صاحب ذوق سے اپنا لوہا منوایا۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری پروفیسر کراچی یونیورسٹی فرماتے ہیں ۔

"مولانا حسرت موہانی نے اچھے شعر کے متعلق حکم لگایا ہے ؎

شعر دراصل ہیں وہی حسرت دل میں سنتے ہی جو اتر جائیں

مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نعتیہ شاعری اس معیار پر پوری اترتی ہے کہ جو شخص ان کے اشعار سنتا ہے سر دھنتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا اپنے ذوقِ سخن کا مذاق اڑواتا ہے"۔

حقیقت میں ایسا ہی ہے ۔ آپ کے اشعار از دل ریزد بر دل خیزد کے مصداق ہیں اور ان اشعار سے متاثر ہونے والوں میں حضرت داغ دہلوی اور علامہ اقبال جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں بھی ہیں ۔ داغ دہلوی نے ایک دفعہ اپنے مایہ ناز شاگرد حسن بریلوی سے مولانا کا یہ شعر ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

سنا تو عش عش کر اٹھے اور کہنے لگے ۔

"مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے"۔

(۴)

غلط یا صحیح عام طور پر یہ مشہور ہے کہ روزِ ازل میں مولوی حضرات کو حسبِ خواہش علم کی دولت سے نوازا گیا لیکن درد اور سوز و گداز کو ایک حقیر سی چیز سمجھ کر ان حضرات نے ٹھکرا دیا یہ کہاوت کسی حد تک تو صحیح ہے لیکن ہر مولوی پر صادق نہیں آتی ۔ بڑے بڑے علماء کرام کے شعری مجموعوں میں سے ایسے اشعار کافی تعداد میں ملتے ہیں جو سوز و گداز کی خوبیوں کا مرقع ہیں اور کسی استادِ فن کے کلام سے کم درجہ کے نہیں ۔ یہاں میں مثال کے طور پر مولانا بریلوی ہی کے چند شہ پارے پیش کروں گا کیونکہ موجودہ صدی میں ایک روایتی عالمِ دین کی حیثیت سے وہی سب سے زیادہ مشہور و معروف ہیں ؎

آتشِ دل بھی تو بھڑکا ادب داں نالو ٭ کون کہتا ہے کہ تم ضبطِ نفس جانے دو

دیدِ گل اور بھی کرتی ہے قیامت دل پر ہم صفیرو ہمیں پھر سوئے قفس جانے دو

دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے نہیں! کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہمکو ہو

جہاں کی خاک روبی نے چمن آرا کیا تجھکو صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب نظارہ روئے جاناں کا بہانہ کر کے حیرت کا

شوق روکے نہ رکے پاؤں اٹھائے نہ اٹھے کیسی مشکل میں ہیں اللہ تمنائی دوست

یہ جامِ تلخ وہی خوشگوار کرتے ہیں جو ان کی یاد دمِ احتضار کرتے ہیں

ایک غزل کے چند فارسی اشعار بھی دیکھئے ۔

حیرت زدہ ام چہ خواب دیدم درعینِ شب آفتاب دیدم

قربان نگاہِ خود کہ آن نور !!	بے پردہ و بے نقاب دیدم
آہ جلوۂ رخ بزیرِ گیسو !!	خورشید تہِ سحاب دیدم
برقے ز طور جاں رباید !!	این طرفہ کرے حجاب دیدم
باراں بہ رضا خبر کہ امشب	در دے بہ دلِ خراب دیدم

چند سطور پیچھے ہم مولانا بریلوی کا یہ شعر نقل کر آئے ہیں ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں	تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس شعر کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے ایک عظیم غزل گو فیض احمد فیض کا مشہور ترین شعر ؎

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے	چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

ذہن میں رکھئے۔ فیض شدت سے اس ہستی کا انتظار کر رہے ہیں جس کے بغیر نہ گلوں میں رنگ بھرتا ہے نہ بادِ نو بہار چلتی ہے۔ چمن اجڑا اجڑا سا نظر آتا ہے لیکن مولانا اس جانِ بہار کی آمد کا مژدہ طالبوں کو سنا رہے ہیں کہ اٹھو اور دیکھو ع
"وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں۔

اور پھر مولانا کے شعر میں جو روانی اور بے ساختگی ہے وہ فیض جیسے فنکار کے یہاں نہیں۔ اعلیٰ حضرت رضا کے کلام کا اساتذہ کے کلام سے موازنہ ہمارا موضوع نہیں ہے ورنہ یہ موضوع اپنی جگہ بڑا وسیع اور دلچسپ ہے۔ کاش ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب اس طرح توجہ فرمائیں۔

(۵)

حضرت رضا نے اساتذہ فن کی طرح اپنے مجموعۂ کلام " حدائق بخشش" کی ترتیب کے وقت اپنے کلام پر نظر ثانی کی ہے کہیں الفاظ میں ترمیم و تبدیلی کی ہے اور کہیں پورے کے پورے مصرعے بدل دیئے ہیں۔ کمزور اشعار کو خارج کر دیا ہے اور کئی نعتوں میں نئے اشعار کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ہم ذیل میں ان کی ایک نعتیہ غزل کا قدیم متن پیش کر رہے ہیں۔ یہ متن ایک نعتیہ مجموعۂ "گلزار نعت" مرتبہ منشی رحمٰن علی طپش مطبوعہ کانپور ۱۳۱۹ھ سے لیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ حدائق بخشش سے چھ سال قبل شائع ہوا تھا۔

اب مذکورہ متن ملاحظہ ہو۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو	کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں!	آؤ جودِ شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت	اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے	ابر رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو
دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بیتابوں کی!	ان کے کشتوں کا بھی حسرت سے تڑپنا دیکھو
مثل پروانہ پھرا کرتے ہیں جس شمع کے گرد	اس کو دل سوختہ پروانہ یہاں کا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ	قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا	یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو!

طورِ ایمن میں تھا واں رکنِ یمانی کا فروغ ! — شعلۂ نور یہاں انجمن آرا دیکھو!
ہر در کا مزہ دیتا ہے آغوشِ حطیم! — جن پہ ماں باپ فدا یاں کرم انکا دیکھو
زینت کعبہ میں تھا لاکھ عروسوں کا بناؤ — جلوہ فرما یہاں کونین کا دولھا دیکھو
عرض حاجت میں رہا کعبہ کفیل الحجاج — آؤ اب دادرسیٔ شہ طیبہ دیکھو!
دھو چکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگ اسود — خاک بوسیٔ مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
کر چکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پروازیں — ٹوپی اب تھام کے خاکِ درِ والا دیکھو
بے نیازی سے وہاں کانپتی ہوگی طاعت — جوشِ رحمت پہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو!
جمعہ مکے کا تھا عید اہلِ عبادت کیلئے — مجرمو آؤ یہاں عیدِ دوشنبہ دیکھو!
ملتزم سے تو چمٹ خوب نکالے ارماں — ادب و شوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو!
حاجیو کعبے میں تم کوہِ صفا پر دوڑے — رہِ جاناں کی صفا کا بھی تماشہ دیکھو
رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں — دلِ خوں نابہ چکاں کا بھی تڑپنا دیکھو

غور سے سن تو رضا کعبے سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو — گلزارِ نعت ص ۵۶-۵۷

اب اس قدیم متن اور مروجہ متن میں جو اختلافات ہیں وہ ملاحظہ فرمائیے ۔ قدیم متن گلزارِ نعت مطبوعہ کانپور ۱۳۱۹ھ اور مروجہ متن حدائق بخشش حصہ اول مطبوعہ لاہور ۱۳۶۵ھ سے تعلق رکھتا ہے ۔ گلزار نعت کے لئے "گ" اور حدائق بخشش حصہ اول کے لئے "ح اول" کے مخففات استعمال کئے گئے ہیں ۔

نمبر	مصرع اول	مصرع ثانی	حوالہ
(۱)	دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بے تابوں کی	اُن کے کشتوں کا بھی حسرت سے تڑپنا دیکھو	گ ص ۵۶
	" " " " "	ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو	ح اول ص ۴۲
(۲)	مثلِ پروانہ پھرا کرتے ہیں جس شمع کے گرد	اس کو دل سوختہ پروانہ یہاں کا دیکھو	گ ص ۵۶
	" " " " جو " "	اپنی اس شمع کو پروانہ یہاں کا دیکھو	ح اول ص ۴۲
(۳)	طورِ ایمن میں تھا واں رکنِ یمانی کا فروغ	شعلۂ نور یہاں انجمن آرا دیکھو	گ ص ۵۷
	ایمن طور کا تھا رکن یمانی میں فروغ	شعلۂ طور یہاں انجمن آرا دیکھو	ح اول ص ۴۲
(۴)	ہر در کا مزہ دیتا ہے آغوشِ حطیم	جن پہ ماں باپ فدا یاں کرم اُنکا دیکھو	گ ص ۵۷
	ہر مادر کا مزہ دیتی تھی آغوشِ حطیم	" " " " " "	ح اول ص ۴۲
(۵)	بے نیازی سے واں کانپتی ہوگی طاعت	جوشِ رحمت پہ یاں ناز گنہ کا دیکھو	گ ص ۵۷
	بے نیازی سے واں کانپتی پائی طاعت	" " " " " " "	ح اول ص ۴۳
(۶)	ملتزم سے تو چمٹ خوب نکالے ارماں	ادب و شوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو	گ ص ۵۷
	ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے ارماں	" " " " "	ح اول ص ۴۳

(۷) حاجیو کعبے میں تم کو وہ صفا پر دوڑے ۔۔۔ رہِ جاناں کی صفا کا بھی تماشہ دیکھو ۔۔۔ گ ص۵۵
خوب مسعیٰ میں با مید صفا دوڑ لئے ۔۔۔ " " " " " " ۔۔۔ ح اول ص۴۳

(۸) رقص بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں! ۔۔۔ دل خونابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو ۔۔۔ گ ص۵۵
رقص بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں ۔۔۔ دل خونابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو ۔۔۔ ح اول ص۴۳

گلزار نعت میں اعلیٰ حضرت رضا کے کلام کا قدیم متن معتد بہ تعداد میں محفوظ ہے۔ وہ بھی انشاء اللہ جلد شائقین کی نذر کیا جائے گا۔

اسی طرح مندرجہ ذیل نعتوں کو ملاحظہ فرمایئے تو ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت رضا نے اپنے کلام میں ترمیم فرمائی۔

نعت ۱؎ مندرجہ ذیل نعت ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تری گلی سے جائے کیوں

گلزار نعت مطبوعہ ۱۳۱۹ھ مطبع نظامی کانپور میں اس نعت کے صرف پانچ اشعار ہیں جب کہ حدائق بخشش حصہ اول کے مروجہ ایڈیشن میں پندرہ اشعار ہیں۔ حدائق بخشش کی ترتیب کے وقت دو اشعار میں لفظی ترمیم کی گئی ہے۔ جو درج ذیل ہے ؎

(۱) جان ہے عشق مصطفےٰ روز افزوں کرے خدا ۔۔۔ جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں ۔۔۔ گ ص۵۴
جان ہے عشق مصطفےٰ روز افزوں کرے خدا ۔۔۔ جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں ۔۔۔ ح اول ص۲۹

(۲) راہ میں ان کی کیا کمی فرش بیاض دید کی ۔۔۔ چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں ۔۔۔ گ ص۵۴
راہِ نبی میں کیا کمی فرشِ بیاض دید کی ۔۔۔ چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں ۔۔۔ ح اول ص۲۹

نعت ۲؎ مندرجہ ذیل قصیدہ معراجیہ ؎

وہ سرور کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے ۔۔۔ خدا نے مہمانیوں کے سامان عجب عجب طرز سے کئے تھے

کے اشعار کی تعداد گلزار نعت میں صرف سولہ ہے لیکن حدائق بخشش میں یہ تعداد ۶۷ تک پہونچ گئی ہے اور اس طرح اس میں نظر ثانی کے وقت ۵۱ اشعار کا اضافہ ہوگیا۔ لیکن پھر بھی گلزار نعت میں تین ایسے اشعار موجود ہیں جنھیں حدائق بخشش کی ترتیب کے وقت شامل نہیں کیا گیا اور اس کے علاوہ لفظی اختلافات بھی بہت زیادہ ہیں۔ پہلے وہ اشعار ملاحظہ ہوں جو حدائق بخشش میں شامل نہیں۔

وہ حسن بیچوں کہ جس کے موسیٰ تھے ناز بردار لن ترانی ۔۔۔ اُسی کے جلوے سے ہم بھی یاں دیدۂ دل کو بڑھا رہے تھے
بڑھا وہ سرو چمن خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں ۔۔۔ پلک جھپکتی رہی وہ اکدم میں لوح و کرسی سے بڑھ گئے تھے
ہجوم شوخانِ خلد سے واں ہر اک روشن عالم چراغاں ۔۔۔ بھبو کے چہرے جھراو گہنے جھمک دمک پر پھبن بنے تھے (گ ص۶۰)

اب اشعار کے لفظی اختلافات ملاحظہ ہوں ؎

(۱) وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے ۔۔۔ خدا نے مہمانیوں کے سامان عجب عجب طرز سے کئے تھے ۔۔۔ گ ص۵۹
وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے ۔۔۔ نئے نرالے طرب کے سامان عرب کے مہمان کے لئے تھے ۔۔۔ ح اول ص۶۰

(۲) عیاں وہ نازش کا چمکتا غزال رم خوردہ سا بھڑکنا ۔۔۔ کہ برق جلوے سے لاکھوں کے تڑپ کے آنکھوں پہ گر رہے تھے ۔۔۔ گ ص۵۹

عجب تھا رخش کا چمکنا غزالِ رم خوردہ سا بھڑکنا — شعاعیں بکے اڑا رہی تھیں تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے ح اوّل ص۴۷

(۳) ابھی نہ آئے تھے پشتِ زیں تک کہ واں تبسم کرم نے یک یک — جو پیرے رُکے گل قدم سے الٹنے کو تھے الٹ دیئے تھے گ ص۶۰

ابھی نہ آئے تھے پشتِ زیں تک کہ سرہوئی مغفرت کی شلک — صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے ح اوّل ص۴۷

(۴) تجلی حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور — دو رویہ قدسی پرے جما کر سلامیوں کے لئے کھڑے تھے گ ص۶۰

تجلیٔ حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور — دو رویہ قدسی پرے جما کر سلامی کے واسطے کھڑے تھے ح اول ص۴۷

(۵) نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سرّ عیاں ہو معنیٔ اوّل و آخر — کہ دست بستہ کھڑے تھے پیچھے جو سلطنت آگے کر گئے تھے گ ص۶۱

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سرّ عیاں ہو معنیٔ اوّل و آخر — کہ دست دلبستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے ح اوّل ص۴۷

(۶) نقاب الٹی وہ مہرِ انورِ جلالِ عارض وہ گرمیوں پر — کہ ساتوں گردوں وفورِ ہیبت سے آبلہ ساں ٹپک رہے تھے گ ص۶۰

نقاب الٹے وہ مہرِ انورِ جلالِ رخسار گرمیوں پر — فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی ٹپکتا انجم کے آبلے تھے ح اوّل ص۴۸

(۷) زباں کو تھا انتظارِ گفتن تھی گوش کو حسرتِ شنیدن — کہ یاں جو کہنا تھا کہہ چکے تھے جو بات سننی تھی سن چکے تھے گ ص۶۰

زباں کو انتظارِ گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن — یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے ح اوّل ص۴۷

(۸) وہ برجِ خوبی کا مہ پارہ برائے سیرِ جناں سدھارا — چمک یہ تھا خلد کا ستارہ کہ اس قمر کے قدم گئے تھے گ ص۶۰

وہ برجِ بطحیٰ کا مہ پارہ بہشت کی سیر کو سدھارا — چمک پہ تھا خلد کا ستارہ کہ اس قمر کے قدم گئے تھے ح اوّل ص۴۹

(۹) جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی — سواری دولہا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے گ ص۶۰

جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی — سواری دولہا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے ح اوّل ص۴۹

(۱۰) سرورِ مقدم کی روشنی تھی کہ تابشوں سے مہِ عرب کے — جناں کے گلبن تھے جھاڑ فرشی جو پھول تھے سب کنول ہوئے تھے گ ص۶۰

سرورِ مقدم کی روشنی تھی کہ تابشوں سے مہِ عرب کے — جناں کے گلبن تھے جھاڑ فرشی جو پھول تھے سب کنول بنے تھے ح اوّل ص۴۹

(۱۱) طرب کی نازش کہاں لچکتی ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکتی — عجب ہوا تھا کہ کشمکش میں جناں کے گلبن بھرے ہوئے تھے گ ص۶۰

طرب کی نازش کہ ہاں لچکئے ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکئے — یہ جوش ضدین تھا کہ پودے کشاکشِ ارّہ کے تلے تھے ح اوّل ص۴۹

نعت ۳ مندرجہ ذیل نعت سے

بیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے — آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے

کے اشعار کی تعداد گلزارِ نعت میں پندرہ ۱۵ اور حدائقِ بخشش میں سترہ ۱۷ ہے لفظی اختلافات ملاحظہ ہوں ؎

(۱) کشتگانِ گرمیٔ محشر کو وہ جانِ مسیح — آپ دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے گ ص۶۲

کشتگانِ گرمیٔ محشر کو وہ جانِ مسیح — آج دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے ح اوّل ص۵۲

(۲) دم نکل جانے کی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ — ہم سے پیاسوں کے لئے دریا بہاتے جائیں گے گ ص۶۱

دل نکل جانے کی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ — ہم سے پیاسوں کے لئے دریا بہاتے جائیں گے ح اوّل ص۵۱

(۳) کچھ خبر بھی ہے فقیرو آج وہ شاہِ شہاں — نعمتِ خلد اپنے صدقے میں لٹاتے جائیں گے گ ص۶۲

کچھ خبر بھی ہے فقیرو آج وہ دن ہے کہ وہ — نعمتِ خلد اپنے صدقے میں لٹاتے جائیں گے ح اوّل ص۵۲

(۴)	گل کھلے گا آج یہ اُن کے نسیمِ فیض سے	خود وہ رُنے آئینگے ہم مُسکراتے جائیں گے	گ ص ۶۳
	گُل کھلے گا آج یہ اُن کی نسیمِ فیض سے	خون رُنے آئینگے ہم مُسکراتے جائیں گے	ح اول ص ۵۲
(۵)	ہے انھیں کے آنے تک کی دیر لے افتادگاں	خود وہ گر کر سجدہ میں تم کو اٹھاتے جائیں گے	گ ص ۶۴
	خاک افتادو بس اُن کے آنے ہی کی دیر ہے	خود وہ گر کر سجدے میں تم کو اٹھاتے جائیں گے	ح اول ص ۵۲
(۶)	آنکھیں کھولو عاشقو دیکھو وہ گریاں آتے ہیں	لوحِ دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائیں گے	گ ص ۶۴
	آنکھ کھولو غم زدو دیکھو وہ گریاں آئے ہیں	لوحِ دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائیں گے	ح اول ص ۵۲
(۷)	سرورِ دیں لیجئے اپنے ناتوانوں کی خبر	یہ شیاطیں کب تلک ہم کو ستاتے جائیں گے	گ ص ۶۴
	سرورِ دیں لیجئے اپنے ناتوانوں کی خبر	نفس و شیطاں سیدا کب تک دباتے جائیں گے	ح اول ص ۵۳
(۸)	خاک ہو جائیں وہابی جل کے لیکن اے رضا	ہم تو ذکرِ مولدِ احمد سناتے جائیں گے	گ ص ۶۴
	خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا	دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائینگے	ح اول ص ۵۲

لغت ع۴ مندرجہ ذیل لغت سے

جب کہ پیداشہِ انس و جاں ہوگیا	دور کعبے سے لوثِ بتاں ہوگیا	گ ع ۵۴

کے اشعار کی تعداد گلزارِ نعت میں بارہ ۱۲ اور حدائق بخشش حصہ سوم مطبوعہ بدایوں میں تعدادِ اشعار سولہ ہے ۔

لفظی اختلافات ملاحظہ ہوں سے

جلوہ حضرت کا جس جا عیاں ہوگیا	گلستان مجمع بلبلان ہو گیا	گ ص ۵۴
اُن کے جلوؤں کا جس دم بیاں ہوگیا	گلستان مجمع بلبلان ہو گیا	ح سوم ص ۵
چتر گردوں ترے روضۂ پاک کا	سائبان سائبان سائبان ہوگیا	گ ص ۵۴
چرخِ گردوں ترے روضۂ پاک کا	سائباں سائبان سائباں ہوگیا	ح سوم ص ۵
جس کو اُن کے مکاں کا نشاں مل گیا	بے نشاں بے نشاں بے نشاں ہوگیا	گ ص ۵۴
جس کو اوس کے مکاں کا پتہ مل گیا	بے نشاں بے نشاں بے نشاں ہوگیا	ح سوم ص ۵

رُباعی

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھکو ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھکو

مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کا خلاف لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھکو

احمد رضا

جناب محترم گرامی سید محمد ریاست علی قادری بریلوی کی وساطت سے مجھے امام احمد رضا کے چند قلمی غیر مطبوعہ رسائل (جفر کے متعلق) دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان رسائل میں علم جفر کے نایاب و نادر قواعد کا خزانہ موجود ہے گو یہ قواعد یونانی ہیں لیکن ان میں جفر کا ایک بحر ناپیداکنارہ موجزن ہے۔ اور جفر کے ان رسائل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاضل بریلوی قدس سرہٗ اس فن کے عالم تھے کہ ایسے عالم صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ان رسائل پر جابجا اصلاحی نوٹ اور تشریحی الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ جفر کے ان ادق قواعد کو فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس طرح سے حل کیا ہے جیسا کہ خود صاحب قاعدہ حل کرنے پر قادر تھا۔ اگر جناب فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے خاص ارشادات اور حواشی ان رسائل پر درج نہ ہوتے تو میرا دعویٰ ہے کہ پاکستان کا کوئی فرد ان سے استفادہ نہ کر سکتا تھا ایک چھوٹی سی بات آپ کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ رسائل میں ایک فقرہ ہے۔ "عدد اشاعی اور حرف السٗر حاصل کر" لیکن اصل رسالے میں ان دو امور کی تشریح ناقابل فہم ہے مگر فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے ان دو امور کی تشریح اس طرح کی ہے کہ آپ اب ان قواعد کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں مگر ٹھہریئے۔ ابھی نہیں۔ ابھی آپ اس قابل نہیں ہیں کہ فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی مکمل تشریح کے بعد بھی ان قواعد کو سمجھ سکیں۔ میرے اس دعوے کو جھٹلانے والے حضرات میرے سامنے آئیں اور مجھے ذرا بتائیں کہ سوال کس طرح حل کیا گیا ہے۔ میں فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے ارشادات کی روشنی میں ان قواعد میں سے صرف ایک قاعدہ اس طرح آسان لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اب کوئی "کم عقل قسم کا انسان" ان نعمتوں سے محروم رہ جائے تو رہ جائے مگر ذی علم اس مقدس اور پاک علم سے بخوبی استفادہ کر سکے گا۔ فاضل بریلوی قدس سرہٗ ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ علم جفر تمام علوم سے مشکل تر ہے اور سکھانے والے مفقود اور اکابر مصنفین کو کمال اخفا مقصود، فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس علم کو نہ کسی سے سیکھا اور نہ کسی سے مشورہ و مذاکرہ کے ذریعہ حاصل کیا بلکہ ایک بدوح ملین کہ مزدجات سے ہے حضرت سیدنا ابوالحسینی احمد نوری میاں قدس سرہٗ نے ۱۲۹۴ھ میں تذکرہ تعلیم فرمایا تھا حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی کتابوں سے بھی استفادہ فرمایا۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے اور اپنی محنت و کوشش سے بغیر کسی کی مدد لئے خود ہی سیکھا اور بفضلہ تعالیٰ اس فن میں مہارت حاصل کی۔ آپ کی کتاب سفر السفر عن الجفر بالجفر بہت مشہور ہے جس میں ساٹھ سوال ہیں یعنی جفر کو واضح کرنے کی کتاب جس نے ایک دوسرے علم زائرجہ کے ایک عظیم سر مکتوم کو بھی واضح کیا ہے جس کی نسبت حضرت شیخ اکبر محی الدین عربی رضی اللہ عنہ کے رسالہ زائرجہ

میں ہے کہ زمانہ شیث علیہ السلام سے اس راز کے اخفا کا حلفی عہد ہے۔ فاضل بریلوی قدس سرہ نے اس فن میں بھی مہارت حاصل کی۔ فرماتے ہیں کہ اس فن پر اقدام کا ائمہ فن نے یہ طریقہ رکھا ہے کہ چند روز اسماء الٰہیہ تلاوت کئے جاتے ہیں۔ مدت موعود میں خوش نصیب بندہ بکرم اللہ تعالیٰ زیارت جمال جہاں آرائے حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتا ہے۔ اگر سرکار اقدس سے اس فن میں اشتغال کا اذن ملے مشغول ہو ورنہ چھوڑ دے۔ فاضل بریلوی قدس سرہ نے ایک ہفتہ اسمائے الٰہیہ تلاوت کئے اور ایک ہی ہفتے میں سرکار کا کرم ہوا جس سے بقول فاضل بریلوی قدس سرہ اذن کا استنباط ہو سکتا تھا مگر آپ نے ظاہر پر محمول کر کے ترک کر دیا۔

فاضل بریلوی رضؔ فرماتے ہیں کہ جفر سے جواب جو کچھ نکلے گا ضرور حق ہوگا کہ علم اولیاء کرام کا ہے۔ اہل بیت عظام کا ہے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ کا ہے۔ قاعدہ سمجھنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی بہت معلومات علم جفر کے متعلق بھی پیش کر دی جائے۔
علم جفر کی دو قسمیں ہیں۔ جفر آثار اور جفر اخبار۔ جفر اخبار ہر مجہول امر کو معلوم کرنے کا علم ہے۔ جفر اخبار کی دو قسمیں ہیں۔

جفر خفیہ ۔ جفر خبریہ۔

جفر خفیہ علم الاعداد کی ایک قسم ہے۔ جو متعدد قواعد سے مزین ہے اس سے ہر سوال کا جواب صرف نفی یا اثبات میں ملتا ہے۔ جفر خبریہ کی بیسوں قسمیں ہیں اور لاکھوں قواعد ہیں۔ ان قواعد سے ہر سوال کا جواب فقرہ کی صورت میں حاصل ہوتا ہے جو اس سوال کا حتمی جواب ہوتا ہے۔ جس زبان میں سوال کیا جائے اسی زبان میں جواب ملتا ہے۔

جفر الجامع اور جفر مصحف فاطمہ کے سوا۔ لاکھوں حسابی قواعد ہیں۔ حروف کا یہ علم۔ محیر العقول ہی نہیں بلکہ معجز نما بھی ہے ایک مجہول امر کو معلوم کر لینا کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور "کرامت" اس علم کا خاصہ ہے۔

غیب کی بات کو معلوم کر لینا کچھ عقیدتمندوں کے سامنے سراسر ناممکن ہے۔ مگر جب یہ ناممکن بات..... ممکن ہو کے رہ جائے تب آپ کے کیا نظریات ہوں گے۔

میں کسی بھی عقیدے سے مناظرہ نہیں کرنا چاہتا۔ اور نہ ہی مجھے ضرورت ہے مگر ایک اصولی بات کہنے سے ہرگز دریغ نہیں کروں گا کہ اس علم کو جھٹلائے گا وہی شخص جو اس علم کی الف۔ ب۔ ت سے بھی ناواقف ہوگا۔ میری پوری زندگی علم جفر کی ریسرچ میں گزری ہے۔ اور میں نے لاکھوں نہ سہی ہزاروں سوال تو ضرور حل کئے ہوں گے جن کا نتیجہ سو فیصد درست رہا۔ ایسے رازہائے سربستہ منصہ شہود پر آئے جن کو سمجھنا انسانی عقل سے ناممکن تھا۔

گویا جہاں انسانی عقل کی انتہا ہے۔ وہاں سے اس علم کی ابتداء ہے اسی لئے یہ علم کرامت اور معجزہ سے کم نہیں ہے۔ میری تالیف شدہ درجنوں کتابیں اس علم تک پہنچنے کی ابتدائی سیڑھیاں ہیں مگر اس علم کی رفعت عرش اعظم تک ہے۔ یہ علم مدینۃ العلم اور باب مدینۃ العلوم کا علم ہے۔

اس علم کے وہبی قواعد تو رہے درکنار صرف اکتسابی قواعد کو حاصل کرنے اور سمجھنے کے لئے بھی بڑے ذہن، شعور اور عقل کی ضرورت ہے۔ میرے سامنے بیٹھ کر ایم اے۔ ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی حضرات بھی کئی حسابی مقامات کو سمجھنے سے عاجز رہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کم تعلیم یافتہ حضرات بھی بڑی آسانی سے سمجھ گئے یہ علم محض فضل ربی ہے اور محمد و آل محمد کا زندہ معجزہ ہے۔ اس علم کے دو چار قواعد جاننے اور سمجھنے والے اپنے علم کی رفعت پر اتراتے پھرتے ہیں مگر لاکھوں قواعد کے سرچشمہ

اور منبع کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے بھی بڑے مرتبہ اور عرفان کی ضرورت ہے۔

اس علم کے ماہروں نے حتی الامکان اخفا سے کام لیا۔ اس لئے کہ ہر کس و ناکس کے ہاتھوں یہ علم ذلیل اور رسوا نہ ہو جائے یہ علم ولایت کی میراث ہے۔ ولایت کی کرامت ہے۔ اور اس علم پر عبور صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے جس کا باطن درخشاں ہو۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس علم کے لاکھوں قواعد ہیں۔ مقدر کی برات ہے۔ جسے جتنا مل جائے اور جس کے مقدر میں جتنا علم ہو۔

قاعدہ یہ ہے!

اس قاعدہ سے ہر مجہول امر کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔

پردۂ راز میں ڈھکے ہوئے امور منکشف ہو سکتے ہیں۔

زندگی کے ہر دور میں اس علم سے صحیح مشورہ لیا جا سکتا ہے۔

اس علم سے بات کا جواب بات میں ملتا ہے۔ جیسے کوئی عالم الغیب ہستی دو بدو جواب دے رہی ہو اس سے حاصل شدہ جواب سو فیصدی درست آتا ہے۔

ایسے میں علم غیب نہ کہوں تو میری بدنصیبی ہے اور اگر علم غیب کہوں تو علمائے اسلام مجھے غیب سے کیا کیا گالیاں نہ دیں گے مسلمان تو اسے ہی عالم الغیب کہتے ہیں جس کے حضور کچھ غائب ہے ہی نہیں۔ ہو سکتا ہی نہیں اور میں اپنے سر پر کوئی ناجائز فتویٰ خوب لینے کی بجائے اس سلسلۂ کلام کو منقطع کر کے قاعدے کی تشریح کرتا ہوں۔

۱۔ سوال بزبان عربی لکھیں شرطیہ ہے کہ اس کے ۴۴ حروف ہوں۔ سوچ سمجھ کر ایسا فقرہ تیار کریں کہ گنتی میں جس کے ۴۴ حروف ہوں۔

۲۔ بعدہٗ بذریعہ نجوم طالع وقت کا انخراج کریں یعنی جس وقت آپ سوال حل کر رہے ہیں اس وقت افق مشرق پر کون سا برج طلوع ہو رہا ہے اور یہ بذریعہ نجوم آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے۔ حاصل شدہ برج یعنی طالع وقت سے چوتھا برج ساتواں برج اور دسواں برج بھی لکھ کر ان کو اس طرح ایک سطر میں لکھیں کہ چوالیس حروف بن جائے۔ اگر صرف بروج کے نام لکھنے سے ۴۴ حروف نہ بن سکیں اس طرح لکھیں۔

الطالع فلاں برج السابع فلاں بُرج

العاشر فلاں برج اور الرابع فلاں بُرج

۳۔ اب یہ دیکھیں کہ جس وقت آپ سوال حل کر رہے ہیں اس وقت سے لے کر اس سے پہلے دن کے غروب تک کتنے دقیقے وقت گزر چکا ہے۔ مثلاً آپ دن کے دس بجے صبح سوال کر رہے ہیں اور آپ کو اب کل روز کے مغرب سے لے کر دس بجے دن تک دقیقوں کی تعداد معلوم کرنا ہو گی اور یہ بھی بذریعہ نجوم ممکن ہے۔

۴۔ جس وقت آپ سوال کر رہے ہیں معلوم کریں کہ اس وقت کون سی ساعت ہے۔ دن کون سا ہے اور عربی مہینے کی کون سی تاریخ ہے۔

۵۔ جس وقت آپ سوال حل کر رہے ہیں اس وقت سے لیکر برج حمل کے یکم درجے تک وقت درجوں میں معلوم کریں یعنی یکم برج حمل سے وقت سوال تک کے درجوں کی گنتی کریں۔ یہ بھی بذریعہ نجوم ہی ممکن ہو سکتی ہے۔

(۶) اسمائے شریفہ لکھیں جو یہ ہیں نور مبین، ہادی اور محیظ اور ان کے اعداد بذریعہ ابجد قمری ۵۴۴ ہیں۔ یہ اعداد میں صرف آپ کی آسانی کی خاطر خود لکھ رہا ہوں ۔

(۷) ابجد قطب جس کے ۴۴ حروف ہیں اور صرف اسی قاعدہ میں استعمال ہوتی ہے اس کے اعداد ۶۳۲۳ ہیں ۔

سوال :۔ (مثال) کیف حال حیاتی فی مستقبل العمر ما العاقبتہ یوم القیامتہ ۴۴ حروف اعداد ۲۴۹۵۔

طالع الوقت الحوت القارب سنبلہ العاشر قوس الرابع جوزا : ۴۴ حروف اعداد ۲۵۶۲

دقائق ماضیہ ۹۸۳

رب الساعتہ المشتری یوم الاربعا ۵ صفر = اعداد ۲۷۶۲

درجات الشمس من الحمل ۲۸۸   اعداد اسمائے شریفہ ۵۴۴

اعداد قطب وہی ۶۳۶۳   اعداد سطر الزمام ۲۰۳۸

کل میزان ۔ ۱۸۹۰۱

ان اعداد سے مربع آتشی پُر کریں۔ جس کا قاعدہ یہ ہے کہ کل اعداد میں سے ۳۰ نفی کر کے ۴ پر تقسیم کریں۔ اب دو قسم کے اعداد آپ کو حاصل ہوں گے ایک حاصل قسمت اور دوسرا باقی قسمت ۔

حاصل قسمت کے عدد کو مربع کے خانہ اوّل میں رکھ کر ایک ایک عدد بڑھا کر ۱۶ خانوں تک پر کریں اگر باقی قسمت ایک عدد ہو تو خانہ ۱۳ میں مزید ایک بڑھا دیں ۔ اگر باقی قسمت ۲ عدد ہو تو خانہ ۹ میں مزید ایک بڑھا دیں ۔ اگر باقی قسمت ۳ عدد ہو تو خانہ ۵ میں مزید ایک بڑھا دیں ۔

مُربّع کی چال یہ ہے

١	١۴	١١	٨
١٢	٧	٢	١٣
۶	٩	١۶	٣
١۵	۴	۵	١٠

اب ۱۸۹۰۱ کا مربع پُر کریں ۔

حاصل قسمت ۔ ۳

۴٧١٧	۴٧٣١	۴٧٢٨	۴٧٢۵
۴٧٢٩	۴٧٢۴	۴٧١٨	۴٧٣٠
۴٧٢٣	۴٧٢۶	۴٧٣٣	۴٧١٩
۴٧٣٢	۴٧٢٠	۴٧٢٢	۴٧٢٧

اب آیئے رقم اشاعی کی طرف ۔
حل کرکے لکھ رہا ہوں ۔

نام برج	حمل	ثور	جوزا	سرطان	اسد	سنبلہ
رقم اشاعی	م ن س ع	و ز ح د	ح د ا ب	ر ف ص ق	ا ب ح ھ	ن س ع م
نام برج	میزان	عقرب	قوس	جدی	دلو	حوت
رقم اشاعی	ز ح ھ و	ع م ن س	ف ص ق ر	ی ک ل م	ش خ ش ت	ح ھ و ز

سوال حل کرتے وقت آپ کو یہ چار برج ملے تھے ۔

حوت طالع ۔ حروف اشاعی ح ھ و ز
سنبلہ سابع 〃 ن س ع م
قوس عاشر 〃 ف ص ق ر
جوزا الرابع 〃 ح د ا ب

مجموعہ الاسرار العشرہ

یہ اعداد مقرر ہیں اور ہر سوال میں تواتر کے ساتھ نظر میں آتے ہیں ۔

۳ - ۸ - ۱۳ - ۱۸ - ۲۳ - ۲۸ - ۳۳ - ۳۸ - ۴۳ - ۴۸ -

حروف السن معلوم کرنا

حروف آتش :- ا ھ ط م - ف ش ذ
حروف خاک :- ب و ی ن ص ت ض
حروف باد :- ج ز ک س ق ث ظ
حروف آب :- د ح ل ع ر خ غ

نوٹ :- اس قاعدہ میں آتشی بادی حروف کی تشکیل اسی طرح سے ہے ۔
آپ کا جو اصل سوال ہے ان کے چار حصے کریں ۔
آتشی حروف الگ ، خاکی الگ ، آبی الگ اور بادی الگ اور ہر ایک عنصر کے اعداد کا مجموعہ الگ الگ کریں ۔
حروف آتشی کے مجموعہ کو ۹ پر تقسیم کریں اور باقی ہندسہ لکھ لیں ۔
حروف خاک کے مجموعہ کو ۱۶ پر تقسیم کریں اور باقی کا ہندسہ لکھ لیں ۔
حروف باد کے مجموعہ کو ۱۲ پر تقسیم کرکے اور باقی کا ہندسہ لکھ لیں ۔
حروف آب کے مجموعہ کو ۱۵ پر تقسیم کرکے باقی کا ہندسہ لکھ لیں ۔ مثلاً آپ کے درج شدہ مثالیہ سوال میں یہ چار باقی اعداد یہ ملے ۔

۴ - ۱۲ - ۸ - ۱۱

ان کا میزان کریں ۲۵ ہوئے سات پر تقسیم کریں۔ باقی ۷ بچے۔
(یعنی پورا تقسیم ہوگیا اس لئے باقی سات بچے)

اب آپ کے سوال کے عناصر میں سے ترابی یعنی خاکی حروف کا میزان سب سے زیادہ آیا ہے اس ترابی یعنی خاکی حروف کا میزان سب سے زیادہ آیا ہے

آپ کا باقی بچا ہوا عدد ۷ ہے۔

خاکی حروف یہ ہیں ب د ی ن ص ت ض

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷

ساتواں حرف ض ہے لہٰذا حرف الستر آپ کے سوال میں ۲۶ یعنی ض ہے۔

شوادر = یہ اعداد مقررہ ہیں اور مسلسل آئیں گے۔

۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸

آپ کے مربع کا پہلا خانہ ۴۷۱۷ ہے۔

۷ سات

۱۰ دس

۷۰۰ سات سو

۴۰۰۰ چار ہزار ہے۔

اسے اس طرح لکھئے۔ ۷ - ۱۰ - ۷۰۰ - ۴۰۰۰

اس سطر کو عکس کردیں یعنی ۴ - ۷۰ - ۱۰۰ - ۷۰۰۰

طالع وقت کے حروف اشاعی ح ھ و ز ہیں ان کو اعداد کی صورت میں اس طرح لکھئے ۸ ۵ ۶ ۷

ح = ۸

ھ = ۵

و = ۶

ز = ۷

ان اعداد کا دور مسلسل چلے گا۔

اب اس خانے کے اعداد کو عکس اور طرد کی صورت میں ۴۴ خانوں میں لکھ لیں۔

طرد و عکس = خانۂ اول	۷	۱۰	۷۰۰	۴۰۰۰	۴	۷۰	اسی طرح	۷۰۰۰
عدد اشاعی =	۸	۵	۶	۷	۸	۵	۶	۷
حرف الستر =	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶
مجموعۃ الاسرار =	۳	۸	۱۳	۱۸	۲۳	۲۸	۳۳	۲۸
شوادر =	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸

میزان ۶۹ ۷۵ اسی طرح سے حروف باقی سے حروف لئے میزان کرکے ۲۸ پر تقسیم کریں۔

÷ ۲۸ باقی ۱۳ ۱۹

حرف	م		د	رک	م	غ	د	ق
نظیرہ ابجدی	ظ		ص	وذ	ظ	ن	ص	ھ
حرف احست	ر		ک	ظ ص	ز	ز	ک	ض
جواب	م		د	ر ص	ر	غ	د	ھ

ایک بات سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ خانہ ۷ کے نیچے میزان ۷۵ ہے ÷۲۸ کرنے سے ۱۹ باقی بچے حرف ق آنا چاہیئے تھا مگر نہیں صاحب! ایسا نہیں ہوگا۔ جائے استاد خالیست والا معاملہ ہے۔

م سے ۱۹ آگے گنئے حرف د آیا۔

اسی طرح حرف باقی اس کے نظیرے اور حرف احست سے غور کرکے جواب حاصل کرلیں۔ ان تینوں حروف میں ایک نہ ایک ضرور ناطق ہوگا جو جواب پر مبنی دال ہوگا۔

نقشۂ احست

ا	ح	س	ت
ب	ط	ع	ث
ج	ی	ف	خ
د	ك	ص	ذ
ھ	ل	ق	ض
و	م	ر	ظ
ز	ن	ش	غ

احست کے ذریعے حرف اس طرح لینا ہے۔

مثلاً الف سے ح

م سے ر

ر سے ظ

ع سے ز

یعنی ایک حرف آگے کا لینا ہے۔

اس طرح سے مربع کے صرف ایک خانہ سے آپ ۴ ۴ حروف جواب حاصل کرسکیں گے جو انشاء اللہ آپ کے ہی سوال کا جامع مکمل جواب ہوگا۔ اور اگر آپ چاہیں تو پورے ۱۶ خانوں سے حروف جواب حاصل کرسکتے ہیں۔ گویا ایک سوال کا جواب ۱۶ × ۴ ۴ حروف آئے گا۔

ایک بات غور طلب ہے کہ چار قسم کے برج اور چار قسم کی رقم اشاعی آپ کے پاس ہے۔ان کے تصور کا طریقہ مختلف خانوں پر ہوگا۔توجہ سے سنئے۔

طالع کے خانے	ساتویں برج کے خانے	دسویں برج کے خانے	چوتھے برج کے خانے
۱	۱۴	۱۱	۸
۱۲	۷	۲	۱۳
۶	۹	۱۶	۳
۱۵	۴	۵	۱۰

یعنی خانہ ۱-۱۲-۶-۱۵ پر طالع وقت کی رقم اشاعی کام کرے گی۔
خانہ ۱۴-۷-۹-۴ پر سابع برج کی رقم اشاعی کام کرے گی۔
خانہ ۱۱-۲-۱۶-۵ پر دسویں برج کی رقم اشاعی کام کرے گی۔
خانہ ۸-۱۳-۳-۱۰ پر چوتھے برج کی رقم اشاعی کام کرے گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کا ذہن کھول دے میں نے حتی الامکان اپنی بساط اور علم کے مطابق جیسے مجھے نانا سے جناب فاضل بریلوی رحمت اللہ علیہ کے قاعدہ کی وضاحت مکمل اور مفصل کر دی ہے اس پر عبور حاصل کرنا آپ کے مقدر کی بات ہے۔جناب فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچا کر ان کے اس قاعدے پر دماغ سوزی کریں تاکہ ان کے ترکے سے آپ کامیاب ہو جائیں۔

اعداد اس ابجد سے نکالنے مقصود ہیں اسے ابجد قمری کہتے ہیں۔

حروف	ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق
اعداد	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰

ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

نظیرہ

ابجد قمری کا ہر حرف آمنے سامنے کا نظیرہ کہلاتا ہے۔

الف کا سین نظیرہ
سین کا الف نظیرہ
ب کا عین نظیرہ
ع کا ب نظیرہ
ن کا غ نظیرہ
غ کا ن نظیرہ

علی ھذا القیاس

فاعتبروا یا اولی الابصار

فاضل بریلوی قدس سرہٗ علم جفر و تکسیر اور زائرجہ میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ کے پاس اکثر بیرون ملک سے بڑے بڑے علما اس علم کو حاصل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت میں درج ہے کہ حج بیت اللہ کے موقعہ پر ایک شامی بزرگ نے فاضل بریلوی قدس سرہٗ سے استدعا کی کہ "میں تجھ سے کچھ جفر میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" فاضل بریلوی قدس سرہ سے گفتگو کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ان بزرگ نے فرمایا! "یہاں نہ میرا اب زیادہ قیام ہے اور نہ تیرا۔ خاص اس کی تحصیل کو ہندوستان تیرے پاس آؤں گا۔" وہ تو نہ آئے مگر مولانا سید حسین مدنی صاحبزادہ حضرت مولانا سید عبد القادر شامی مدنی تشریف لائے اور چودہ ماہ فاضل بریلوی قدس سرہ کے یہاں قیام فرمایا اور علم جفر، علم اوفاق و تکسیر سیکھے۔ انھیں بزرگ کے لئے فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے ایک رسالہ "اطائب الاکسیر فی التکسیر" عربی زبان میں تحریر فرمایا تھا۔ (اس رسالہ کے ایک صفحہ کا عکس ناظرین کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جاتا ہے) فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی یہ شان تھی کہ عربی میں زبانی بولتے جاتے تھے اور وہ بزرگ لکھتے جاتے تھے اور اسی لکھنے میں وہ سمجھتے جاتے یہاں تک کہ دستگاہ ہوگئی تھی کہ پانچ سوالوں میں دو کا جواب صحیح نکال لیتے تھے۔ ان بزرگ کیلئے فاضل بریلوی قدس سرہ نے علم جفر میں سے اجازت تعلیم کا سوال پہلے کر لیا تھا جس کا جواب یہ ملا کہ ضرور بتاؤ کہ یہ بزرگ اتنی دور سے سفر کر کے اسی واسطے یہاں آئے ہیں۔

فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے جو جداول کثیرہ اس فن کی تکمیل جلیل ایجاد کی تھی رخصت کے وقت ان بزرگ کی نذر کر دیں اور خود اس فن کے ترک کا قصد کیا جس کی اور وجوہات کے علاوہ ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ایک امیر و کبیر کی بیگم بیمار ہوئی جن کا مذہب سنی نہ تھا۔ فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے ایک آقا زادے حضرت سید نا شاہ مہدی میاں صاحب کے ذریعہ سوال کرایا گیا۔ جواب نکلا کہ سنت اختیار کریں ورنہ شفا نہیں۔ اس فن کا حکم یہ ہے کہ جو جواب نکلے بلا رد رعایت صاف صاف کہدیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے یہی لکھ بھیجا۔ اُن کو سنت اختیار کرنا منظور نہ ہوا اور مرض بڑھتا گیا۔ اب حضرت مہدی میاں صاحب ہی کے ذریعہ سے سوال آیا کہ موت کب اور کہاں ہوگی؟ اپنے شہر یا نینی تال پر کہ اس وقت تبدیل آب کے لئے مریضہ کا وہیں قیام تھا۔ یہ سوال ۸ شوال المکرم ۱۳۲۸ھ کو ہوا۔ جواب نکلا محرم محرم یعنی ماہ محرم میں موت واقع ہوگی۔ کہاں ہوگی؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے اُن کے شہر کے نام کا پہلا حرف اور اس کے بعد ق اور اس کے بعد "د" کا ہندسہ اور آگے لفظ خویش لکھدیا۔ وہاں کے جفار بلائے گئے کہ اس معمے کو حل کریں انہوں نے حرف نام شہر سے تو شہر مراد لیا اور قاف سے قلعہ اور آگے نہیں چل سکے اس حرف سے شہر مراد تھا اور ق سے قریب اور "د" سے حرف ب کہ اول لفظ بیت ہے یعنی موت نینی تال میں نہ ہوگی بلکہ اپنے شہر میں مگر نہ اپنے محل میں بلکہ قریب بیت خویش دوسری جگہ میں۔

ایسا ہی ہوا تو ۷ محرم کو اپنے شہر کے ایک باغ میں موت واقع ہوئی جب اس جواب کا شہرہ ہوا اطراف سے جلد بازوں کے خط ذیقعدہ ہی سے اعلیٰ حضرت کے پاس آنے لگے کہ آپ نے تو خبر دی تھی کہ موت واقع ہوگی اور ابھی نہیں ہوئی۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے کہا کہ بھائیو! اگر موت محرم سے پہلے واقع ہو تو جواب غلط ہو جائے گا نہ کہ اس کی صحت کے لئے تم ابھی موت تلاش کرتے ہو اور اس قسم کے طوفان بدتمیزی کے سبب اعلیٰ حضرت نے قصد کر لیا کہ اگر یہ جواب غلط ہو گیا تو اس کے حق میں اتنی محنت کریں گے کہ باذنہ تعالیٰ پھر غلطی نہ ہو لیکن بفضلہ تعالیٰ جواب بالکل صحیح ثابت ہوا۔

فاضل بریلوی قدس سرہ نے ایک اور واقعہ (ملفوظات اعلیٰ حضرت) بیان فرمایا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم جفر سے کیا کچھ معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ دونوں وقت یعنی ۱۸۳۷ھ میں سلطنت اسلامی کا بڑھنا اور ۱۹۰۰ھ میں امام مہدی کا ظہور فرمانا حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے کلام سے اخذ کئے۔ فاضل بریلوی قدس سرہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ سے بے حد متاثر تھے اور آپ نے شیخ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے فرماتے ہیں کہ شیخ کو کیسا زبردست واضح کشف تھا کہ سلطنت ترکی کا بانی اول عثمان پاشا حضرت شیخ کے مدتوں بعد پیدا ہوا مگر حضرت شیخ اکبر نے اتنے زمانے پہلے عثمان پاشا سے لیکر قریب زمانہ آخر تک جتنے بادشاہ اسلامی اور اُن کے وزراء ہوں گے رموز میں سب کا ذکر فرما دیا۔ حضرت شیخ نے خود اپنی قبر شریف کی نسبت فرمایا تھا کہ اتنی مدت تک میری قبر لوگوں کی نظروں سے غائب رہے گی مگر جب سین میں سین داخل ہوگا تو شیخ محی الدین ابن عربی کی قبر ظاہر ہوگی جب سلطان سلیم شام میں داخل ہوئے تو ان کو بشارت دی کہ فلاں مقام پر ہماری قبر ہے۔ سلطان نے وہاں ایک قبہ بنوایا ہے جو زیارت گاہ عام ہے۔

امام احمد رضا علماء مدینہ منورہ کی نظر میں

"ہمارا مولیٰ دریائے عظیم الفہم حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ہے" اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے انہوں نے اپنے فتویٰ سے شفا دی۔ اللہ تعالیٰ حضرت احمد رضا اور اُن کی اولاد میں برکت رکھے اُسے اُن میں سے کرے جو قیامت تک حق بولیں گے۔

مفتی مدینہ

مولانا عثمان بن عبد السلام داغستانی

مجدد ملت اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک نابغۂ روزگار شخصیت

(از: سید فیضی مدیر "اوقاف" اسلام آباد)

آج سے سوا سو برس پہلے روہیلکھنڈ کے غیور و حساس خاندان کے ایک معزز فرد جناب مولانا حضرت نقی علیخاں رحمۃ اللہ علیہ ہاں ایک بچہ پیدا ہو جس کی چمکتی دمکتی پیشانی دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت بنے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مولانا نقی علی خاں نے اس شہزادے کو جو آگے چل کر شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے نام سے مشہور ہوا۔ نہایت اعلیٰ پیمانے پر علوم دینی کی تعلیم دی۔ ابھی تیرہ سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ تمام علوم میں مہارت حاصل کرلی۔ اور اسی صغر سنی میں مسندِ افتار پر متمکن ہوئے اور فتویٰ دینے لگے۔

کہتے ہیں مسند افتار پر بیٹھنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے کیونکہ اس میں ایک مفتی کو جس حزم واحتیاط سے کام لینا پڑتا ہے وہ اہل علم ہی جانتے ہیں۔ پھر ایک صغیر سن بچے سے تو ہر آن تحریرِ فتویٰ میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے لیکن ذرا آپ ان کے فتاویٰ کو پڑھ کر دیکھئے ان میں استفتاؤں کو ایسے خوش اسلوب پیرائوں میں جواب کا جامہ پہنایا گیا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم و پختہ کارانِ دانش ان کے تبحرِ علمی کے قائل نظر آتے ہیں۔ علمائے عرب نے بھی آپ کی فقہی و مفتیانہ صلاحیتوں کی بیحد تعریف و توصیف کی ہے۔

آپ کی ذات گرامی کے متعلق یہ معلوم کر کے کہ بیک وقت چھپن علوم میں آپ یدطولیٰ رکھتے تھے۔ انسان ورطۂ حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔ آپ کو رب العزت نے ایسی طبع رسا دی تھی کہ مشکل سے مشکل مسائل کو آنِ واحد میں حل کر دیتے تھے۔ ریاضی میں آپ امام العصر تھے۔ اس سے متعلق کوئی مسئلہ آپ سے پوچھا جاتا تو آپ اشاروں ہی اشاروں میں اس کا تسلی بخش جواب دے دیا کرتے تھے۔ اس پر لوگوں کے استعجاب کی کوئی حد نہ رہتی۔

بارھویں صدی ہجری میں نجدیوں کے امام و پیشوا محمد بن عبدالوہاب نجدی کے خیالات کا جب برصغیر پاک و ہند میں پرچار ہوا تو بہت سے لوگ اس کے عقائد و خیالات سے متاثر ہوئے اور انہوں نے ایسی کتابیں تصنیف کرنا شروع کر دیں۔ جن سے مسلمانوں کے عام عقائد کی توہین ہوتی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ان گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا منہ بند کرنے کے لئے ان کے عقائد

باطلہ کی پوری شدت کے ساتھ تکذیب کی اور اپنی دلآویز شاعری کے ذریعہ انھیں مقامِ مصطفےٰ سے آشنا کراتے رہے ۔ یہ حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت کے سینے میں محبت آشنا دل تھا ۔ اور ان کی محبت کا مرکز حضرت محبوب خدا سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ اس عاشقِ مصطفےٰ نے زندگی بھر محبت کے چراغ جلائے ۔ اُجڑی محفلوں کو گلزار بنایا ۔ اسلام کی کشتِ ویراں کو اپنی محبت وعشق کے ابرِ نیساں سے سیراب کیا ۔ خرمنِ گستاخانِ رسول پر صاعقہ بن کر گرے اور ان کے حاصل کشت کو جلا کر خاکستر کر دیا ۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کی ذات گرامی بریلی کے مدرسہ عالیہ سے تعلیم پا کر ایسے باطل عقائد رکھنے والے لوگوں کے مقابل نہ آتی تو آج ہر جگہ صلوٰۃ وسلام کے نقارے نہ بجتے ۔ مساجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا گناہ ہوتا ۔ آپ کی ذات کا تصدق ہے کہ آج ہر مسجد میں میلاد پڑھتے ہوئے مصطفےٰ جانِ رحمت اور شمع بزمِ ہدایت کے حضور درود وسلام کے نذرانے پیش کئے جاتے ہیں ؎

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آئی کی ! ! — مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی
لاج رکھ لی طمعِ عفو کے سودائی کی ؏ — اے میں قربان مرے آقا بڑی آقائی کی
فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر — بس قسم کھائیے اُمّی تری دانائی کی
شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال — دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی
پانسو سال کی راہ ایسی ہے جیسے دو گام — آس ہم کو بھی لگی ہے تری شنوائی کی
چاند اشارے کا ہلا حکم کا باندھا سورج ! — واہ کیا بات شہا تیری توانائی کی

تنگ ٹھہری ہے رضا جس کے لئے وسعتِ عرش
بس جگہ دل میں ہے اس جلوۂ ہرجائی کی

احمد رضا ؒ

دنیا سے وابستہ مخلوق پر دنیا کے مشکلات آتے رہتے ہیں اور وہ مشکلات بیماری کی ہوں یا مقدمہ کی یا کاروبار میں رکاوٹ یا جادو۔ ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے دو قسم کے اسباب استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی، روحانی، ظاہری علاج بیماری کے لئے لوگ انگریزی دوا یا یونانی دوا استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً درد چشم اور درد کان کے لئے تخم دھتورہ ١ تولہ، ریوند چینی ٨ ماشہ سونٹھ ۴ ماشہ گوند ببول ٢ ماشہ خوب باریک پیس کر گولیاں چنے کی برابر استعمال کر سکتے ہیں اور اگر اس نسخے میں ایک یا دو اجزا کم ہو تو اثر نہ ہوگا۔

روحانی علاج: اسی طرح لوگ روحانی علاج بھی کرتے ہیں کسی عامل یا ولی کامل کے پاس جا کر دم، تعویذ سے بیماری دور کراتے ہیں۔ کاملین اس بیماری کے لئے ایک نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بزرگ گیا اور عرض کرنے لگا حضور میری نظر کم ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا آیت الکرسی شریف یاد کر لیجئے۔ ہر نماز کے بعد ایک بار پڑھے اور پڑھتے ہوئے جب اس کلمہ پر پہنچیں وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا اس وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آنکھ پر رکھ کر اس کلمہ کو گیارہ بار کہیں پھر ہاتھوں کو انگلیوں پر دم کر کے آنکھوں پر پھیر لیں۔ آسان روحانی طریقہ کا علاج بتایا۔ اب اگر نباتات کے تاثیر پر یقین ہے تو اللہ تعالیٰ کے کلام اور اسماء مقدسہ پر یقین نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح علم الآثار کے محققین نے نقوش پر کرنے کے طریقے مرتب کئے ہیں۔

نقوش کے اقسام: چونکہ نقوش اصطلاح علم الآثار میں مثلث، مربع، مخمس، مسدس اور مسبع کہتے ہیں۔ مثلث کے خانے نو ہوتے ہیں اسے عناصر اربعہ کے مطابق پر کیا جاتا ہے۔ آتشی چال مشرق سے منسوب ہے بادی چال مغرب سے نامزد ہے آبی چال شمال سے متعلق ہے اور خاکی چال جنوب سے موسوم ہے۔

مثلث پر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو اعداد ہوں ان میں سے بارہ عدد قانون کے خارج کرو۔ بقایا کو تین پر تقسیم کر کے خارج قسمت کو پہلے خانے میں رکھو اور ہر خانہ میں ایک کا اضافہ کرتے جاؤ نقش پر ہوگا۔ نقش صحیح ہونے کے یہ معنی ہوں گے کہ نقش کی جس طرف سے بھی آپ میزان دیں گے اس طرف سے وہ تعداد کامل آئے جو ابتداء میں میزان تھی۔ اب اگر تقسیم سے کچھ بچ جائے تو کیا کریں تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر تقسیم سے ایک بچے تو خانہ ہفتم میں ایک اضافہ کریں اور اگر تقسیم سے دو بچیں تو خانہ چہارم میں ایک اضافہ کریں چالیں یہ ہیں۔

آتشی

۸	۱	۶
۳	۵	۷
۴	۹	۲

بادی

۲	۷	۶
۹	۵	۱
۴	۳	۸

آبی

۶	۷	۲
۱	۵	۹
۸	۳	۴

خاکی

۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶

مربع پُر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اعداد کو جمع کر کے ان میں سے تیس اعداد قانون کے خارج کریں بقایا کو چار پر تقسیم کریں۔ خارج قسمت کو پہلے خانہ میں رکھ کر پُر کر سکتے ہیں اس کے بھی چار لیں۔

مخمس اور مسدس، مسبع پُر کرنے کے بھی طریقے ہیں۔ طبیعت کے مطابق اس مشکلات والے کے لئے نقش پُر کر سکتے ہیں۔ اب آتشی طبیعت والے کے لئے آتشی چال کا نقش پُر کرتے ہیں بادی کیلئے بادی اور آبی کے لئے آبی اور خاکی کے لئے خاکی تو یہ مشکل کام ہے اب ضرورت ایسے نقشے کی ہے کہ جس میں ان مشکلات کا سامنا نہ ہو۔ امام اہل سُنت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس فن میں محققین سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔ آپ نے وہ تمام مشکلات دُور کر کے اپنے ایک مرید کے لئے ایک نقشہ بنایا۔ یہ نقشہ بالکل ایک انفرادیت کا مقام رکھتا ہے۔ آپ اس نقشہ کو دیکھ کر جو مطلب یا مشکل ہو اس خانہ سے نقش مربع پُر کر سکتے ہیں اور یہ مفتاح النقوش یعنی کلید راز سربستہ لکھ کر تمام مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا۔ وہ نقشہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۸) برائے محفوظی خوف مفدین وتعصبین	(۱۱) برائے حصول مراد و دولت وصحت از زحمت	(۱۴) برائے جائز دوستی ومحبت و تسخیر عوام	(۱) برائے حفاظت جان و صحت از بیماری
(۱۳) برائے جدائی و عداوت وبربادی و دشمنان	(۲) برائے حفاظت مال از چور و دشمن سے	(۷) برائے دفع مرض وامان از غرق آب	(۱۲) برائے دفع اعدا مقہوری اعداء
برائے اصلاح وصلح دوست برادران	(۱۶) برائے فتحیابی مقدمات و ملاقات ارواح روحانیان	(۹) برائے گریۂ طفلان از درد شکم وامراض شکم	(۴) برائے حفاظت از سانپ بچھو و حاسدین
(۱۰) برائے تسخیر اقران حاکمان وامیران	(۵) برائے عشق فراوانی اور محبوب کو حاضر کرنے لانے کا۔	(۴) برائے زبان بندی وعقد النوم	(۱۵) برائے فراخی زراعت ودفع کرم از کھیتی۔

امام رضا رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا ہے ؎ "جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیئے ہو۔
نیفر کی نظر سے ایسا مفید نقشہ کبھی نہیں گزرا اس سے معلوم ہوا کہ امام اہل سنت کو اس فن میں اولیت کا مقام حاصل
تھا امام رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ بچون علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ ان بچون علوم میں جفر بھی شامل ہے
اور علم الآثار اس میں سرفہرست ہے ؎

تو نے اسرارِ حقیقت کر دیئے سب پر عیاں
ہے مسلّم تو جہاں میں اہل سنت کا امام

نذرانۂ عقیدت بحضور اعلیٰ حضرت رضا بریلوی رح

از: عبدالکریم ثمر، لاہور

حضرت احمد رضا اہل سنت کا امام
فخر اربابِ طریقت صاحب علم الکلام

نکتہ دانِ شعر و انشا مکتبِ فکر و نظر
خدمتِ دینِ محمد ﷺ روز و شب شام و سحر

عشق و مستی کا حُدیٰ خواں زہد و تقویٰ کا امیر
جدّت و ندرت کے پیکر ہیں کلام دل پذیر

پرتوِ نورِ بصیرت اس کا رنگ شاعری!
اس کی نعتوں میں روانی کوثر و تسنیم کی

وہ بلادِ ہند میں نعت گویوں کا امام
بچے بچے کی زباں پر اس کی نعتیں اور سلام

بادۂ توحید سے لبریز پیمانہ رہا
عمر بھر شمع رسالت کا وہ پروانہ رہا

طرحِ نو ڈالی ہے اس نے نعت کی تسوید میں
شاعرانِ خوش نوا ہیں آج تک تقلید میں

گلشنِ شعر و لوا کا کھل کھلاتا ایک پھول
خادم دین محمد ﷺ اور مداح رسول ﷺ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاںؒ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ

عُلمائے و مشائخ اہلسنّت کا تقسیم کار

مولانا شاہ سید محمد خالد میاں فاخری

ہزار بار بھی اگر انکار کیا جائے اور زبان بندی کی کوشش کی جائے تو یہ عین ممکن ہے کہ زبانوں پر تالے چڑھا دیئے جائیں لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ حقیقتوں کو انکار سے بدلا نہیں جا سکتا، شور و غوغا سے وقتی طور پر ایک باریک پردہ ڈالنے میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے لیکن دبیز تہہ چڑھانے کے بعد بھی واقعات و حقائق کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ اس حقیقت سے کون شپرہ چشم ہے جو انکار کرے کہ آج علمائے اہل سنت میں شدید اختلافات ہیں۔ اور اختلافات کب نہیں ہوتے لیکن وہ اختلافات جو اصلاح حال کیلئے ہوں وہ تو رحمت ہیں۔ آج کا اختلاف ہمارے لئے زحمت بن گیا ہے مشائخ کی گوشہ نشینی قیامت سے کم نہیں۔ علما جب ان کے سامنے لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں اور ذاتی اختلافات کو مذہبی رنگ دے کر جب کفر کے فتوے تک دینے میں دریغ نہیں کرتے تو یہ مشائخ یقینی طور پر اس غلاظت سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دراصل یہ اہل محبت اپنی آغوش محبت کو ہر ایک لئے" وا" رکھتے ہیں۔ یہ مسلمان بناتے ہیں۔ کافر تو نہیں! پھر یہ اس کفر سازی میں کیوں شریک ہوں؟ جس سے امت میں تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ وقتی اور سیاسی مصالح کی بنیاد پر کسی کو کافر کہہ دینا بہت آسان ہے مگر خدارا یہ تو بتاؤ کہ جب ان مصلحتوں کا وقت تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر ضرورتیں مجبور کرتی ہیں تو پھر انھیں کافروں سے ہم کام کیوں نکالتے ہیں۔ ان کے سامنے دست سوال کیوں دراز کرتے ہیں؟ کیا فقہ کا یہ اصول ہمارے سامنے نہیں ہوتا کہ جسکو کافر بنایا جارہا ہے اگر واقعی وہ ایسا نہیں ہے تو کفر کا فتویٰ دینے والا خود اس کی زد میں آجاتا ہے"۔

ایک گروہ جب غیروں کے ساتھ بیٹھ کر حالات حاضرہ پر معاملات کرتا ہے تو وہ عین ایمان ہوتا ہے دوسرا گروہ اگر اس سے ہٹ کر گفتگو کرتا ہے اور پہلے گروہ کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا تو کافر کیسے ہو جاتا ہے ؎

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے   ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیئے

بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں اور بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اظہار ضروری ہوتا ہے اور بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کا اخفا ضروری ہوتا ہے۔ بسا اوقات وہ رازہائے سربستہ سینوں میں دبے ہوئے منوں مٹی کے نیچے دفن ہو جاتے ہیں لیکن باہر نہیں لائے جاتے۔ ناگزیر حالات میں یہ چند سطریں تحریر کرنے کا ناگوار فریضہ اس لئے انجام دیا جارہا ہے کہ شاید "راہ ناعاقبت اندیشی" سے ہٹ کر صحیح راستہ اور "اتحاد و محبت" کی صراط مستقیم کو حاصل کیا جا سکے۔ مجھے اس کا کوئی خیال نہیں کہ ایکسٹریمسٹ مجھے کیا کہیں گے۔ کیسی کیسی جملہ بازیاں ہوں گی؟ زبان درازیاں اپنے کیسے کیسے جوہر دکھائیں گی؟ اور مجھے کیا کیا کہا جائے گا؟ اور کن کن چیزوں کا طعنہ دیا جائیگا۔ لیکن اس امید پر کہ ؎ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

یہ پوشیدہ حقیقت آج صفحۂ قرطاس پر لا رہا ہوں! اور کہتا ہوں کہ! آنکھیں کھولو ہوش سنبھالو! واللہ میں ان عالم نما جہلاً سے مخاطب نہیں جن کو استغفراللہ کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ میں تو ان علماء اور مشائخ کے دربار عالیہ میں عرضگذار ہوں جن کے قلوب دردمند ہیں اور جو ملت کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں ایک جانب دین کی ترویج، صحت عقائد اور حب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضا پیدا کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری جانب تحفظ ملک و ملت کے لئے بھی سرگرداں اور اغیار کے حملوں، سیاسی چالوں نیز آئے دن کے فتنوں سے بھی نبرد آزما ہیں۔ علماء کا وقار اور مشائخ کا تقدس اسی وقت باقی بھی رہ سکتا ہے جب ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھالے جائیں اس وقت علماء اور مشائخ اپنے وقار اور تقدس کو کام میں لے کر اس سرخ سیلاب کا مقابلہ کرنے کی تیاری کریں جو بڑی تیزی کے ساتھ ملک کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ اس کی نظریاتی سرحدوں پر بھی حملہ آور ہو رہا ہے اور ہمارے اختلافات اس کو حملہ کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ کیا ہم ماسبق کی طرح "اندرون خانہ" ایک جگہ بیٹھ کر کسی فیصلہ کی صلاحیت نہیں رکھتے؟ کیا ہم اپنی ملی قیادت ایسے افراد کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہیں جو قوم کو بازیچۂ اطفال بنا دیں؟

شتر مرغ کی طرح کسی ریت کے ٹیلے میں سر چھپا کر یا شپرہ چشم کی طرح آنکھیں بند کر کے صرف یہ کہہ دینے سے بات ختم نہیں ہوتی کہ "یہ اعلیٰ حضرت کا اسوۂ حسنہ نہیں تھا" اعلیٰ حضرت کا اسوۂ حسنہ کیا تھا اور کیا نہیں تھا اس کے لئے غور و تفحص اور تجسس کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات، ان کی تصنیفات، ان کی تالیفات اور پھر ان کی اشاعت و ترویج اور ان پر عمل کی ضرورت ہے۔

قابل تبریک ہیں جناب سید ریاست علی صاحب رضوی بریلوی جنہوں نے پاکستان میں اعلیٰ حضرت کی تصنیفات و تالیفات اور حواشی وغیرہ کی اشاعت و ترویج کا بیڑہ اٹھایا ہے اور اعلیٰ حضرت مجدد مأۃ حاضرہ مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ العزیز کی ذات گرامی سے متعلق تحقیقات اور افکار و آراکی اشاعت کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ موصوف کے پیہم اصرار اور حضرت شمس المصنفین شمس الحسن صاحب شمس بریلوی صدر دائرۃ المصنفین کراچی کے ارشاد واجب الاذعان کے تحت ہی میں اس خفیہ نشست کا حال تحریر کر رہا ہوں جس کا اشارہ اس سے قبل سطور میں کیا جا چکا ہے۔

آج سے چوراسی سال قبل مولانا شاہ فضل رسول قادری رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے سلسلہ میں بمقام درگاہ عالیہ قادریہ بدایوں بماہ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ علماء و مشائخ کا اجتماع تھا۔ مولانا شاہ عبدالقادر عثمانی سجادہ نشین اور حکیم شاہ عبدالقیوم قادری مہتمم عرس تھے۔ موسم گرما کا زمانہ تھا تقریباً عرس ایک ... ہفتہ تک جاری رہتی تھیں۔ ۵ جمادی الثانی کو مولانا ہادی علی خاں صاحب لکھنوی کا شہادت کا بیان ہوا۔ حاضرین پر ایک کیفیت طاری تھی۔ اعاظم مشائخ اور اکابر علماء رونق افروز تھے جس میں قطب زمن حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری سجادہ نشین آستانہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ، ہم شبیہہ غوث پاک حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں سجادہ نشین آستانہ کچھوچھہ، حضرت سید شاہ برکت حسن سجادہ نشین کالپی شریف، سجادہ نشین آستانہ رزاقیہ بانسہ شریف، حضرت شاہ تجمل حسین شاہجہانپوری، حضرت شاہ فخر عالم قادری، حضرت نوشہ میاں چشتی سنبھلی، مولانا حافظ سید شاہ عبدالصمد مودودی چشتی سہسوانی، مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، مجدد مأۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا سید شاہ محمد فاخر بیخود سجادہ نشین خانقاہ اجملی الہ آباد مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا ہدایت رسول لکھنوی، مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی مولانا ہادی علی خاں سیتاپوری، مولانا علی احمد خاں اسیر بدایونی، مولانا حسن خاں بریلوی، مولانا شائق عباسی، مولانا حافظ پیلی بھیتی، مولانا نثار احمد کانپوری، سید بیباک شاہجہانپوری اور شہید ملت مولانا مظہرالدین ایڈیٹر الامان دہلی کے علاوہ مولانا وکیل احمد سکندرپوری جج ہائی کورٹ حیدر آباد دکن بھی تشریف فرما تھے

اس وقت مولانا ضیاء القادری رحمۃ اللہ علیہ کی جوانی کا زمانہ تھا اور وہ بھی شریک مجلس تھے۔ بیان ختم ہونے کے بعد اعلان کیا گیا کہ آج بدایوں کے مشہور نعت خواں حافظ عبدالحبیب قادری فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب کا نو تصنیف قصیدۂ نوریہ پڑھینگے حافظ عبدالحبیب کا معززین شہر میں شمار تھا۔ صاحب ذوق تھے اپنی انتہائی خوش نوائی کے ساتھ قصیدہ کے مطلع :

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا ∴ صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

سے ابتدا کی۔ اور جب مقطع کا شعر پڑھا تو حضرت سید السادات شاہ احمد نوری قدس سرہٗ نے اپنی بے ساختہ دعاؤں سے نوازا اور خوب خوب دعائیں دیں۔ دوسرے دن حضرت مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی کا بیان ہوا جس کے بعد حضرت اسیر بدایونی کا اسی زمین میں قصیدۂ نوریہ پڑھا گیا۔ یہ نوری محفل اختتام پر تھی کہ مرزا یعقوب بیگ کتب فروش بدایوں نے شہید ملت مولانا مظہر الدین سے اس وقت کے بعض سیاسی حالات سے متعلق کچھ سوالات کئے تقریباً سبھی حضرات متوجہ تھے۔ چند اکابر کے علاوہ ہر شخص کچھ نہ کچھ اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ مولانا نثار احمد کانپوری (مفتی آگرہ) نے ارشاد فرمایا کہ یہ مسئلہ عوام کے سامنے طے کرنے کا نہیں ہے۔ اس پر بند کمرہ میں گفتگو ہونی چاہیئے۔ سب نے اس پر اتفاق کیا۔

۷ ربیع الثانی کو جبکہ تقریبات عرس اختتام کو پہونچ چکی تھیں، ملک کی انتشاری کیفیت، ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی سیاست میں شرکت و عدم شرکت، آئے دن بدعقیدوں کی جانب سے نت نئے مسائل کا مقابلہ، ایسے موضوعات پر بند کمرہ میں گفتگو شروع ہوئی۔ متعلقہ حضرات نے اپنے اپنے مطمح نظر تفصیل سے پیش کئے اور دو[۲] دن تک مسلسل مباحثہ جاری رہا جس کے بعد طے کیا گیا کہ:

مشائخ اپنے سجادہ سے تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیں۔

علماء کی تقسیم کی گئی :

علماء کا ایک گروہ میدانِ مناظرہ گرم کرے گا۔

علماء کا دوسرا گروہ میدانِ سیاست میں سرگرم عمل ہوگا۔

علمائ کا تیسرا گروہ جب ضرورت ہوگی مناظرہ میں بھی شریک ہوگا ورنہ سیاست میں کام کرے گا۔

مجدد مأۃ حاضرہ بریلی میں مرکز کی حیثیت رکھیں گے اور اپنی تحریرات کے ذریعہ مختلف امور میں رہنمائی کریں گے۔

یہ خفیہ نشست تھی۔ قومی، اجتماعی پالیسی کا مسئلہ تھا۔ یہ "پالیسی میٹر" ایسا تو نہ تھا جسے عام کیا جاتا لیکن یہ ناگوار فرض اتنے عرصہ بعد میں اسلئے انجام دے رہا ہوں کہ "اسوۂ اعلیٰ حضرت" نے ہماری جس طرح رہنمائی فرمائی ہے کیا ہم اسے اپنا نہیں سکتے؟ کیا اعلیحضرت کا نام لے کر ہی سارے کام بن جائیں گے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں ایک مرتبہ پھر اپنے علمی وقار کے ساتھ کسی جگہ جمع ہونا چاہیئے اور اپنے بزرگوں کے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں کوئی لائحہ عمل تیار کرنا چاہیئے۔

مندرجہ بالا تحریر سے متعلق اگر مجھ سے کوئی "ثبوت" طلب کیا جائے گا تو میں اس سلسلہ میں چند جملے مزید تحریر کرنا مناسب سمجھوں گا۔

۱۔ یہ ایک "خفیہ" دستاویز ہے جو خانقاہ اجملی الٰہ آباد میں ایک خاص مقام پر محفوظ کر دی گئی ہے اس میں چونکہ بعض اہم اُمور ایسے بھی تحریر تھے جن کا اظہار میرے لئے بھی ناممکن ہے اس لئے اس دستاویز کو ہر ایک کی دسترس سے دُور رکھا گیا۔

۲۔ کچھ ہی عرصہ گزرا کہ پاکستان کے مشہور مورخ اور دانشور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کا ایک انٹرویو جریدہ "افق" کراچی

شائع ہوا تھا جس میں کچھ اس طرح کے الفاظ بھی شامل تھے۔ مولانا فاخر الہ آبادی نے مجھ سے کہا تھا کہ بریلی ایک استاد کی طرح ہے غلط راہ پر چلنے والوں کے لئے ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے ہے " (اشارہ کافی ہے)

۳۔ مجدد مأۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ کی ذات گرامی سے اور میرے خاندان سے کچھ خصوصی تعلقات بھی تھے اس کا لحاظ ضروری ہے)

۴۔ مجدد مأۃ حاضرہ کا سلسلۂ بیعت مارہرہ سے اور مارہرہ کی نسبت کالپی شریف سے ہے جبکہ میرا سلسلہ براہ راست کالپی شریف سے ہے۔ جو درج ذیل مختصر شجرہ سے واضح ہوگا۔

۵۔ مجدد مأۃ حاضرہ اپنے مسلک میں اتنے سخت اور مے حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے متوالے تھے کہ اس زد میں جو بھی آیا وہ ان کی شمشیر براں سے بچ نہ سکا۔ وہ خلافت کمیٹی، تحریک عدم موالات اور جمعیۃ العلماء ہند کے شدید ترین مخالفین میں تھے جبکہ خلافت و تحریک عدم موالات میں ہندوستان میں سب سے پہلے گرفتار ہونے والا شخص میرے جد محترم مولانا فاخر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے (یعنی مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی سے بھی پہلے۔ دیکھئے "شاہراہ پاکستان" و دیگر کتب تواریخ) آخر وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے میرے جد محترم مولانا فاخر بیخود رحمۃ اللہ علیہ پر کسی بھی قسم کے فتوے سے اعلیٰ حضرت کو باز رکھا جبکہ شاید ہی کوئی محفوظ رہا ہو۔ اور جد محترم رحمۃ اللہ علیہ تو جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں سے تھے یہ سلسلۂ قادریہ ابو العلائیہ کالپی شریف سے پھیلا۔ حضرت سیدنا میر سید ابو العلا قدس سرہٗ کے خلفاء میں حضرت میر سید محمد ترمذی کالپوی قدس سرہ کے خلفاء میں شیخ محمد افضل الہ آبادی کو بڑا مرتبہ حاصل تھا۔ وہ صاحبزادہ والاجاہ حضرت میر سید احمد قدس سرہٗ کے اتالیق بھی مقرر فرمائے گئے۔ ان کی خانقاہ الہ آباد میں آج بھی موجود ہے جو ان کے پر نواسہ کے نام سے موسوم ہے جہاں کا اصل سجادہ نشین محر سطور ہے۔ مولانا فاخر بیخود، محرر سطور ہی کے جد امجد تھے۔

حضرت میر سید احمد کے صاحبزادے حضرت میر سید فضل اللہ قدس سرہٗ سے اصحاب مارہرہ اور وہاں سے یہ نسبت اعلیٰ حضرت مجدد مأۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کو حاصل ہوئی۔

حضرت سیدنا میر ابو العلیٰ اکبر آبادی قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ شاہ عبد الرحیم بھی تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد تھے اور حضرت محدث دہلوی نے انھیں سے بیعت و تربیت بھی حاصل کی جیسا کہ انفاس العارفین اور دیگر کتب متفرقہ میں موجود ہے جو حضرات ہم سے الگ ہو کر آزادئ ہند کے سلسلہ میں اپنا رشتہ محدث دہلوی سے جوڑتے ہیں ان کو بھی اس اقرار سے مفر نہیں کہ برصغیر کی آزادی میں سلسلۂ ابو العلائیہ کس قدر کارفرما ہے۔ خواہ وہ محمدیہ افضلیہ فاخریہ کے نام سے معنون کیا جائے۔ یا محمدیہ برکاتیہ رضویہ کے نام سے موسوم کیا جائے۔

اب جبکہ آزادی کی نعمت سے پاکستان کی شکل میں ہم متمتع ہو رہے ہیں تو ہمارے اوپر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ ہم اس کے بقا و تحفظ کے بھی ذمہ دار بنیں۔ ایسی شکل میں ضروری ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت اپنے طریقۂ کار اور تنظیم کار کے اصول کو از سر نو منظم کریں۔ اسوۂ اکابر اور اسوۂ اعلیٰ حضرت پر عمل پیرا ہو جائیں۔ ان کے مخطوطات اور تحریرات جو ہمارے لئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہیں ان کی اشاعت کا انتظام کریں۔ غفلت و خود غرضی کا وہ دبیز خول جس میں ہم نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے اس سے باہر آئیں اور حقائق کا سامنا کریں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ

مولانا ابوصالح محمد فیض احمد اویسی

جس بحرالعلوم وکنزالفنون کے متعلق فقیر کچھ لکھنا چاہتا ہے پہلے ان کی زندگی مبارک کا اجمالی خاکہ سامنے رکھئے کہ اس شخصیت کے لمحات زندگی کتنا ہے اور ان قدوسی لمحات کو اس قدسی صفات نے سرور کائنات آقائے مخلوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین ومتین کے خدمات میں کس طرح صرف فرمائے۔

حیات رضا کا اجمالی خاکہ

	سن ہجری	سن عیسوی
ولادت باسعادت	۱۲۷۲ھ	۱۸۵۶ء
ختم کلام پاک	۱۲۷۶ھ	۱۸۶۰ء
پہلا وعظ	۱۲۷۸ھ	۱۸۶۲ء
پہلی تصنیف	۱۲۸۰ھ	۱۸۶۳ء
وصال جدامجد مولانا رضا علی خان رحمتہ اللہ ولادت ۱۲۲۴ھ	۱۲۸۲ھ	۱۸۶۵ء
تحصیل علم سے فراغت	۱۲۸۶ھ	۱۸۶۹ء
مسند افتار پر جلوہ افروزی	۱۲۸۶ھ	۱۸۶۹ء
شادی مبارک	۱۲۹۱ھ	۱۸۷۴ء
ولادت خلف اکبر مولانا حامد رضا خان رحمتہ اللہ	۱۲۹۳ھ	۱۸۷۴ء
بیعت مبارکہ	۱۲۹۴ھ	۱۸۷۶ء
پہلا حج وحاضری مدینہ طیبہ	۱۲۹۵ھ	۱۸۷۷ء
مکہ ومدینہ میں علم وفضل کی دھوم	۱۲۹۶ھ	۱۸۷۸ء
وصال والدماجد مولانا نقی علی خاں رحمتہ اللہ (ولادت ۱۲۴۶ھ)	۱۲۹۷ھ	۱۸۷۹ء
شیعت اور تفضیلت کی بیخ کنی از ۱۲۹۷ھ	۱۸۷۹ھ	۱۸۸۲ھ

مقام مجددیت پر جلوہ افروزی آفتاب مجددیت کا طلوع	١٣٠١ھ	١٨٨٣ء
نجدیوں کا تاریخی رد، مکہ و مدینہ کے علماء کی تصدیق	١٣١٦ھ	١٨٨٨ء
منکر ختم نبوت کی تکفیر پر تعینیقی کارنامہ	١٣١٧ھ	١٨٨٩ء
نجدیوں کے خلاف متحدہ محاذ	١٣١٨ھ	١٩٠١ء
توہین رسالت پر ائمہ وہابیہ کی تکفیر	١٣٢٠ھ	١٩٠٢ء
دوسرا حج وحاضری مدینہ طیبہ	١٣٢٣ھ	١٩٠٥ء
علمائے عرب وعجم کا آپ کی مجددیت پر اتفاق	١٣٢٦ھ	١٩٠٨ء
ہندو مسلم اتحاد کے نام پر غیر اسلامی طریقہ کار کی شدید مخالفت	١٣٢٨ھ	١٩١٠ء
ہندوستان اور افریقہ میں آپ اور آپ کے خلفاء کا دوقومی نظریہ کا پہلا نعرہ	١٣٢٩ھ	١٩١١ء
اشرف علی صاحب کا آخری دعوت مناظرہ سے فرار	١٣٢٩ھ	١٩١١ء
خلافت کمیٹی کی ہندو نواز پالیسی کے خلاف انتباہ۔	١٣٣٩ھ	١٩٢١ء
ہندوستانی ائمہ وہابیہ کی تکفیر پر علمائے عرب وعجم کا اتفاق	١٣٣٨ھ	١٩٢٠ء
وصال برادر اوسط مولانا حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	١٣٢٦ھ	١٩٠٨ء
وصال شریف آفتاب مجددیت کا غروب۔ انا للہ وانا الیہ راجعون	١٣٤٠ھ	١٩٠٢١ء
	١٣٤٠ھ	١٩٢١ء

ان لمحات مبارکہ سے بچپن اور تحصیل علوم اور سفر وحضر کے لوازمات وحوائج ضروریہ روزمرہ اور تدریس ودیگر ضروری اوقات کو منہا کر کے بقایا اوقات کو آپ کی تصنیفات کے اوراق کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو منصف مزاج انسان کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس انسانی شکل میں نور حقانی جلوہ گر تھی۔ فقیر آپ کی ہزاروں تصانیف جو اکثر وبیشتر کتب ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں ان کا نقشہ تو نہیں پیش کر سکتا البتہ مشتے نمونہ ضرور چند حواشی کی نشاندہی کرتا ہے اس سے باقی تصانیف مبارکہ کا اندازہ لگانا آسان ہو جائیگا۔

نقشہ حواشی بزبان عربی

فن تفسیر (١) حاشیہ تفسیر بیضاوی شریف (٢) حاشیہ عنایت القاضی (٣) حاشیہ معالم التنزیل (٤) تفسیر خازن (٥) حاشیہ اتقان فی علوم القرآن (٦) حاشیہ املاغ الفکریہ (٧) حاشیہ درالمنثور اعلیٰحضرت قدس سرہ کے تبحر فی التفسیر کی تفصیل فقیر نے اجمالاً لکھی تھی جو ترجمان اہل سنت کراچی میں شائع ہوئی آپ نے اگرچہ مستقل کوئی تفسیر نہیں لکھی لیکن آپ کی تصانیف مبارکہ سے مواد جمع کیا جائے تو ایک ضخیم تفسیر تیار ہو سکتی ہے فقیر نے چند تصانیف سے چند آیات کو مرتب کر کے تفسیر احمد رضا کے نام سے موسوم کیا ہے اگر کسی صاحب ثروت نے اشاعت کا ذمہ اٹھایا تو اہل علم بہرہ ور ہو کر یقیناً بیساختہ کہہ اٹھیں گے کہ آج اگر امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ زندہ ہوتے رضوی قلم کو چوم لیتے۔

فن حدیث	نام حاشیہ	نام حاشیہ	نام حاشیہ	نام حاشیہ	نام حاشیہ
کتاب الحج	کتاب الآثار	حاشیہ صحیح بخاری شریف	حاشیہ صحیح مسلم شریف	حاشیہ ترمذی شریف	حاشیہ نسائی شریف
خصائص کبری	معانی الآثار	حاشیہ ابن ماجہ شریف	حاشیہ شرح جامع صغیر	حاشیہ تقریب	مسند امام اعظم
نیل الاوطار	المقاصد الحسنہ	شرح الصدور	حاشیہ طحاوی شریف شرح	مسند امام احمد بن حنبل	سنن دارمی شریف
کشف الاحوال فی	نقد رجال	کنز العمال	ترغیب وترہیب	کتاب الاسماء عنہ الصفات	القول البدیع
ارشاد الساری	دوم، سوم، چہارم	الآلی المصنوعہ	ذیل اللآلی	موضوعات کبیر	التعقبات علی الموضوعات
مرقاۃ المفاتیح	اشعۃ اللمعات	اصابہ فی معرفۃ الصحابہ	تذکرۃ الحفاظ ج اول	عمدۃ القاری شرح بخاری	فتح الباری شرح بخاری
تہذیب التہذیب	خلاصہ تہذیب الکمال	نصب الرایہ	جمع الرسائل فی شرح الشمائل	فیض القدیر شرح جامع صغیر	
		مجمع بحار الانوار	حاشیہ فتح المغیث	میزان الاعتدال	العلل المتناہیہ

کاش اس بحرِ ذخار کی مذکورہ بالا حواشی آج مطبوعہ ہوتے تو مخالفین اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی حدیث دانی کے متعلق لب کشائی نہ کرتے ان بے چاروں کو رضوی کشکول سے بے خبری نے غلط بیانی پر مجبور کیا۔ اگر مذکورہ بالا حواشی کتاب کا حاشیہ دیکھ لیتے تو جیسے وہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے فتاوی رضویہ صرف جلد اول کے مطالعہ سے متاثر ہو کر آپ کو ابو حنیفہ ثانی کہنے پر مجبور ہو گئے تو آپ کے تبحر فی الحدیث کو دیکھ کر ثانی امام بخاری کہنا پڑتا۔

"فقیر نے امام احمد رضا اور علم الحدیث" ایک مقالہ لکھا جسکے مرکزی بزم رضا لاہور نے کئی ایڈیشن مفت شائع کئے ہیں ہاں وہ صرف مقالہ تھا اگر فقیر کو حالات اجازت دیتے تو مستقل تصنیف پیش کرتا جس سے معلوم ہوتا کہ فاضل بریلوی قدس سرہ کس بلند پایہ کے حدیث دان تھے۔

-: فقہ و اصول فقہ :-

نمبر شمار	نام حاشیہ	نمبر شمار	نام حاشیہ	نمبر شمار	نام حاشیہ	نمبر شمار	نام حاشیہ
۱۔	حاشیہ فواتح الرحموت	۲۔	حاشیہ حموی شرح اشباہ	۳۔	حاشیہ الاسعاف فی احکام الاوقاف	۴۔	اتحاف الابصار
۵۔	کشف النمہ	۶۔	شفاء السقام	۷۔	کتاب الخراج	۸۔	معین الحکام
۹۔	میزان الشریعۃ الکبری	۱۰۔	ہدایہ اخیرین	۱۱۔	ہدایہ فتح القدیر عنایہ چلپی	۱۲۔	بدائع الصنائع
۱۳۔	جوہرہ نیرہ	۱۴۔	جواہر اخلاطی	۱۵۔	مراقی الفلاح	۱۶۔	اصلاح شرح الیقایہ
۱۷۔	مجمع الانہر	۱۸۔	جامع الفصولین	۱۹۔	مسلک شرح منقسط	۲۰۔	جامع الرموز
۲۱۔	تبیین الحقائق	۲۲۔	رسائل الارکان	۲۳۔	حلیۃ المحلی	۲۴۔	بحر الرائق
۲۵۔	غنیۃ المستملی	۲۶۔	فوائد کتب عدیدہ	۲۷۔	کتاب الانوار	۲۸۔	رسائل شامی
۲۹۔	فتح المبین	۳۰۔	الاعلام بقواطع الاسلام	۳۱۔	طحطاوی علی الدرایہ	۳۲۔	رد المحتار اول، دوم، سوم

جلد چہارم مع تکملہ چونکہ آپ کی فقاہت کا اعتراف مخالفین کو بھی ہے اسی لئے اس پر مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں شائقین فقیر کی کتاب الدرۃ البیضا رفی فقہ احمد رضا کا مطالعہ کریں۔

فقیر نے نمونہ کی چند تصنیفیں اور وہ بھی حواشی عربی اور صرف تفسیر و حدیث و فقہ کی لکھی ہیں پھر کمال یہ ہے آپ کے حاشیہ میں بجائے خود کوئی مستقل تصانیف کا علمی مواد ہے اور یہ بھی وہ جنہیں مستقل طور پر حاشیہ کا نام دیا گیا ہے ورنہ آپ کے کتب خانے میں ایسی کتاب ہو جو فاضل بریلوی کے مطالعہ میں رہی ہو اور آپ نے اس پر تھوڑا بہت حاشیہ تحریر نہ فرمایا ہو نعم ما قال رضی اللہ عنہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

واقعی حق ھے آپ کے علم و فضل کے سامنے نہ کوئی کتاب مشکل ہے نہ کوئی فن دشوار ہے اور نہ عربی کتابت میں رکاوٹ ہے سچ ہے ؎

جس نے روشن کر دیئے ہیں علم و دانش کے چراغ

پھر زمانے کو وہی احمد رضا درکار ہے

وہ کون سا کمال تھا جس میں نہ تھا کمال بیٹھا ہوا قلوب پہ سکہ رضا کا ہے

بہر حال سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہلسنت نازش علم و فن قدس سرہ العزیز نے علم لدنی اعانت نبوی و فیضان غوثیت کی بدولت کثیر التعداد مستقل کتب و رسائل ہزاروں کی تصنیف فرمائے ہیں۔ اور آپ کے مختلف علوم فنون کی بکثرت بلند پایہ تصانیف دو ورقی چار ورقی نہیں بلکہ ہزاروں سینکڑوں اور درجنوں صفحات پر مشتمل ہیں اور نام کے مصنفین کی طرح نہ ادھار کھاتہ سے کام چلایا اور نہ ہی سرقہ سے اور نہ یہ کہ اپنی تصانیف مختلفہ سے کچھ ادھر سے اور کچھ ادھر سے لے کر ایک اور نام لگا کر دیگر علیحدہ تصنیف کا نمبر لگا دیا بلکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ جب یہ رہبر رواں دواں ہوتا ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ملکوتی مخلوق ہاتھوں پر اٹھائے لئے جا رہے ہیں۔ اپنوں کے علاوہ بیگانوں نے بھی مانا کہ امام احمد رضا قلم کا بادشاہ ہے۔

الفضل ما شھدت بہ الاعداء :- ناظرین کی طبع نازک کو باور کرانے کے لئے آپ کی ایک بلند پایہ تصنیف کا صرف ایک خطبہ حوالہ قلم کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الحمد للہ ھو الفقہ الاکبر۔ والجامع الکبیر لزیادات فیضہ : المبسوط : الدرر الغرر : بہ الھدایہ : ومنہ البدایہ والیہ النھایہ :- بحمدہ الوقایہ

یہ فقیر کا ایک مقالہ ہے جسے مرکزی مجلس رضا لاہور نے فقیر کو یکصد روپیہ بطور انعام عنایت فرمایا اور ساتھ ہی یہ وعدہ فرمایا کہ اسے مرکزی مجلس رضا شائع کرے گی

ونقایۃ الدرایۃ ، وعین العنایۃ ، وحسن الکفایہ : والصلوۃ والسلام ، علی الامام الاعظم للرسل الکرام مالک ، وشافعی ، احمد الکرام یقول الحسن بلا توقف محمد بن الحسن ۔ ابو یوسف ۔ فانہ الاصل ۔ المحیط لکل فضل ببسیط ووجیز ووسیط ۔ البحر الزخار ۔ والدر المختار ۔ البحر الزخار وخزائن الاسرار : وتنویر الابصار ۔ ورد المحتار ۔ علی منح الغفار ۔ وفتح القدیر وزاد الفقیر ، وملتقی الابحر ، ومجمع الانھر ، وکنز الدقائق ، وتبیین الحقائق والبحر الرائق ، منہ یستمد کل نہر فائق ، فیہ المنیہ ، وبہ الغنیہ ، مراقی الفلاح ، وامداد الفتاح ، وایضاح الاصلاح ، ونور الایضاح ، وکشف ، المضمرات وحل المشکلات ، والدر المنتقی ، وینابیع المبتغی ، وتنویر البصائر وزواہر الجواہر البدائع ۔ النوادر المنزہ وجوبا عن الاشباہ ، والنظائر ، مغنی السائلین ۔ ونصاب المساکین ، الحاوی القدسی ، لکل کمال قدسی وانسی الکافی ، والوافی الشافی : المصفی المصطفی ۔ المستصفی : المجتبی : المنتقی : الصافی ، النوازل ، والنفع الوسائل : لاسعاف السائل ۔ لعیون المسائل ۔ عمدۃ الاواخر وخلاصۃ الاوائل وعلی آلہ وصحبہ ۔ واھلہ وحزبہ مصابیح الدجی ۔ ومفاتیح الھدی ۔ لاسیما الشیخین الصاحبین الاخذین من الشریعۃ والحقیقۃ بکلا الطرفین ۔ والختنین الکریمین کل منھما نور العین ۔ ومجمع البحرین ۔ وعلی مجتھدی ملتہ وائمۃ امتہ خصوصاً الارکان الاربعۃ والانوار اللامعۃ : وابنہ الاکرم ۔ الغوث الاعظم ۔ ذخیرۃ الاولیا وتحفۃ الفقہاء ۔ وجامع الفصولین ۔ فصوص الحقائق ۔ والشرع لمھذب بکل زین ۔ وعلینا معھم وبھم ولھم ۔ یا ارحم الراحمین آمین ۔ آمین ۔ والحمد للہ رب العالمین ۔ یخطبہ

مبارکہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے فتاویٰ مبارکہ کے جلد اول سے لیا گیا ہے جس کا نام مبارک (العطایا النبویہ فی فتاویٰ رضویہ کے جلد اول سے لیا گیا ہے .... یہ دینی تحقیقی مسائل کا خزینہ ۲۸ اٹھائیس رسائل و ایک سو چودہ فتاویٰ مجموعہ ہے (ترجمہ خطبہ مبارک) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس کے کرم والے رسول پر درود بھیجتے ہیں سب خوبیاں خدا کو ہیں یہی سب سے بڑی خوبیاں خدا کو ہیں یہی سب سے بڑی دانش مندی ہے اور اللہ تعالیٰ کی فیض کنادہ کی افزائش کہ نہایت روشن موتی ہیں۔ ان کے لئے بڑی جامع ہے اللہ تعالیٰ ہی سے آغاز ہے اور اس کی طرف انتہا اسی کی حمد سے ہے اور عقل کی پاکیزگی اور عنایت کی نگاہ اور کفایت کی خوبی اور درود و سلام ان پر جو تمام معزز رسولوں کے امام اعظم ہیں میرے مالک اور میرے شافع احمد کمال کرم والے حسن بے توقف کہنا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یوسف علیہ السلام کے والد ہیں کیونکہ وہی اصل ہیں جو ہر فضیلت کبیرہ وصغیرہ متوسط کو محیط ہیں نہایت چھلکتے دریا ہیں اور چنے ہوئے موتی اور رازوں کے خزانے اور آنکھیں روشن کرنے والے اور حیران کو اللہ غفار کی عطاؤں کی طرف پلٹانے والے قادر مطلق کی کشائش ہیں اور محتاج کے تحفے تمام کی کمالات کے سمندر انہیں میں جاکر ملتے ہیں اور سب خوبیوں کی نہریں انہیں میں جمع ہیں باریکیوں کے خزانے ہیں اور تمام حقائق کے روشن بیان اور خوشنما صاف شفاف سمندر کے ہر فوقیت والی ہزار نہیں سے مدد لیتی رہے انہیں میں آرزو ہے اور انہیں کے سبب سے باقی سب سے بے نیازی اور مراد پانے کے زینے اور تمام ابواب خیر کھولنے والے کی مدد اور آراستگی اور کی روشنی اور اس روشنی کے لئے نور اور غیبوں کا کھلنا اور مشکلوں کا حل ہونا اور چنانچہ موتی اور مراد کے چشمے اور دلوں کی روشنیاں اور نہایت چمکتے جواہر عجیب و نادرہ بے مثل و نظیر سے ایسے پاک ہیں کہ ان کا مثل ممکن نہیں سائلوں کو غنی فرمانے والے ہیں اور مسکینوں کی تونگری ہر کمال ملکوتی داستان کے پاک جامع ہیں تمام مہمات میں کافی ہیں۔ بھرپور بخشنے والے سب بیماریوں سے شفا دینے والے مصطفےٰ برگزیدہ پاکیزہ چنے ہوئے ستھرے صاف سب سختیوں کے وقت کے لئے ساز و سامان ہیں سائل کو نہایت عمدہ منہ مانگی مرادیں ملنے کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش وسیلے ہیں پچھلیوں کے تکیہ گاہ اور اگلوں کے خلاصے اور ان کے آل واصحاب و ازواج و گروہ پر درود و سلام جو ظلمتوں کے چراغ اور ہدایت کی کنجیاں ہیں خصوصاً اسلام کے دونوں یار کہ شریعت و حقیقت دونوں کناروں کے مادی ہیں اور دونوں کرم والے شادیوں کے سبب فرزندی اقدس سے مشرف کہ ان میں ہر ایک آنکھ کی روشنی اور دونوں سمندروں کا مجمع ہے اور ان کے دین کے مجتہدوں اور امت کے اماموں پر خصوصاً شریعت کے چاروں رکن چمکتے نور اور ان کے نہایت کریم بیٹے غوث اعظم پر کہ اولیاء کے لئے ذخیرہ ہیں اور فقہا کے لئے تحفہ اور حقیقت اور وہ شریعت کہ ہر ریت سے آراستہ ہے دونوں کی فصول کے جامع اور ہم سب پر ان کے ساتھ صدقے ہیں ان کے طفیل اسے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہم سے قبول کر۔

نمونۂ تصانیف اعلیٰحضرت عظیم البرکتہ سیدنا شاہ احمد رضا قدس سرہ کی ہر تصنیف الہامی اور علم لاثانی کی شاہد عدل ہے لیکن یہ اسے محسوس ہوتا ہے جو آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے سرشار ہو اور جو سرے سے آپ کا اسم گرامی سنکر غیظ و غضب سے جل جائے تو اس کا کیا علاج لیکن انصاف پسندوں کے سامنے آپ کی تصانیف کے چند اسماء یہاں لکھے جاتے ہیں۔

متعلق بہ نبوت (۱) تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین (۲) اقامتہ القیامہ علی طاعن القیام بنی تہامہ

۳۔ سلطنت المصطفٰے فی کل الوریٰ ۴۔ نفی الفیئ عمن انار بنورہ کل شے ۵۔ ہدی الحیران فی نفی الفیئ عن شمس الاکوان ۶۔ تجلال حدیث لولاک ۸۔ القیام المسعود بتنقیح المقام المحمود ۹۔ اجلال جبریل لجعلہ خادماً للمحبوب الجلیل ۱۰۔ اسماع الاربعین فی شفاعتہ المحبوبین ۱۱۔ البحث الفاحص

تفضیل شیخین سے متعلق

۱۲۔ منتہی التفصیل لمبحث التفضیل (۱۳) مطلع القمرین فی ابانتہ سبقتہ العمرین (۱۴) الزلال الانقی من بحر سبقتہ الاتقیٰ (۱۵) الکلام البہی فی تشبیہ الصدیق بالنبی (۱۶) وجلال الشرق بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق ط

(اھل بیت اور صحابہ سے متعلق)

۱۷۔ احیاء القلب المیت بنشر مناقب اھل بیت ۱۸۔ اظلال السحابۃ فی اجلال الصحابۃ ۱۹۔ دفع العروش الخاویۃ عن ادب لامیر معاویہ ۲۰۔ الاحادیث الراویہ لمناقب الصحابی معاویۃ ۔

(اولیائے کرام سے متعلق

۲۱۔ الھلاک بغیض الاولیاء بعد الوصال (۲۲) انھار الانوار من یسم صلواۃ الاسرار (۲۳) ازھار الانوار من ضیاء صلواۃ الاسرار (۲۴) طوائع النور فی حکم السراج علی القبور (۲۵) مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم

(اختلافی مسائل سے متعلق)

۲۶۔ حیات الموات فی سماع الاموات (۲۷) منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین ۲۸۔ نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء (۲۹)۔ البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ اعشارقۃ ۳۰۔ النجوم الثواب فی تخریج احادیث الکواکب ۳۱ نور عینی فی الانتصار للامام عینی ۳۲ الروض البہیج فی آداب التخریج ۔ اس کتاب کے متعلق تذکرہ نگار نے لکھا ہے کہ اس فن میں اگر کوئی اور کتاب پہلے کی لکھی ہوئی دریافت نہ ہوسکے تو پھر مصنف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس کے شعبۂ موجد قرار پائیں گے ۔

(فقہ سے متعلق)

۳۳۔ عنفری حان فی اجابۃ الاذان ۳۴ حسن البراعۃ فی تنفیذ حکم الجماعۃ ۳۵۔ ازکی الھلال فی ابطال ما احدث الناس فی امر الھلال (۳۶) الاحلیٰ من السکر لطلبۃ سیکر روسر ۔ ادمرا انگریزوں کی ایک تجارتی کمپنی کا نام ہے جنھوں نے شاہجہانپور میں شکر اور چینی کا کارخانہ جاری کیا ہے ۔ وہ جانوروں کی ہڈیاں جلا کر شکر وغیرہ بناتے ہیں ۔

۳۷۔ احود العری لمن یطلب الصحۃ فی اجارۃ القریٰ ۳۸ البنیۃ الوضیۃ فی شرح

الجوھرۃ المضیئۃ ۳۹ جمل مجلیہ فی ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیہ ۴۰ الامن باحترام المقابر ۴۱ البارقۃ اللمعاء علی طالح نطق بکفر طوعاً ۴۲ المقالۃ المسفرۃ لمن احکام البدعۃ المکفرۃ ۴۳ احکام الاحکام فی التناول من ید من مالہ حرام ۴۴ فصل القضاء فی رسم الانتالہ ۴۵ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ

متفرق ابواب سے متعلق

۴۶ مقامع الحدید علی خداء المنطق الجدید ۴۷ اعتبار الطالب بمبحث ابی طالب ۴۸ السعی المشکور فی ابداء الحق المحجور ۴۹ فوز الامال فی الاوفاق والاعمال ۵۰ مائل وکفی من ادعیۃ المصطفیٰ۔ یہ چند تصانیف ہم نے تذکرۂ علمائے سے لیا ہے جس کے مؤلف مولانا رحمٰن علی مرحوم ہیں۔ مولف تذکرہ نے مختلف مکاتب فکر کے اہل علم افراد کا ذکر کیا ہے اس لحاظ سے یہ تذکرہ ایک غیر جانبدارانہ تالیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ تذکرہ نگار نے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے حالات صفحہ ۱۸ تک درج کئے ہیں جو تفصیلات اور جو علمی کام اس وقت تک تذکرہ نگار کو معلوم ہو سکا تھا وہ اس نے توجہ اور فخر کے ساتھ سپرد قلم کیا ہے ورنہ سینکڑوں تصانیف بعد کی مرتب ہوئیں ہیں جن کا مختصر تذکرہ مولانا علامہ ظفر الدین بہاری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک علیحدہ رسالہ میں فرمایا ہے۔

دعوت فکر ناظرین غور فرمائیں کہ کیسے پیارے انداز اور محققانہ طرز پر براعت استہلال کا حق ادا کیا ہے چونکہ فتاویٰ رضویہ شریف کا فقہ شریف سے تعلق ہے اور اس میں مسائل فقہ کا بیان وتحقیق ہے اس لئے آپ نے اس مناسبت سے کتاب کے شروع میں جو عربی خطبہ تحریر فرمایا ہے وہ علم وادب کا ایک نرالا شاہکار و نادر نمونہ ہے اس خطبہ میں فقہ شریف کی مشہور کتب، حضرت ائمہ اربعہ و دیگر اماما ن فقہ کے اسماء مبارکہ اور فقہ کی اصطلاحات کو سلسلہ حمد و نعمت و مناقب میں جس عمدگی کے ساتھ پرو دیا ہے جس خوبی کے ساتھ نبھایا اور فٹ کیا ہے اور فصاحت و بلاغت، معانی و مطالب کا دریا جس طرح کوزہ میں بند فرمایا ہے اس پر بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے آپ کی دیگر تصانیف و مکمل فتاوی رضویہ سے قطع نظر آپ کے اس خطبہ ہی کو بغور پڑھا جائے تو تنہا یہ خطبہ ہی آپ کے امام دعلامہ اور علم کے بادشاہ ہونے کا نہایت واضح ثبوت ہے۔ اعلیٰحضرت مجدد دین وملت قدس سرہ العزیز اس باب میں منفرد ہیں اور آپ کا یہ نہایت عظیم الشان کمال ہے کہ کم وبیش ایک ہزار تصانیف کے باوجود ہر تصنیف کا نام ایسا پیارا نرالا اور دلکش رکھا ہے۔ جسے پڑھ کر اہل علم و اہل ذوق عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ہر ایک کتاب کا نام حسین وجمیل جملوں اور فقروں کی صورت میں علم وادب میں ڈوبا ہوا۔ فصاحت و بلاغت میں ڈھلا ہوا اور معانی وبیان کی میزان پر وزن کیا ہوا ہے اور جس کتاب میں جس موضوع پر کلام ہے۔ اس کے نام میں مختصر طور پر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔

عوام تو عوام کسی چھوٹے موٹے عالم کے لئے بھی صحیح طور پر اعلیٰحضرت کی کتابوں کا نام پڑھ کر اس کا مطلب سمجھ لینا کچھ آسان نہیں ہے اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ جملہ تصانیف میں سے ہر ایک تصنیف کا تاریخی نام ہے جس سے کتاب کی تصنیف

کازمانہ اور کے مطابق علیحدہ علیحدہ عربی خطبہ ہے اور اعلیٰ حضرت کا یہ وہ عظیم الشان شاہکار و بے مثال کارنامہ ہے کہ دنیا کے تصنیف میں اس کا کوئی جواب نہیں۔ اور اس باب میں مصنفین کی جماعت میں سے کوئی بھی آپ کا شریک نہیں (ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

تاریخی اسماء ذیل میں فقیر چند کتب نمونہ کے طور پر درج کرتا ہے جن سے اندازہ لگانا آسان ہو کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہ کی تصانیف مبارکہ موضوع کے مطابق ادبی محاورات کو سامنے رکھ کر تاریخی نام کس طرح متعین فرماتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو ح الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد ۔ الامن والعلی (۱۳۱۱ھ) لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء ۔ الدولۃ المکیہ بالمادۃ (۱۳۲۲ھ) الغیبیہ جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ ۔ الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم۔ مسجود التحیہ ، حیاۃ الموات (۱۳۱۶ھ) فی بیان سماع الاموات ۔ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ، سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح ۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمبین ۔ تجلی الیقین جان نبینا سید المرسلین ۔ مقال العرفاء (۱۳۲۷ھ) باعزاز شرح وعلماء

وصال اور یہ تاریخی اسماء نہ صرف تصانیف مبارکہ میں چلتے تھے بلکہ آپ اہم امور کو تاریخی اسماء سے مزین فرماتے یہاں تک کہ قبل از وفات اپنی تاریخ آیتہ قرآنی سے یوں کہی۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ

۱۳۴۰ھ

ترجمہ :۔ اور ان پر جنت میں چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا۔ یہ بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے کرامات میں سے ایک کرامت ہے کہ وصال سے پہلے اپنی موت کی خبر دیدی ہے اور اسے آیتہ قرآنی سے تاریخی حیثیت سے بیان فرمایا یہاں فقیر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

محصور جہاں دانی و عالی میں ہے   کیا شبہ رضا کی بےمثالی میں ہے

ہر شخص کو اک وصف میں ہوتا ہے کمال   بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

اعلیحضرت امام اہلسنت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ کی سیاسی بصیرت

حکیم محمد حسین بدر چشتی بی اے (علیگ)

اس دنیا میں کسی قوم کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھئے اس کی اوراق گردانی میں صرف فطرت کا ایک اٹل فیصلہ نظر آئے گا کہ جب کسی قوم کی سیاسی عظمت کا چراغ گل ہوتا ہے تو وہ سب کچھ کھو بیٹھتی ہے افتراک اور لامذہبیت کے اس نازک مقام پر بہت سی قومیں تباہ ہو گئی ہیں اور اپنی ملی فکر و نظر کی موت کا اعلان کر کے غلط قیادت کا شکار ہو گئیں اور مٹ گئیں آج سے دو سو سال قبل اسلامیان برصغیر پاک و ہند زندگی اور موت کے اسی دوراہے پر کھڑے اغیار کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ انگریز تاجر کے روپ میں آئے اور ملک کے مالک بن بیٹھے۔ ۱۷۵۷ء میں نواب سراج الدولہ انگریز اور مسلمانوں کے ایک خاص فرقہ کی شرارت کا شکار بنا۔ ۱۷۷۴ء میں مسلمانوں کے اسی فرقہ نے انگریز سے گٹھ جوڑ کر کے نواب حافظ رحمت خاں روہیل کھنڈ (بریلوی) کو شہید کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اب یہی طاقتیں سلطان ٹیپو کی ریاست میسور پر للچائی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں۔ آخر ۱۷۹۹ھ میں سلطان فتح علی ٹیپو کو شہید کر کے اسلامیان برصغیر کا آخری سہارا بھی ختم کر دیا۔ اب مسلمانوں کی ہندوستان میں وہی حالت تھی جو غازی مصطفٰے کمال کے عروج سے پہلے ترکوں کی تھی۔ مغلوں کے آخری دور میں دو شخص ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے مرہٹوں اور سکھوں سے مل کر تاج و تخت کو ناتلافی نقصان پہونچایا۔ سید حسن علی خاں اور سید حسین علی خاں مسلمانوں کے ایک خاص گروہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے دہلی میں اپنے مسلک کی حکومت قائم کرنے کے لئے سکھوں اور مرہٹوں سے معاہدہ کر کے ان کی سیاسی حیثیت کو تسلیم کر لیا۔ شہنشاہ فرخ سیر کو شہید کر کے دہلی کے تخت کے مالک بن بیٹھے تھے ان کو سیدان بادشاہ گر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن اس وقت کے غیور مسلمانوں نے ان کا ذمہ تمام کر کے دہلی کا تخت و تاج دوبارہ خاندان مغلیہ کے حوالے کر دیا۔ یہ دونوں بھائی سلطنت مغلیہ (اسلامیان) کی تباہی کے ذمہ دار ہیں۔ ان سازشوں سے ہندوستان میں جو اسلامی حکومت کو نقصان پہنچا وہ تو ایک کھلی حقیقت ہے مگر زیادہ رنج و

وافسوسناک طریقہ عمل مولوی اسماعیل دہلوی نے اختیار کیا کہ مسلمانوں میں تشتت وفرقہ کا ڈھونگ رچایا۔ انگریز سرکار کی تمام کوشش ان کی نام نہاد تحریک کو کامیاب کرانے کے لئے صرف ہو رہی تھی۔ انگریز اور ہندو کی یہ زبردست کامیابی تھی جس نے مسلمانوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے حج پر جانے سے پہلے کلکتہ میں تقریر کے دوران ایک فتویٰ دیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد حرام ہے انگریز ایک رحم دل سرکار ہے اور ہمارے مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرتی۔ ہمارا مذہبی فرض ہے کہ اگر کوئی دشمن ان کے ساتھ لڑے تو ہمیں انگریز کی امداد کرنی چاہیئے۔ اور اپنی تقریر کے دوران میں نہایت خوشی کا اظہار کیا اور جی کھول کر حکومت برطانیہ کے عدل وانصاف کی تعریف کی۔ حقیقت میں یہ انگریز نواز علما کا ایک طائفہ تھا یہ لوگ انگریزوں کے اشاروں پر شب و روز مصروف کار رہتے تھے۔ اور انہیں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے فرزندانِ توحید کو کافر ومشرک قرار دیتے اور یہی انگریز کا اصل منشا تھا کہ اسلامیانِ برصغیر میں افتراق وانتشار پھیلایا جائے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے انہیں دنوں سرائے زمانہ اور جھوٹ کا پلندہ اور خود ساختہ توحید پر کتاب تقویۃ الایمان لکھ ڈالی اور انگریز بہادر نے اپنے ملازم خاص شہامت علی سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کرا کے ۱۸۵۲ء میں لندن سے شائع کروایا۔ شہامت علی سرہی ایم ریڈ کے سیکرٹری تھے اور یہ شخص مسلم دشمنی میں صفِ اول میں شمار ہوتا تھا۔ [1]

قائدِ اہلِ سنت جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہدِ اعظم حضرت مولانا فضل حق خیر آبادیؒ نے ان انگریز نواز علماء کے خلاف قلم اٹھایا اور مولانا مرحوم نے انگریز حکومت کے خلاف تحریر وتقریر کے ذریعہ شدید غم ونفرت کا اظہار کیا جس سے مولوی اسماعیل دہلوی سید احمد بریلوی اور انگریز کی ملی بھگت کو سخت دھچکا لگا۔ مولوی اسماعیل کی اپیل پر ریذیڈنٹ بہادر دہلی نے حضرت مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کو دہلی بدر کر دیا۔[2] مولوی اسماعیل نے جب یہ دیکھا کہ برصغیر میں یہ خود ساختہ توحید کامیاب نہیں ہوگی تو ان لوگوں نے صوبہ سرحد کا سفر کیا۔ وہاں پہونچ کر ان بھیڑ نما بھیڑیوں نے نام نہاد جہاد کا ڈھونگ رچایا۔ جب اسلامیانِ صوبہ سرحد کو ان کی حقیقت اور خرافات کا پتہ چلا تو علمائے سرحد نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا۔ ان خارجی توحید کے جہادیوں نے انگریز کے خودکار اسلحہ سے صوبہ سرحد کے صحیح العقیدہ مسلمانوں کے خون میں ہاتھ رنگ کر مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور وہاں بھی انہوں نے کافر ومشرک کہہ کر دے کر مسلمانوں میں افتراق وانتشار پھیلایا لیکن صوبہ سرحد کے غیور مسلمانوں نے ان نام نہاد جہادیوں کا سختی سے محاسبہ کیا اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ افسوس کہ پاکستان میں ایک خاص گروہ آج انہیں شہید ملت اور تحریک آزادی کے قائد جیسے القاب سے مشہور کر رہا ہے اور پاکستان کے نصاب تعلیم میں انہیں نام نہاد جہادیوں کے نام سے ورد رٹا جا رہا ہے درا صل مجاہدین جنگ آزادی اور تحریک پاکستان کے کارکنوں کا تذکرہ تک نہیں ملتا (مورخہ ۸ ر دسمبر ۱۹۸۱ء) آج رات ٹیلی ویژن پر اتمش ڈرامہ کے اختتام کے بعد جنرل بخت خاں کے ڈرامے کا اعلان کیا گیا۔ میرے ساتھ میرے بچے جو اس وقت آٹھویں اور دسویں جماعت کے طالب علم ہیں مجھ سے پوچھنے لگے کہ ابا جان جنرل بخت کون تھا؟ یہ صرف میرے بچوں کا حال نہیں پوری پاکستانی قوم کے نونہالوں کا یہی حال ہے کہ اپنے اسلاف کے سنہری کارناموں سے بالکل ناآشنا ہیں۔ حالانکہ انگریزی اقتدار کے زمانہ میں وہابیوں کے بزرگوں کی تصنیفات میں انگریز پروری کا صحیح ثبوت ملتا ہے۔[3]

---

[1] تاریخ حسن ابدال [2] حیات اسمٰعیل شہید۔

اور سکھوں سے جہاد کی کلی مولوی رشید گنگوہی دیوبندی نے "تذکرۃ الرشید" میں کھول دی ہے کہ سید صاحب نے پہلا جہاد سمی یار محمد خان حاکم یاغستان سے کیا۔ (تذکرۃ الرشید حصہ دوم صفحہ ٢٧١)

شاید ان نام نہاد جہادیوں نے یار محمد خان کو ہی سکھ سمجھ لیا ہوگا۔ یا انگریز آقا کے اشارے پر ہر داڑھی والے کو سکھ سمجھنے لگے ہونگے۔ ایسے واقعات سے حیاتِ طیبہ، مرزا حیرت دہلوی، حیات سید احمد شہید، مصنف جعفر تھانیسری سیرت سید احمد شہید مصنف غلام رسول مہر، سید احمد کی تصحیح تصویر، مصنفہ وحید احمد مسعود، تاریخ ہزارہ، تذکرہ علمائے سرور تاریخ پشاور اور تاریخ تناولیاں امتیاز حق مصنفہ راجہ غلام محمد وغیرہ بھری پڑی ہیں اور انہیں کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ چار سال میں جہادیوں نے سکھوں کے خلاف چار شب خون مارے جس میں نو سو کے قریب سکھ مارے گئے اور تیرہ سو سے زائد جہادی کام آئے اور صحیح عقیدہ مسلمانوں کے خلاف ستر جنگیں لڑی گئیں جس میں ٢٥ ہزار سے زائد کلمہ گو مسلمان بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ حالانکہ اسلام کی رو سے مسلمانوں کی سیاست کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے اگر مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کا مطالعہ کرتے اور سنت رسول پر عمل کرتے تو حادثہ بالاکوٹ پیش نہ آتا۔ انہوں نے تو فلسفۂ خوارج رد اور قد کی راہ اختیار کی ماسوائے اپنے فرقہ کے تمام مسلمانوں کو کافر مشرک قرار دیکر قابلِ گردن زدنی کر دیا ان کا وجود نامسعود نبی کریم علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی چلا آتا ہے اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے افکار و کردار میں آوارگی، خودسری، سرکشی اور مفاد پرستی و منافقت بھری پڑی ہے حالانکہ یہ فرقہ جن جن باتوں کو کفر و شرک قرار دیتا ہے وہ تو سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ کرام تابعین تبع تابعین، ائمہ اربعہ، رضی اللہ عنہ سے اب تک برابر تمام علماء و امراء اور عوام المسلمین میں رائج و شائع ہیں اور ابن عبدالوہاب نجدی، مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کا مبلغ علم ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے۔ ان کے عقائد کی رو سے چودہ سو سال کے تمام کے تمام مسلمان کافر و مشرک قرار دیے جاتے ہیں ان کی کتابیں بالعموم کتاب تقویۃ الایمان اور کتاب التوحید اس نجدیت کی آئینہ دار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کے لئے ہر صدی میں ایک ایسا شخص بھیجا ہے جو دین حق کی تجدید کرے۔ تعلیم دین کی حفاظت و تبلیغ کا کام خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفائے راشدین صحابۂ کرام تابعین اور آلِ مطہرات کے سپرد کیا ہے۔ آل میں نسبی معنوی اور اولاد دونوں شامل ہیں اور یہ سلسلہ ائمہ حق اور مشائخ کرام بخوبی چلاتے آرہے ہیں لیکن خوارج معتزلہ اور وہابی فرقوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں تحریف کرنے کی جرات کی۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ٧٣ فرقے پیدا ہوں گے۔ ایک ناجی ہوگا کہ جو میری راہ پر چلے گا اور عقیدہ و عمل میں ظاہر کتاب و سنت پر کاربند ہوگا۔ باقی فرقے غیر ناجی ہوں گے جو سلف صالحین کے عقیدے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ تراش لیں گے۔ حضرت شیخ مراکشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرقوں کی تشریح کی ہے کہ ناجی فرقہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ قیامت تک گمراہ نہیں ہوگا۔ قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرے گا اور یہ ایک جماعت ہوگی جو ہر زمانہ میں اکثریت میں رہے گی۔

بقیہ فرقے جو غیر ناجی ہیں ان کی یہ پہچان ہوگی کہ وہ قرآن اور سنت کی پیروی نہیں کرینگے بلکہ صفات باری کی عقلی تاویلیں کرینگے اور خدا کی صفات کو غیر ذات قرار دینگے اسی طرح وہ صفات الٰہی سے متعلق آیات قرآنی کی تاویل کریں گے۔ سب سے بڑی ان کی پہچان ہوگی کہ ان کی اجماع امت سے دشمنی اور کافروں سے دوستی ہوگی ان سے مل کر مسلمانوں کو [illegible]نی و مالی نقصان دیں گے۔

عمر ابو النصر مصری لکھتے ہیں۔

کہ جب ابن الاشعث (خارجی) نے حجاج کے خلاف بغاوت اور شورش کا پرچم بلند کیا تو عراق میں رہنے والے بعض عربوں کے علاوہ جن لوگوں اور جماعتوں نے اس کا ساتھ دیا۔ ان میں شیعہ خوارج اہلِ فارس اور مسیحی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ (تاریخ خوارج)

حقیقت ہے کہ اہلِ فارس یہود اور نصرانیوں نے اسلام میں فرقہ بندی کی بنیاد ڈالی انہی کی سازش سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ خوارج نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ ماسوا اپنے خارجی فرقے نے جمہور امت کو کافر قرار دیا۔

عمر ابو النصر مصری رقمطراز ہیں۔

احکام اسلامی کے اتباع میں وہ بہت سخت ہیں۔ بہت زیادہ غلو کرتے ہیں اور ان کا غلو یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ آیات الٰہی کی تفسیر غیر حقیقی معنوں پر کرنے لگتے ہیں وہ صرف مرتکب گناہ کبیرہ کو ہی نہیں بلکہ مرتکب گناہ صغیرہ کو بھی منافق اور کافر قرار دیتے ہیں ان کے غلو کا یہ عالم ہے کہ معمولی معمولی لغزشوں پر اپنے آئمہ سے بھی مقابلہ پر تیار ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں جو لوگ ان کے ہم رائے نہیں ہیں ان پر سفاکانہ تشدد سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اور انہیں کافر قرار دیتے ہیں (تاریخ خوارج)

اب ملاحظہ فرمائیں فرقہ معتزلہ کے عقائد۔

جس طرح افراد و اشخاص پر موت طاری ہوتی ہے اسی طرح باطل جماعتیں بھی مرتی ہیں۔ خوارج بڑی شان سے جہاں نمود میں ابھرے تھے لیکن بہت جلد ہی عبرت انگیز طور پر دنیا سے کوچ کر گئے۔ فرقہ مرجیہ اور فرقہ جبریہ اور قدریہ اسی طرح اپنی موت مر گئے۔ جب کوئی مرتا ہے تو اس کے کچھ وجوہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح معتزلہ کا دور قوت و شوکت بھی تاریخ اسلام کا نہایت ہولناک روح فرسا اور لرزہ خیز دور ہے۔ معتزلہ تخت اقتدار پر پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنے عقائد اور موضوعات عوام و خواص پر جبری مسلط کرنے کی سعی نامحمود شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایسے سفاکانہ اور سنگدلانہ جرائم کا ارتکاب کیا۔ جن کے تصور سے انسانیت کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں حسن احمد ابی داؤد معتزلی فرقے کا قائد تھا۔ انہوں نے خلیفہ مامون الرشید کو اپنے عقائد پر ڈال لیا اور خود قاضی کا قلمدان سنبھال لیا۔ ابن داؤد نے اپنی چرب زبانی اور شخصیت سے مامون کو اپنا گرویدہ بنا یا کہ وہ رفتہ رفتہ اس پر چھا گیا اور اسے خلق قرآن کا قائل کر لیا اور مامون الرشید کو اس حد تک آمادہ کیا کہ اس مسئلے کے سلسلے میں وہ لوگوں کو ابتلائے آزمائش کرے چنانچہ جو مسلمان یا ائمہ کرام میں سے خلق قرآن کے عقیدے کا اظہار نہ کرتا تو انہیں گردن زدنی قرار دیا جاتا۔ لہٰذا اس وقت کے تمام قاضیوں اور محدثین پر سختی کی گئی۔ یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل کو کوڑوں کی سزا دی گئی۔ ان پر ایسی سختیاں کی گئیں کہ وہ اسی صدمہ سے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

زاہد الحسن جار اللہ لکھتے ہیں۔

کہ ہر ایک کافر تھا۔ غرض یہ تھا معتزلہ کا افتراق و اختلاف اور ذوقِ تکبر حالت یہ تھی کہ استاد شاگرد کو کافر کہتا تھا۔ شاگرد استاد کے لئے بھی لقب تجویز کرتا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بہت سی کتابیں قلم بند کر ڈالیں۔ (تاریخ معتزلہ ص ۳۷)

خوارج اور معتزلہ فرقوں کے افکار اور کردار کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی امت کئی بہروپ بنا کر سیدھے سادے صحیح العقیدہ مسلمانوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور انہیں عام فہم اور

دل اور دماغ کو کھینچ لینے والے اصول بنا کر گمراہ کرتے ہیں۔ لوگ ان کی طرف کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔ لیکن یہ کیفیت زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہتی جلد ہی اس باطل جماعت میں فطری اختلافات رونما ہوتے ہیں اور پھر تیزی کے ساتھ یہ فکری اختلافات نئے فرقوں میں اور نئی جماعتوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اسی دور سے عبدالوہاب نجدی کی امت کو ہندوستان میں گذرنا پڑا برصغیر میں انگریز کی آمد پر ہندوستان میں صرف مسلمانوں کے دو فرقے تھے۔ اہل سنت و جماعت اور شیعہ۔ اہل سنت جماعت پچانوے فیصدی تھے۔ لیکن اب دیکھیں کہ ان کے بیسیوں فرقے ہیں اور جن کا ایک دوسرے کے عقائد سے زبردست اختلاف ہے اور ہر فرقہ خوارج اور معتزلہ کی طرح ایک دوسرے کو کافر قرار دیتا ہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے انگریز کے اشارے پر تقویۃ الایمان کتاب لکھ کر اسلامیان برصغیر کو کافر و مشرک قرار دے دیا اور مولوی ابوالکلام آزاد نے گاندھی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ترجمان القرآن تفسیر من مانے رنگ میں لکھ کر تمام مذاہب میں صداقت موجود ہے کا فتویٰ دے کر اکبر کے دین الٰہی کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ عبداللہ سندھی نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ تصور خدا کے میرے اس فکر کو مان کر ہندو ہندو نہیں رہے گا اور مسلمان جن معنوں میں کہ وہ آج مسلمان سمجھا جاتا ہے مسلمان نہیں رہے گا لیکن یہ دونوں لا دینی بھی نہیں بنیں گے۔ وہ خدا کو مانیں گے اور اسے اس طرح مانیں گے کہ خدا ان کے لئے ایک موجود حقیقت ہو گا۔ (افادات و ملفوظات ص۲۱۲)

چوھدری حبیب احمد لکھتے ہیں۔

کہ مولانا آزاد کا گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ملاحظہ فرمایئے (تفسیر ترجمان القرآن)

جو لوگ پیغمبر اسلام پر ایمان لا چکے ہیں وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں۔ یا نصاریٰ اور صابی ہوں۔ کوئی ہوں اور کسی گروہ بندی میں سے ہوں لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا۔ اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا نہ کسی طرح کی غمگینی (تفسیر پارہ اول رکوع ۵)

یہ ہم نے ترجمان القرآن کے ص۱۹۵، ص۱۹۱ سے حرف بحرف نقل کیا ہے اور اس جلد سے ۱۶ نومبر ۱۹۳۰ء کی تاریخ ملتی ہے۔ اس جلد میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ ترجمہ کے الفاظ پر دوبارہ غور فرمایئے یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلین پر ایمان و اقرار ضروری نہیں۔ بہ ظاہر کرنے سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ آزاد نے ایمان بالرسالت کو ضروری قرار نہیں دیا۔ (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص۲۲۳)

کانگریس کے راشٹرپتی ابوالکلام آزاد (گاندھی کے اسپر) نے متحدہ قومیت کے نظریہ کو تقویت دینے کے لئے الہلالی دور کے نظریات سے یکسر انحراف کر کے گاندھوی فلسفہ سے متاثر ہو کر برصغیر میں ہندو راج کو طاقت بخشنے کے لئے جو سراب آسا تفسیر اور مبالغہ آمیز تشریح قرآن پاک کی اس سے اکبری دور کے دین الٰہی کی یاد تازہ ہو گئی۔ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں انگریز نے خوارجی فلسفہ کو تقویت دینے کے لئے دارالعلوم ندوۃ الاسلام لکھنؤ کی بنیاد ۱۹۰۸ء میں رکھی اور پانچ سو روپیہ ماہوار گرانٹ مقرر ہوئی اور دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی محمد قاسم نانوتوی کے صاحبزادے حافظ احمد کیلئے ڈھائی سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔

(افادات ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ارض ہند سے مسلمانوں کی تمدنی قوت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد ہندوؤں کے مہاتما جی نے ان حالات کا بہ نظر تعمق مطالعہ کیا اور موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے متحدہ قومیت کا جام گردش میں لانا شروع کیا۔ تحریک خلافت

کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ تمام جی اپنا کام تمام کر چکے لیکن ابھی تک ان کے ترکش میں زہر آلودہ اور بھی تیر تھے اب انہوں نے اپنے آشرم میں بیٹھ کر نہایت منظم طریقے پر علمائے سوء کا ایک ایسا گروہ تیار کیا جنہوں نے ہندو کانگریس اور سیٹھوں کی تجوریوں کے منہ کھلے دیکھ کر اپنے ذاتی اغراض کی خاطر مسلمانوں کی رہی سہی قوت کو بھی فنا کر دیا۔ ان کی صفوں میں افتراق کا ایک ایسا مہلک بیج بو یا کہ جس کا ابھی تک مداوا نہ ہو سکا ۱۹۱۲-۱۳ء میں یورپ کی نصرانی طاقتوں نے پوری طاقت سے ترکی پر حملہ کر دیا۔ یہ ایسی منظم سازش تھی کہ ہر لحاظ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ دسویں صدی عیسوی کی صلیبی جنگوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا ہے اور اسلام کے آخری مرکز کو بھی فنا کر کے دم لینگے تحریک خلافت اسی بین الملی جذبۂ اخوت کا نتیجہ تھی۔ جو اسلامیان ہند کو مقامات مقدسہ اور اسلامی سلطنتوں کے تحفظ کے لئے چلانی پڑی تھی۔ اسی زمانے میں گاندھی جی نے مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور مسئلہ خلافت کے ساتھ کمال محبت اور عقیدت کا اظہار کیا اور مسلمانوں کے ساتھ غیر مشروط طور پر تعاون کرنے کے لئے تیار ہو گئے مگر مسلمانوں کے ساتھ اظہار محبت کرتے وقت یہ کہہ دیتے کہ میں گاؤ ماتا کو نہیں بھولا۔ گاؤ ماتا کی رکھشا ہونا چاہیئے۔ اور یہی عقیدہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد میں اگر کوئی چیز مانع ہے۔ مسئلہ خلافت کی وجہ سے گاندھی جی اب مسلمانوں کو ترک موالات کا سبق دینے لگا۔ گاندھی جی کی ان کوششوں کے باوجود ہندو کسی عنوان بھی تحریک خلافت کے ساتھ ہمدردی کا اظہار نہ کرتے تھے اور نہ ہی کسی پروگرام میں عملی حصہ لیتے تھے۔ حالانکہ وہ اعلان کر چکے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کا ایسا سنہری موقعہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ مگر پھر بھی ہندوؤں کی کوئی ایسی بات معلوم نہ ہوتی تھی جس کے پیش نظر وہ سب کچھ بھول کر خلافت اور ترک موالات کے پروگرام میں شامل ہو جائیں۔ مہاتما گاندھی نے اندرونی خانہ ہندوؤں سے کہا کہ میرا خلافت اور ترک موالات میں شامل ہونا۔ گاؤ رکھشا اور سوراج کے سوا کچھ نہیں سوراج کی گاندھی کے نزدیک عجیب و غریب تفسیریں ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد تحریک خلافت اور سوراج کے ساتھ ساتھ تحریک ہجرت ہی شروع کرادی۔ مسلمان ہندوستان چھوڑ کر افغانستان کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ جس کی تفصیل ذیل میں دی جائے گی۔

تحریک ترک موالات کو کامیاب بنانے کے لئے گاندھی جی نے مسلمانوں کے لئے وفود بنانے کے لئے ملک گیر دورے شروع کر دیئے۔ گاندھی جی جہاں جہاں بھی گئے۔ مسلمانوں کو تمام کالج اور سکول بند کرنے کی تلقین کی۔ علی گڑھ پہنچ کر گاندھی جی نے یہی اپیل کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے منتظمین کو ایک خط لکھا کہ یونیورسٹی کے تعلیمی مصارف میں حکومت کی امداد کو ٹھکرا دیں۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے مولانا سید سلیمان اشرف بہاریؒ پروفیسر دینیات، مولانا حبیب الرحمن شیروانی اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کا کہ انہوں نے اس ادارے کو گاندھی کی بنیاد بدھی سے بچالیا۔ حضرت مولانا اشرف بہاریؒ نے گاندھی کی اس مسلم کش پالیسی پر اپنی کتاب الرشاد میں خوب روشنی ڈالی ہے۔ مہاتما گاندھی نے کسی ہندو تعلیمی ادارے کو بند کرنے کے لئے کبھی لب کشائی نہ کی۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایک طرف گاندھی جی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء کو صرف کالج بند کرنے کی تلقین کر رہے تھے بلکہ یونیورسٹی کے منتظمین سے [illegible] تھے کہ وہ حکومت کی تعلیمی امداد کو ٹھکرا دیں اور دوسری طرف بنارس یونیورسٹی میں پرنس آف ویلز کو شاہی استقبالیہ دینے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہندو مسلم اتحاد جن غیر مستحکم اور غیر فطری بنیادوں پر قائم ہوا تھا وہ خواب اب پریشان تعبیر ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اسی اثناء میں سلطان واحد الدین نے سیلورے کانفرنس کا فیصلہ منظور کر کے خلافت عثمانیہ کو ختم کر دیا اب انگریزی سرکار نے اسلامیان برصغیر پاک و ہند پر سختی کرنی شروع کر دی اور خلافت کا لٹا ہوا قافلہ

گاندھی جی کے ہاتھ لگا۔ اس نے جس طرح چاہا اس کو استعمال کیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ گاندھی جی کے دل میں یک لخت ساری اسلامی دنیا کا درد کہاں سے پیدا ہو گیا۔ تحریک خلافت میں انہوں نے اتنی زبردست مہربانی کا اظہار کیوں کیا۔ ترک موالات میں مسلمانوں کی کیوں قیادت کی یہ وہ زمانہ ہے جہاں سے مسلمانوں کی سیاسی نبرہ بختی کا آغاز ہوتا ہے۔ **مسلمانوں کی وحدت ملی** پارہ پارہ نظر نظر آرہی ہے۔ یہی وہ نامبارک ساعت ہے جہاں سے ہمارے لاتعداد بھائی کعبہ سے منہ موڑ کر جیسا مندر سے ناطہ جوڑ کر کفر کے غیر فطری امتزاج سے رسوا عالم اور مسلم کش متحدہ قومیت کا خمیرہ تیار کرتے نظر آرہے ہیں آج سے ساٹھ سال قبل اسلامیانِ برصغیر زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے اغیار کی ٹھوکریں کھا رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ملاحظہ فرمایئے کہ عین اسی نقطہ لامرکزیت پر ایک مرد حق آگاہی کی آوازِ ملت اسلامیہ کے سرگردان اور پریشان کارواں میں بانگ درا بن کر گونجی اور خدا کے اس مخلص بندے نے دس کروڑ اسلامیان برصغیر کو ایک اندوہناک سانحہ سے بچا لیا۔ ملت اسلامیہ کی تقدیر بدلنے والا یہ مردِ مومن حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی تھا جس کو برصغیر پاک و ہند کے مسلمان وقت کا مجدد کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ نے برصغیر کے مسلمانوں کو ان نامعقول مسلم کش تحریکوں سے الگ رہنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر آپ ترک موالات کرنا چاہتے ہیں تو پہلے ہندو کا فرسے کریں اور صرف مسلمانوں کی دوکانوں سے ہی ضروریات زندگی کی چیزیں خریدیں۔ چاہیئے آپ کو دس میل کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے۔ گاندھی جی جن نظریات کی تبلیغ کر رہے ہیں وہ ہر مسلمان کی فطرت کے خلاف ہیں جس پر عمل کرنا ناممکن ہے ہندوؤں نے جب دیکھا کہ علمائے سو ہر طرح سے اُن کے ہم نوا ہو چکے ہیں گاؤ رکھشا اور متحدہ قومیت کا پرچار شروع کر دیا اور گاندھی جی کی سیاسی سرگرمیوں کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ اہل ہند کو ایک دین و مذاہب پر چلایا جائے جس کا وہ پہلے ہی خمیر تیار کر چکا تھا کہ مسلمان اپنے شعائر مذہبی کو ترک کر کے متحدہ قومیت میں مدغم ہو جائیں اس میں پنڈت کالی چرن، پنڈت رام چند را دھوم بھکشو نامی اور رسوائے عالم رسول پنڈت دیانند سرسوتی نے عجلت سے کام لیا اور تحریک شدھی کا آغاز کر دیا۔ ستیارتھ پرکاش اور رنگیلا رسول جیسی کتابیں لکھی گئیں جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے ناموس پر رکیک حملے کئے گئے۔ اس پر بھی ان کانگریسی علماء کی غیرت نہ جاگی بلکہ انہوں نے انہی دنوں منشی رام شردھانند بانی تحریک شدھی کو جامع مسجد دہلی کے ممبر پر بٹھا کر ہندو مسلم اتحاد کے موضوع پر ..... تقریر کروائی۔ تحریک بریلی نے جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی جس نے اس مسلم کش تحریک شدھی کا پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی۔ حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی۔ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری۔ حضرت مولانا سید محمد شاہ محدث کچھوچھویؒ۔ حضرت شاہ علی حسین اشرفیؒ حضرت مولانا مفتی مصطفےٰ رضا خاں۔ مولانا غلام قطب الدین برہم چاری۔ مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی۔ مولانا ابوالبرکات سید احمد اور حضرت سید سجاد حسین شاہ بکری اور غلام بھیک نیرنگ مفتی محمد فرنگی وغیرہ کی کوششوں سے لاکھوں مسلمان جو مرتد ہو چکے تھے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد چند غیرتمند نوجوان مسلمانوں نے ان گستاخوں کا محاسبہ کیا۔ چنانچہ شردھانند کو قتل کر کے غازی عبدالرشید نے اس کا شر مٹایا۔ راجپال لاہوری سے گستاخی کا بدلہ غازی علم الدین نے لیا۔ کلکتہ میں بھولا ناتھ سن کو غازی عبداللہ اور امیر احمد نے ٹھکانے لگایا۔ قصور کے بالا مل کو غازی محمد صدیق نے قتل کر کے جہنم واصل کیا۔ کراچی کے نتھو رام کو غازی عبدالقیوم نے کیفر کردار کو پہنچایا[1] مسلمان دنیا کی ہر ذلت

---

[1] ص۱ پاکستان انقلاب سے پہلے انقلاب کے بعد

برداشت کر سکتے ہیں لیکن اپنے آقا و مولا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ایک لحظہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتے۔ اب دیکھئے دیوبندیوں کا کردار مولانا مفتی کفایت اللہ دیوبندی نے ان غازیوں کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کو ناقابل تلافی نقصان پہونچایا ہے۔

جامعہ ملیہ دہلی کا سنگ بنیاد ۱۹۲۵ء میں دیوبند کے مولوی محمود الحسن نے رکھا اور ان کے پہلے پرنسپل ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مقرر ہوئے اس ادارے کا قیام برصغیر پاک وہند میں متحدہ قومیت کے نظریات کو تقویت بخشنا تھا۔ نیشنلسٹ علماء کے الاعلاؤں میں جن کے نام سر فہرست ہیں ان میں مولوی حسین احمد دیوبندی بھی ہیں انہوں نے کہا قومیں اوطان سے بنتی ہیں کا فتویٰ دے کر قرآنی اخوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا یکسر انکار کر دیا۔ یہ وہ دور تھا جب انگریز اور ہندو دونوں مسلمانوں کے دل و دماغ پر قبضہ کرنے میں نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کی قومی وحدت کو فنا کر دیا اور برصغیر کے مسلمان افتراق کا شکار ہو کر ایک آوارہ اور منتشر گروہ کی طرح بیسیوں جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان کے سامنے کوئی منظم نصب العین نہ تھا۔ وہ جگہ جگہ اپنی خودی کی موت کا اعلان کرتے پھرتے تھے کبھی سرکار انگریز کے سامنے جبیں سائی کو سعادت سمجھتے اور کبھی گاندھی کے آشرم کے سامنے ہاتھ پھیلاتے۔ ان صبر آزما ساعتوں میں جبکہ مسلمانوں کا مفاد پرست طبقہ کے بڑے بڑے علماء کعبہ سے منہ موڑ کر سماتے وار دھا کے الہامات پر مسلمانوں کو دعوت عمل دے رہے تھے۔ ایسے آڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کے وجود کو اسلامیان برصغیر کے لئے روشنی کے ایک بلند مینار کی طرح مشعل راہ بنا دیا اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی اسلامیان برصغیر کی ایسے آڑے وقت میں راہنمائی نہ فرماتے تو برصغیر پاک وہند میں انگریز، ہندو اور خوارج اسلام کی صحیح تصویر کو مسخ کرنے میں کامیاب ہو جاتے اور ایسی حالت میں پاکستان کا قیام عمل میں نہ آتا۔

اعلیحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے قلم کے زور سے مسلمانوں کے دل میں جذبہ حمایت و حمیت دین بیدار کیا اور بار بار آگاہ کیا آخر میں اس مسئلہ پر فیصلہ کن کتاب "بنام المحجۃ المؤتمنہ" لکھی جس میں واضح کیا کہ ہندو مسلمان کا دوست کبھی نہیں ہو سکتا۔ غرضیکہ فاضل بریلوی اپنے زور قلم سے مسلمانوں کو متنبہ کرتے رہے کہ انگریز کی سیاست اور ہندو کی دولت تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی اگر مخلص اپنی آن اور سفینہ اسلام کو بچانا ہے تو اپنے قلب میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرو۔ خلوص دل سے قرآن کریم اور احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر گامزن ہو جاؤ۔ ان لافانی اصولوں کی بدولت ہی ترقی کر کے اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہو۔ گاندھی افریقہ سے واپسی پر دیکھتا ہے کہ ہندوستان میں دو سیاسی جماعتیں قدم جما رہی ہیں ایک کے قائد اگر محمد علی جناح ہیں تو دوسری جماعت کے قیادت ہندو کے ہاتھ میں ہے کانگریس جو ہندوؤں کی جماعت تھی وہ نیم مردہ حالت میں تھی اسے طاقت ور بنانے کے لئے گاندھی نے مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ڈرامائی انداز میں نہ صرف تحریک خلافت کی تائید کی بلکہ کانگریس کی طرف سے عملی امداد کا بھی اعلان کر دیا۔ یہ شاطر ہندو سیاستدان جانتا تھا کہ انگریز اور ہندو مسلمان کا مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ ان کے ساتھ مل کر ڈیوائیڈ اینڈ رول کی پالیسی پر عمل کیا جائے۔ مسلمان کو مسلمان کے ہاتھ سے کٹوایا جائے اس نے تحریک خلافت میں شامل ہوتے ہی ترک موالات کی تحریک شروع کی اور اس تحریک کا فیصلہ نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی کی خلافت کانفرنس کے اجلاس میں کیا گیا۔ ترک موالات کے پروگرام کے ساتھ ساتھ بہت سے قوم پرست علماء نے جن میں مولانا ابوالکلام

آزاد، حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، عبیداللہ سندھی، عطاء اللہ شاہ بخاری، احمد علی لاہوری، حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور دیگر علماء بھی شامل تھے۔ مہاتما گاندھی کے اشارے پر یہ طے کیا کہ مسلمان ہندوستان سے افغانستان اور دیگر اسلامی ملک کو ہجرت کر جائیں تاکہ سندھ، پنجاب، صوبہ سرحد مسلمانوں کے اکثریتی صوبے اقلیت میں تبدیل ہو جائیں اس اسکیم سے مسلمانان صوبہ پنجاب، سندھ اور سرحد کی جو درگت بنی وہ تاریخ سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں۔ مسلمانوں کو مالی اور جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ان ناعاقبت اندیش لوگوں نے گاندھی کے اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی سر توڑ کوشش کی جن کا حوالہ مندرجہ بالا عبارت میں دیا جا چکا ہے۔ مذہب و تمدن اسلام کو ہندوستان سے ختم کرنے کا جو پروگرام بنایا گیا تھا اس کی ایک مختصر سی جھلک آپ کو دکھائی جا چکی ہے۔ یہ زہر قاتل گاندھی اور وطن پرست کانگریسی علماء نے غیر محسوس طور پر مسلمانوں کے جسد قومی میں آہستہ آہستہ داخل کیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے کانگریس نواز مسلم جماعتوں کو اپنا ہمنوا بنا کر تحریک پاکستان کی کھل کر مخالفت کی اور یہ پروگرام ابھی تک جاری ہے جس کا اثر پاکستان کے سینتیس سال گذر جانے کے بعد بھی ظاہر ہو رہا ہے اردو کی مخالفت اور صوبائی تعصب اسی پروگرام کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔

اکبر کے دین الٰہی کا فتنہ نہایت مہلک و خطرناک تھا جسے مٹانے کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ حضرت شیخ بدرالدین سیکری، قاضی محمد یزدی جون پوری شہیدؒ میر یعقوب شہیدؒ قاضی بنگال اور قاضی لان بری شہیدؒ نے اپنے وقت میں انجام دیا۔ تحریک ترک موالات جو گاندھی کے ابھار پر شروع ہوئی۔ اس کے متعلق حکم شرعی بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے ۱۹۲۵ء میں المحجۃ المؤتمنہ کے نام سے جو کتاب لکھی۔ وہ مسلمانوں کے لئے منارۂ نور ثابت ہوئی۔ حالانکہ قائداعظم محمد علی جناح جیسے راہنما جو پہلے کانگریس میں تھے۔ اس کتاب کی اشاعت کے دس سال بعد دو قومی نظریہ کی طرف مائل ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند کے مکتبۂ فکر سے وابستگی رکھنے والے گاندھوی فلسفہ سے متاثر ہو کر قوم پرستی کی لعنت میں اسیر ہو گئے گاندھی جی نے سب سے پہلے یہ بات سکھائی کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان ایک نجی رشتہ ہے ہم سب بھائی بھائی ہیں ہمارا گوشت پوست ایک ہے ہمارے آباؤ اجداد ایک ہیں۔ کیا مذہب مختلف ہونے سے ہماری قومیت بھی بدل گئی؟ یہ کیا لغویت ہے ہم ایک قوم ہیں ہندوستان کی ایک نیشن ہیں اور سب کا ایک ہی نصب العین ہے اور سوراج ہے اس لئے آؤ ہم سب بھائی بھائی بیٹھ کر چرخہ کاتیں اور آزادی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ جب آزادی مل جائے گی تو ہم لوگ آپ کا اچھی طرح خیال رکھیں گے۔ آپ کا مذہب آزاد ہوگا۔ یعنی آپ کو اذان دینے کی اجازت ہوگی۔ اور آپ نماز وغیرہ بھی آزادی سے پڑھ سکیں گے اور پھر تو ظاہری رسومات ہیں۔ دقیانوسی خیالات ہیں جو ہم سب کو ایک دوسرے سے دست و گریبان کراتے ہیں۔ آپ تو خود بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ سچائی تو سب مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ اصل مقصد تو رام اور رحیم کو یاد کرنا ہے چاہے مندر میں بیٹھ کر کر لیں چاہے مسجد میں مہاتما گاندھی اس طائفہ کو بہت ہوشیاری سے سدھا رہا تھا۔ تاکہ ان بزرگوں سے بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے متحدہ قومیت کے جال میں پھنسا سکے۔ گاندھی کا اشارہ پاتے ہی یہ قوم پرست اور کانگریسی علماء بولے کہ مہاراج آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔ آپ کی دیا سے آپ کے آشرم سے نمک کھاتے ہیں اور آپ کی رسوئی سے بھوجن بھی ملتا ہے آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں اگر حکم ہو تو کچھ کر کے دکھائیں۔ مسلمانوں کی بدبختی ملاحظہ فرمائیں کہ اس غیر فطری متحدہ قومیت کا علم ایسے بزرگوں

کے ہاتھ سے تیار کروایا جنہوں نے کبھی قرآن کی روشنی سے مسلمانوں کے سینوں کو منور کیا تھا۔ انہوں نے کبھی ظلمت اور تاریکی کے خلاف جہاد کرنا سکھایا تھا مگر جب انسان اپنی ذاتی نظر و فکر کو ذاتی اغراض کی خاطر اوروں کی خوشنودی مزاج کو قبلہ مقصود بنا لیتا ہے تو اسی طرح اپنی خودی کی موت کا اعلان کر دیتا ہے۔ اب ہم یہاں گاندھی کے فلسفہ متحدہ قومیت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو کچھ متحدہ قومیت کے متعلق لکھا ہے اور ان بزرگوں نے سکھایا ہے اس پر غور کرتے ہیں۔ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دین کی دو[2] قسمیں ہیں ایک تو دین حق اور دوسرا دین خلق۔ دین حق وہ ہے جو انبیاء علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے پسند فرمایا۔ اور دوسرا دین خلق جو لوگوں کی اپنی اختراع ہوتی ہے۔ دین حق تو ایک ہی ہے اور قیامت تک ایک ہی رہے گا اور یہ دین اسلام ہے جس کے معنی اللہ کی اطاعت ہیں دین خلق وہ ہے جو کوئی انسان ایسے اصول اور عقیدے پیش کرتا ہے جو عام فہم دل و دماغ کو کھینچ لینے والے ہوتے ہیں اور وہ سادہ لوح انسانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ لوگ اس کی طرف کشاں کشاں چلے آتے ہیں لیکن یہ خود ساختہ دین اس باطل شخصیت کی موت کے ساتھ خود بھی مر جاتا ہے۔ متحدہ قومیت میں بھی ایسی کشش تھی اور سب سے بڑا اصول ان لوگوں کے ذاتی اغراض تھے۔

ڈاکٹر محمد شجاع ناموس سابق وائس پرنسپل ایس ای کالج بھاولپور رقمطراز ہیں کہ کانگریس میں جو مسلمان اب بھی شامل ہیں ان کی شمولیت کی اور بھی چند وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایس نیاز علی قادری نے اپنی کتاب ۱۹۴۴ء A. Muslims Inner voice میں ان کو اس طرح سے بیان کیا ہے۔ وہ جو کہ کانگریس کے باقاعدہ تنخواہ دار ہیں۔ ابوالکلام آزاد مولانا حسین احمد مدنی مولانا کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید پھر لکھا ہے کہ میں اس موقعہ پر ان اصحاب کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر مسجد میں داخل ہوں اور قسم کھا کر بتائیں کہ وہ کانگریس سے کسی نہ کسی شکل میں رقم وصول کر رہے ہیں یا نہیں؟ امکان ہے اور بھی بعض حضرات اس صف میں شامل ہوں گے تو یہ تو چند سر آوردہ اشخاص کے نام ہیں اس صورت میں تنخواہ دار کا ایمان یہی ہے جس کا کھائے اس کا گائے۔ نہیں تو اگلے مہینے کی تنخواہ نہیں ملے گی۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو مسلمانوں کا لیڈر سمجھنا غلط فہمی ہے ہندوؤں کے تنخواہ دار اور مسلمانوں کے راہنما کیا معنی؟ انکو ہندوؤں کا نوکر کہنا چاہیئے۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔ کانگریس نے مسلمانوں کو اپنے اندر شامل کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی ۱۹۳۶ء سے یہ کام بڑے زوروں سے شروع کیا گیا جمیعت العلماء نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مجلس احرار اس رابطہ کی ایجنسی بن گئی۔ کانگریس فنڈ ان کی کفالت کے لئے وقف ہو گیا۔ ان کوششوں میں ہر قسم کا پروپیگنڈہ کیا گیا (آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان)

پاکستان کے مورخوں کو چاہیئے کہ ان میر جعفروں کو قومی لیڈر بنانے وقت ان کے ماضی سے پردہ اٹھایا جائے اور ان کی صحیح تصویر تاریخ پاکستان میں پیش کی جائے کیونکہ انہوں نے قومی مفاد سے روگردانی کی اور تحریک پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کئی کوششیں کیں اگر یہ اصحاب قومی جدوجہد کے محاذ پر ملت کا ساتھ نہیں دے سکے تو اس کے اسباب و وجوہ تاریخ کے اندر و باہر محفوظ رہنے چاہئیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی کوششوں سے بعض با اختیار جبینوں پر پسینہ آنے لگتا ہے اور کچھ تیز تر آوازیں حدود سے باہر نکل آتی ہیں۔ لیکن ان حقائق کو نہ جھٹلایا جا سکتا ہے نہ بھلایا جا سکتا ہے۔ جب دس کروڑ اسلامیان برصغیر کی مقدس جنگ آزادی

۲۔ قوم پرستوں کے نزدیک کچھ ایسا ہی اسلام تھا۔ رام رحیم میں فرق نہ کوئی ترنم سے گاتے تھے۔

ماری تھی تو ان جیسے رام جی کی قسم کے لوگوں نے مسلمانوں سے دشمنی اور ہندوؤں سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا کیونکہ یہ دور ہماری زندگی
، بار بار آسکتا ہے اور بار بار اس سے اس طرح بچنے کی ضرورت ہے جس طرح تحریک پاکستان کے دوران میں ہم اپنے راہنماؤں
، قیادت میں بچے۔

حضرت علامہ محمد اقبال رح ان کے گھناؤنے عزائم کی نشاندہی درج ذیل الفاظ میں کی ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا حسین احمد یا ان کے دیگر ہم خیالوں کے افکار میں نظریہ وطنیت ایک معنی میں وہی حیثیت رکھتا ہے
قادیانی افکار میں خاتمیت کا نظریہ وطنیت کے حامی بالفاظ دیگر یہ کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وقت کی مجبوریوں
کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی حیثیت کے علاوہ جس کو قانون الٰہی ابدالاباد تک متعین و تشکیل کر چکا ہے کوئی اور حیثیت بھی اختیار
کرے جس طرح قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کی اختراع سے قادیانی افکار کو ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ اس کی انتہا نبوت محمدیہ ﷺ
کے کامل و اکمل ہونے سے انکار کی راہ کھولتا ہے۔ بظاہر نظریہ وطنیت سیاسی نظریہ ہے اور قادیانی انکار خاتمیت الٰہیات کا ایک
مسئلہ ہے لیکن ان دونوں میں ایک گہرا معنوی تعلق ہے جس کی توضیح اس وقت ہو سکے گی ۔ جب کوئی دقیق النظر مسلمان مؤرخ
ہندی مسلمانوں اور بالخصوص ان کے بعض بظاہر متعدد فرقوں کے دینی افکار کی تاریخ مرتب کرے گا۔

(حرف اقبال ص ۲۳۹)

اب انصاف سے کام لیا جائے گا گاندھوی سیاست کے دور میں دو قومی نظریہ کو پیش کرنے والے فاضل بریلوی ہی تھے
یہی وجہ ہے کہ تحریک پاکستان میں آپ کے رفقاء علمائے اہل سنت والجماعت نے بھرپور حصہ لیا۔ ان بزرگوں میں حضرت مولانا سید
سلیمان اشرف بہاری رح پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ امیر ملت حضرت مولانا حافظ پیر سید جماعت علی شاہ رح علی پوری
مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رح۔ حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی رح۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری دیوان سید آل
رسول علی صاحب اجمیری رح۔ حضرت سید سجاد حسین سیکری چشتی رح۔ سید امیر الدین قدوائی رح حضرت پیر محمد لوٹے شاہ قادری رح، شاہ رام
داسی، پیر محمد اسحاق جان سرہندی رح۔ غازی عبدالرحمٰن شہید پشاوری، سید منظور احمد مکان شریفی رح۔ خواجہ قمر الدین سیالوی رح
سیال شریف، مولانا عبدالحامد بدایونی۔ مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، میاں غلام اللہ شرقپوری، پیر امین الحسنات پیر صاحب
مانکی شریف، خواجہ عبدالرحمٰن رح بھرچونڈی، مخدوم سید زین العابدین گیلانی رح ملتان شریف اور حضرت مولانا غلام محمد ترنم امرتسری
مفتی محمد عمر صاحب نعیمی مفتی مظہر اللہ صاحب وغیرہ کے اسمار گرامی قابل ذکر ہیں۔

پاکستان بنانے میں حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رح کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا رحیم بخش قریشی قادری رح
لئے علیگ فرماتے تھے اگرچہ بظاہر حضرت امام احمد رضا خاں رح بریلوی بظاہر ضعیف نظر آتے تھے بباطن ایک بہت بڑے اور عظیم
جرنیل تھے۔ جن دنوں آپنے ترک موالات کے خلاف فتویٰ دیا۔ کئی دنیادار مسلمانوں نے آپ سے کہا کہ مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے ساتھ
مل کر جنگ آزادی میں حصہ لینا چاہیئے۔ لیکن مجدد وقت نے مسکرا کر کہا۔ کم تعداد اور کمی سامان کے متعلق میں بالکل فکرمند
نہیں ہوں اور ہمیشہ اللہ کی مدد اور اسکی دی ہوئی قوت پر بھروسہ رکھتا ہوں اور فرمایا شکر ہے کہ ہم تعداد میں ہندوؤں سے کم ہیں لیکن
اللہ تعالیٰ کی امداد سے ہمیشہ چھوٹی جماعتیں حق پر قائم رہیں اور بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے
مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے ہمیشہ کافروں سے الگ رہ کر جدوجہد کرنی چاہیئے۔ کیونکہ کافر کبھی مومن کا دوست نہیں بن سکتا۔

ان دنوں انگریز کی طرف سے ندوۃ العلماء کی امارت اور تدریس کے لئے بھاری مالی امداد مل رہی تھی اور دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے صاحبزادے حافظ محمد احمد جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ انگریز کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب اور ڈھائی سو روپے ماہانہ بطور وظیفہ قبول کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کی نوازشیں بھی بہت زیادہ تھیں۔ ہندو و مسلمانوں کو متحدہ قومیت میں مدغم کرنے کے لئے پانی کی طرح پیسہ بہا رہے تھے۔ لیکن حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے نہ خود اور نہ انکے رفقا نے انگریز اور ہندوؤں کی کسی امداد کو نظر بھر کر دیکھا بلکہ کہنے لگے کہ دین حق کے لئے کسی دنیادار کی سرپرستی کی ضرورت نہیں ہوتی فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوی نبوت فرمایا تو ان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دنیادار کی امداد کی توقع نہ تھی بلکہ دنیاداروں نے تو اللہ کے دین کی زبردست مخالفت کی اور جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان میں تشریف لائے تو یہاں کون تھا جو آپ کی امداد کرتا۔ یہ ملک تو ان دنوں کفر کا گہوارا تھا۔ اور اللہ کا نام لینے والے کو تو جان سے مار ڈالتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین نے آپ کی دستگیری فرمائی اور آج ہندوستان میں کروڑوں کلمہ گو موجود ہیں اور شوکت اسلام ہندستان کے متعلق آپ کے متعدد مشاہدے اور پیشن گویاں درج ملفوظات ہیں۔

مولانا رحیم بخش قادریؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ کا کرم کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اگر پروفیسر مولانا سید سلیمان اشرف بہاریؒ خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلویؒ اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اور مولانا حبیب الرحمن شیروانی نہ ہوتے تو علی گڑھ یونیورسٹی بھی دارالعلوم دیوبند جامعہ ملیہ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرح تحریک پاکستان کی سخت مخالف ہوتی۔ یہ امام احمد رضا خاں بریلویؒ کا فیض ہے کہ یہ تینوں اکابر ان سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور وہی فیض تھا کہ علی گڑھ یونیورسٹی نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر بھرپور حصہ لیا۔ اسلامیان برصغیر کی خوش قسمتی ہے کہ ان کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے عظیم مجاہد اعلیٰ حضرت امام رضا خاں بریلویؒ، تحریک بریلوی کے قائد حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ قائداعظم محمد علی جناح کی فقید المثال قیادت نصیب ہوئی۔ ہماری تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی مسلمان متحد ہو کر سرگرم عمل ہوئے کامیابی نے ہمارے قدم چومے اور جب ہم منتشر اور پراگندہ ہو گئے تو ہمیں ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی لئے مسلمانوں میں انتشار کفر ہے اور ملک و قوم جماعت میں افتراق پیدا کرنے والوں کے دل ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ دنیا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ دین ہو یا سیاست ہمارا خدا ایک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قرآن ایک کعبہ ایک ارکان دین نماز، زکوٰۃ، روزہ حج ایک مقصود زندگی ایک اللہ کی رضا اور اطاعت منزل آخرت ایک پھر نہ جانے کیوں گاندھی کے پیروکار مسلمانوں نے اس عظیم وحدت کی نسبت کو نظر انداز کر دیا اور منزل آخرت کو چھوڑ دیا۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل رنگ نسل زبان قوم یا جماعت کی برتری اور وطن صوبہ اور ملک گیری کی تمیز کو ختم نہ کر دیا تھا اگر اسلام اور اسلامی اقتدار کی دل میں محبت غالب ہو تو فروعی دینی اور سیاسی اختلافات کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن اللہ ہدایت دے ان لوگوں کو جو اس وقت بھی دین اور قوم میں تفرقہ کا بیج بو رہے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک بھلے مانس ڈاکٹر مسعود عثمانی نے رسالہ اعتصام کراچی میں ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر گیلانیؒ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ۔ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی، مولانا جلال الدین رومیؒ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت مولانا عبدالرحمن جامیؒ حضرت

نہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑی ان سب کے بارے میں میرا فتویٰ ہے کہ یہ الحادی مشرک اور اللہ کی کتاب کے کافر تھے
(مسود الدین عثمانی کراچی ۱۱ستمبر ۱۹۷۶ء)
(بحوالہ ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ ماہ نومبر ۱۹۷۶ء)

اس دریدہ دہن خارجی ڈاکٹر مسود الدین عثمانی کے مسلک کے متعلق یہ بات واضح ہو چکی ہے یہ ابن عبدالوہاب نجدی خارجی کے پیرو ہیں جن کے متعلق دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں۔

کہ محمد ابن عبدالوہاب کا عقیدہ یہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں۔ اور ان سے قتل و قتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔
(الشہاب الثاقب مطبوعہ راشد کمپنی دیوبند صہ ۴۳)

مزید فرماتے ہیں۔

کہ محمد ابن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجد عرب میں ظاہر ہوا۔ اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کیا ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائی، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ ایک ظالم و باغی خونخوار فاسق شخص تھا۔ اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس سے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے۔ نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے غرضیکہ وجوہات مذکورہ الصدور کی وجہ سے اس کے طائفہ سے اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے اور بیشک جب اس نے ایسی ایسی تکلیفیں دی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہیئے۔ وہ لوگ یہود و نصاریٰ سے اس قدر رنج و عداوت نہیں رکھتے جتنی کہ وہابیہ سے رکھتے ہیں۔

(الشہاب الثاقب)

عمر ابوالنصر معری رقم طراز ہیں۔

کہ غرض خوارج میں اگر انتہا پسندی اغراق و تعمق نہ ہوتی جس نے انہیں اسلام کی روح جمال اور اعتدال سے محروم کر دیا تھا تو وہ تاریخ میں بہت اونچا مقام حاصل کرتے۔ لیکن انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا جو نہ قرآن کا تھا نہ سید العرب والعجم کا ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح یہ لوگ اپنے مخالف مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کرتے تھے۔ عبداللہ بن خباب اور ان کی بیوی کے قتل کا واقعہ کافی لرزہ خیز ہے عورتوں اور بچوں تک کو معاف نہ کرتے تھے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ ابلتی ہوئی ہنڈیوں میں بچوں کو ڈال دیتے تھے اور ستم یہ ہے کہ ان باتوں کو یہ دین کی بہت بڑی خدمت سمجھتے تھے۔

(تاریخ خوارج صہ ۱۹۲)

حسین حلمی اشیق ترکی لکھتے ہیں۔

کہ محمد ابن سعود بنو حنیفہ قبیلہ کے سردار تھے اور یہ قبیلہ مسیلمہ کذاب کا پیرو تھا۔ جس وقت عبدالوہاب نجدی اور محمد ابن

مسعود کے لڑکے عبدالعزیز ابن سعود نے ۱۷۶۶ء میں حجاز پر حملہ کرکے شہر طائف فتح کرنے کے بعد ہزاروں مسلمان قتل کر ڈالے انہوں نے مسلمان بچوں اور عورتوں کا خیال بھی نہ کیا۔ اور مسلمانوں کے گھروں میں جو قرآن پاک احادیث شریف اور تفسیر کی کتابیں ان کو پھاڑ کر گلی کوچوں میں پھینک دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک آندھی آئی اور تمام بکھرے ہوئے اوراق اٹھا کرلے گئی تھے اور زمین پر ایک کاغذ کا ٹکڑا تک نہ چھوڑا۔ اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں غائب ہو گئے اس کے بعد انہوں نے مکہ اور مدینہ شریف کا محاصرہ کرلیا۔ کعبہ شریف اور مسجد نبوی کا تقدس پامال کیا اور شہر کی ناکہ بندی کرکے مسلمانوں کا کھانا پینا بند کردیا۔ جو لوگ بند گھروں مسجدوں اور خانہ کعبہ میں پناہ لئے بیٹھے تھے۔ ان کو بے دردی سے قتل کیا۔ حسین حلمی مزید لکھتے ہیں کہ حکومت سعودی عرب نے خارجی ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد باطلہ کو دنیا میں پھیلانے کے لئے سعودی دولت کو پانی کی طرح بہایا ہے اور ساتھ تاکید کی ہے کہ اہل سنت و جماعت کو ان فاسد عقائد باطلہ و خارجیت سے روک تھام کے لئے تنظیمیں قائم کرنی چاہئیں۔ تاکہ سلف صالحین کی طرح ہم بھی ان خارجیوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکیں

(Advice for the Wahabi)

جن اکابر بزرگوں کے خلاف ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے کفر کا فتویٰ دیا ہے ان حضرات والا صفات کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ کروڑوں انسانوں کے دلوں پر ان کی عقیدت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ کروڑوں انسان ان بزرگوں کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ ایسی عظیم شخصیتیں صدیوں بعد بزم عشق سے محفل زمان و مکان میں جلوہ گر ہوا کرتی ہیں اگر ابن عبدالوہاب نجدی اور مرزا غلام احمد قادیانی کی امت علمائے امت محمدیہ پر کفر کا فتویٰ لگائے تو اس سے خود ان کا کفر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اکابر مورخین کی رائے ہے۔

ڈاکٹر سید معین الحق ڈائریکٹر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی لکھتے ہیں۔ پاکستانی مورخوں کا یہ بہت ضروری اور اہم فرض ہے کہ اپنی تاریخ کے ان ابواب کی صحیح تصویر اور حقیقی پس منظر پیش کریں۔ جو اس وقت محتاج توجہ رہے ہیں۔ ان ہی ابواب میں سے ایک صوفیاء کے حالات اور ان کے کارنامے ہیں بعض وجوہات کی بنا پر ایک زبردست غلط فہمی جس کے ہم میں سے اکثر شکار ہیں۔ یہ نظریہ ہے کہ صوفیاء رہبانیت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ ایک حد تک قابل افسوس امر ہے کہ بعض وہ مورخ بھی جنہوں نے اس مسئلہ کا وسیع مطالعہ کیا ہے۔ صوفیاء کی سیاست سے کنارا کشی اور زندگی کے ہنگاموں سے اپنے دامن کو محفوظ کرنے کی کوشش پر زور دیتے ہیں۔ حد سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ ان کے بیانات سے کچھ ایسا اندازہ ہونے لگتا ہے کہ وہ صوفیائے کو ایک ایسا طبقہ سمجھتے ہیں جو اسلامی معاشرہ سے خود کو علیحدہ رکھنا چاہتا ہے حالانکہ قطعاً غلط ہے اور گمراہ کن نظریہ ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جہاں تک خود ان کی نجی زندگی کا تعلق تھا وہ حکومت کی سرپرستی اور ملازمت سے احتراز کرتے تھے جس طرح علمار کبار درس و تدریس کی کوئی اجرت نہیں لیتے تھے۔

(مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۱۹)

جناب لیفٹیننٹ کرنل محمد عطاالرحیم صاحب پرنسپل اردو کالج کراچی لکھتے ہیں۔

کہ صوفیائے کرام کی مقدس جماعت نے برصغیر ہند و پاکستان میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ ہند و پاکستان کا روشن باب ہیں اور اپنی نفوس قدسیہ کی تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ آج برصغیر میں کم و بیش دس گیارہ کروڑ

ملمان موجود ہیں۔ اکابر صوفیا، میں دا تا گنج بخش ہجویری ؒ۔ خواجہ معین الدین اجمیری ؒ۔ خواجہ بختیار کاکی ؒ۔ بابا فرید گنج شکر ؒ شیخ
بہاؤالدین ذکریا ؒ ملتانی ، قاضی حمید الدین ناگوری وغیرہ ؒ آسمان معرفت وسلوک کے وہ روشن اور تابندہ ستارے ہیں جن
ضیا پاشیوں سے سرزمین وہند پاکستان ہمیشہ روشن وتاباں رہے گی قول کی بجائے یہ حضرات دین کی تعلیم عمل سے دیا کرتے
تھے اور ان کی زندگی گویا اسلامی تعلیمات کی عملی تفسیر ہوتی تھی۔ ان کی بے ہمہ وباہمہ زندگی اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتی تھی ۔
ڈبلیو آرنلڈ کا بیان ہے کہ جب حضرت خواجہ اجمیری دہلی سے اجمیر کے لئے روانہ ہوئے تو راستے میں سات سو اشخاص مشرف
اسلام ہوئے۔ ان ہی صوفیائے کرام کا یہ فیض ہے کہ ہند پاکستان میں ایک مستحکم مسلم معاشرہ وجود میں آیا۔ یہ حضرات رنگ و
نسل زبان و بیان اور ملک وقوم کے امتیاز کو ایک دم ختم کرکے صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ دیتے تھے۔ حضرت نظام الدین
اولیاء کے خلفاء کی ایک کثیر تعداد ہے اس میں بلخ وبخارا کے آئے ہوئے مسلمان بھی ہیں اور یہ سب اپنے شیخ کے اتباع میں رشد و
ہدایت کے فرائض اپنے اپنے مقام پر انجام دے رہے ہیں۔ ان میں صوبائی عصبیت نسب ونسل کا افتخار یا زبان کی برتری کا کوئی
احساس نہیں ہے۔ (مخدوم جہانیاں جہانگشت صـ۲۲)

۱۲۵۶ء میں جب تاتاری وحشی گروہوں نے بغداد تاراج کیا اور خاندان عباسیہ کی شان وشوکت کو ہمیشہ کے لئے
مٹا کر رکھ دیا اور اسلامی سلطنت کے حصے بخرے کر دیئے۔ ہسپانیہ میں اسلام کو عیسائی طاقتوں نے ہمیشہ ہی کے لئے ختم
کر دیا اور مسلمانوں کی سیاسی قوت کم ہوگئی مگر اس کی دینی فتوحات ویسی ہی بے روک ٹوک جاری رہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین
چشتی اجمیری نے ہندوستان کے دل اجمیر شریف میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا اسی طرح دوسرے صوفیائے کرام نے دنیا کے کونے
کونے میں پہونچکر عوام کے سینے نور ایمان سے منور کئے۔ گیارھویں صدی عیسوی میں سلجوقی ترکوں نے اور تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں
نے مسلمانوں کے ملکوں کو پامال کیا۔ لیکن دونوں صورتوں میں فتح کرنے والوں نے جن کو فتح کیا تھا۔ انہی کا مذہب اختیار کرنا پڑا۔ یہ
بزرگان دین کی تعلیمات کا اثر تھا کہ بغیر تلوار نگاہوں سے ہی دل تسخیر کر لئے۔ صوفیائے کرام دنیاوی طاقت سے محروم اور ملکی اغراض
سے بیگانگی۔ دعوت اسلام کے لئے افریقہ ملک چین برصغیر ہند مشرقی جزائر الہند یورپ اور جاپان میں پہنچے اور انہی کی سعی جمیلہ
سے دنیا میں اسی کروڑ سے زائد فرزندان توحید موجود ہیں۔ کیا یہ بات مصدقہ نہیں ہے کہ دیوبندی وہابیوں کے خود ساختہ صالحین
کے خود پسند کردار اور قوم میں انتشار سے فتنے برپا ہو گئے ہیں۔ ملکی استحکام کو نقصان پہنچ رہا ہے لیکن حکومت کی مشنری نے ان
قوم فروش ملک دشمن گروہ کے منہ میں لگام نہیں ڈالی۔ کیا ایسے مسلمان قوم میں اتحاد اور اخوت پیدا کر سکتے ہیں۔ جو خود ذہنی طور پر
قومی واسلامی اتحاد کے قائل نہیں ہیں۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ پاکستان کے سینتیس سال گذر جانے کے بعد بھی اس ٹولے کا محاسبہ
نہیں کیا گیا۔ حالانکہ تحریک پاکستان اس بات کی شاہد ہے کہ اکابر اہل سنت نے ملت کی کشتی کو ساحل تک پہنچانے میں سر دھڑ
کی بازی لگائی اور پوری قوم حیران ہے کہ ان کے جذبات کا کماحقہ احساس واعتراف نہیں کیا گیا۔ جو قومیں اپنے محسنوں کے کارناموں کو
بھول جاتی ہیں وہ دنیا سے خود بھی مٹ جاتی ہیں۔ ہم اپنے شعوری اور غیر متزلزل قوت سے تحریک بریلوی کے وجود کو قوت دے سکتے
ہیں اور اگر اب بھی اہل سنت و جماعت پاکستان نے ذرا بھی غفلت کی تو اسلام کو متحدہ قومیت وہابیت اور کفر کی تاریکیوں میں دھکیلنے
کے مترادف ہوگا۔ یہ فیصلہ کن وقت ہے کہ ہم اعلیٰ حضرت کی بنائی ہوئی تحریک کو تقویت دے کر ملک دشمن گروہ کو بے نقاب کریں
اور ۱۹۴۶ء کے الیکشن کی طرح ان کو شکست فاش دیں اور ملک میں احمد رضا خاں بریلوی اکیڈمی قائم کر کے ان کے نظریات اور افکار کو

دنیا میں پہونچایئں اور ان کے غیر مطبوعہ لٹریچر کو زیور اشاعت سے عوام الناس کے ہاتھوں تک پہونچایا جائے تاکہ تشنگان کو ان سے روحانی فائدہ پہنچے۔ میں حکومت خداداد اسلامیہ پاکستان کے محبوب صدر جنرل محمد ضیاء الحق سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ مرتب کراتے وقت ان اکابر کو تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے کارنامے اور افکار ملک کے قومی نصاب اور مطالعہ پاکستان میں نمایاں طور پر پیش کریں تاکہ آنے والی نسلیں ان بزرگوں کی رہنمائی سے پوری طرح مستفیض ہو سکیں۔

فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں

شیخ علی بن حسین مالکی علیہ الرحمۃ۔ مدرس مسجد الحرام۔ مکہ مکرمہ۔

جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور آسمان صفاء کے آفتاب عرفان کی روشنی سے میرے قلب کو منور فرمایا وہ جسکے افعال حمیدہ اسکے فضل و کمال کو عالم آشکار کرتے ہیں، ایسا کیوں نہ ہو، آج وہ دائرہ معارف کا مرکز ہے، اسکا وجود مسعود ملت اسلامیہ کے گھر میں آسمان علم و عرفان کے جھلملاتے تاروں کا مطلع ہے۔ وہ مسلمانوں کا یار و مددگار ہے؛ ہدایت یافتوں کا نگہبان و نگران ہے؛ گمراہوں اور ملحدوں کی زبانوں کو اپنے دلائل و براہین کی تلوار سے کاٹ پھینکتا ہے۔ ایمان کے مینار کو بلند سے بلند تر کرتا ہے۔ کون؟ "ہمارے آقا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے

ڈاکٹر حسن رضا خاں
فقیہہ اسلام، مطبوعہ الہ آباد، سنہ ۱۹۸۱ء
(مقالہ ڈاکٹریٹ، پٹنہ یونیورسٹی، بھارت
صفحات :- ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴۸۰
کاغذ سفید، طباعت وکتابت بہترین
ناشر :- اسلامی پبلی کیشنز سنٹر، پٹنہ

امام احمد رضا کے کمال فقاہت کا علماء و فضلاء کی ایک بڑی جماعت نے اعتراف کیا ہے ۔ چنانچہ حرمین شریفین اور ممالک اسلامیہ کے نشتر سے زیادہ علماء نے امام احمد رضا کی فقاہت کی تعریف کی ہے ۔ پاک و ہند میں علما کی اکثریت نے فقہ و حدیث میں امام احمد رضا کی مہارت کا اعتراف کیا ہے ۔ علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ امام احمد رضا اپنے وقت کے ابو حنیفہ ثانی تھے ۔ مولانا ابوالحسن ندوی نے لکھا ہے کہ جزئیات فقہ پر امام احمد رضا کو جو عبور حاصل تھا ان کے معاصر علماء میں کسی کو حاصل نہ تھا ۔ ہندوستان کے مشہور پارسی قانون داں اور بمبئی ہائیکورٹ کے جج پروفیسر ملّا نے امام احمد رضا کے فتاویٰ رضویہ کو فقہ کا شاہکار اور فتاویٰ عالمگیری کا ہم پلہ قرار دیا ــــ پروفیسر کلیۃ الشریعہ، محمد بن سعود یونیورسٹی (ریاض) ابوالفتاح ابو غدہ نے امام احمد رضا کو ایک باکمال فقیہہ قرار دیا ــــ الغرض امام احمد رضا کی فقاہت کے سب ہی قائل و معترف نظر آتے ہیں ۔ ڈاکٹر حسن رضا خاں نے امام احمد رضا کے اسی پہلو پر قلم اٹھایا ہے انہوں نے فقیہہ اسلام کے عنوان سے پی ایچ ڈی کے لئے پٹنہ یونیورسٹی میں اپنا مقالہ پیش کیا جس پر ان کو ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری ملی ۔

مقالہ فقیہہ اسلام بڑے سائز کے ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں امام احمد رضا کے حالات و افکار اور آثار وغیرہ پر ۴۰ صفحات صرف کئے گئے ہیں اور باقی ۴۸۰ صفحات فقہ و تاریخ فقہ وغیرہ سے متعلق نہایت ہی مفید مباحث پر صرف کئے ہیں ــــ مقالے کے شروع میں عمارات اور مزارات نیز نوادرات کے عکس بھی ہیں جس نے مقالے کو اور وقیع بنا دیا ہے ۔

یہ مقالہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے ۔

پہلا باب .... ہندوستان میں فقہ اسلامی کا ارتقا

دوسرا باب .... تیرھویں صدی ہجری میں ہندوستان میں فقہ اسلامی کی ترقی کے عوامل

تیسرا باب .... مکاتب فقہ اسلامی اور اعلیٰ حضرت کا دور

چوتھا باب .... ابتدائی زندگی، تعلیم اور اساتذہ

پانچواں باب .... احوال و آثار

چھٹا باب .... معاصرین، تلامذہ اور خلفاء و متبعین

ساتواں باب .... فقہ اسلامی میں اعلیٰ حضرت کی خدمات

آٹھواں باب .... کتابیات

فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر حسن رضا خاں نے ہر باب میں تحقیق کا حق ادا کیا ہے ـــــ پہلے دوسرے، اور تیسرے ابواب محنت سے لکھے گئے ہیں اور اس میں بہت ہی مفید معلومات جمع کی ہیں۔ چوتھا باب امام احمد رضا کے حالات سے شروع ہوتا ہے اس میں آپ کی تعلیم، اخلاق و عادات وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے، آخر میں عربی سندات فقہ و حدیث بھی نقل کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کا سلسلہ حدیث ایک واسطہ سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تک پہنچتا ہے اور دوسرے واسطہ سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک ـــــ پانچویں باب میں امام احمد رضا کے احوال و آثار کا ذکر کیا گیا ہے اس میں امام احمد رضا کے منظوم و منثور فتوے نیز فارسی، عربی، اردو اور انگریزی میں ترجمہ شدہ فتووں کے نمونے ہیں اور آخر میں پچاس علوم و فنون پر امام احمد رضا کی ۶۲۱ تصانیف کی تفصیلی فہرست دی ہیں ـــــ چھٹے باب میں معاصرین، تلامذہ اور خلفاء و متبعین کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ باب بھی محنت سے مرتب کیا گیا ہے ـــــ ساتویں باب میں فقہ اسلامی میں امام احمد رضا کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور فتویٰ نویسی میں ان کی مہارت کا ذکر کیا ہے اور ان کی نگارشات کے نمونے پیش کئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محدث وقت اور فقیہ العصر تھے۔ اس باب میں فقہ سے متعلق امام احمد رضا کی مزید ۴۲ کتب و حواشی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر امام احمد رضا کی ۶۶۳ کتب و حواشی کی تفصیلات اس مقالے میں آگئی ہیں۔

فقہ نوع انسانی کے تمام معاملات پر محیط ہے خواہ وہ خالق و بندے کے درمیان ہوں یا بندے اور بندے کے درمیان ـــــ جب یہ تمام معاملات پر محیط ہے تو فطری طور پر اس کا تعلق ان بیشتر علوم سے ہونا چاہیئے۔ جو انسان اور اس کائنات سے متعلق ہیں جن میں وہ رہتا ہے ـــــ فقہ کی بنیاد قرآن پر ہے جس میں علوم ما کان و ما یکون سمائے ہوئے ہیں ـــــ فقہ کی بنیاد حدیث پر ہے جو اس کے اقوال و احکام ہیں جس کے سینے میں علوم ما کان و یکون سمائے ہوتے تھے ـــــ تو فقہ کا عالم درحقیقت قرآن و حدیث کا عالم ہے اور قرآن و حدیث کا عالم وہ ہے جس پر علوم سربستہ کے راز کھول دیئے گئے۔ اس خصوص میں امام احمد رضا منفرد نظر آتے ہیں ـــــ وہ پچاس سے زیادہ علوم و فنون کے ماہر تھے اور بہت سے علوم کے راز ان کے سینے پر خود بخود منکشف ہو گئے اور براہ راست فیض قدیر سے حاصل ہوئے۔

مفتی اس کو نہیں کہتے جو فقہ کی کتابوں سے عبارت نقل کر کے اپنا فیصلہ سنا دے بلکہ مفتی وہ ہے جس کی نظر قرآن و حدیث پر ہو۔ قرآنی آیات اور کتب حدیث کا تمام ذخیرہ اس کے سامنے ہو ـــــ جب تک وہ مفسر و محدث نہیں۔ فقیہ و مفتی ہو نہیں سکتا جس نے کتابوں کی عبارت نقل کی وہ ناقل تو ہے مفتی نہیں ـــــ امام احمد رضا مفتی تھے اور صحیح معنوں میں مفتی ان کی نظر میں آیات و

احادیث اور عبارات فقہ سب ہی تھیں، جب وہ لکھتے تھے تو علم و حکمت کا ایک سیلاب امنڈتا ہوا نظر آتا تھا۔ ضرورت تھی کہ امام احمد رضا کے اس پہلو پر کوئی قلم اٹھاتیں۔ ڈاکٹر حسن رضا خاں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور باحسن وجوہ پورا کیا۔ وہ قابل مبارکباد ہیں۔ انہوں نے امام احمد رضا کی فقاہت پر مقالہ لکھ کر اہل علم کو سنجیدہ مطالعہ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس مقالے کی تدوین میں جن مخلص علماء نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تعاون کیا وہ بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اس خصوص میں علامہ ارشد القادری سرفہرست ہیں۔ اور الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور اعظم گڈھ) کے اساتذۂ فضلا مولانا ضیاء المصطفےٰ صاحب، مولانا مفتی شریف الحق صاحب، مفتی عبدالمنان صاحب۔ مولانا افتخار احمد اعظمی، مولانا محمد لیسین اعظمی، مولانا عبدالمبین صاحب وغیرہ قابل ذکر ہیں ــــــ

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں مرکزی مجلس رضا (لاہور) نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی سرکردگی میں جس علمی مہم کا آغاز کیا تھا۔ مقالہ ہذا اسی کی آواز بازگشت ہے جس کا اعتراف خود مقالہ نگار نے کیا ہے۔ مجلس رضا کے لٹریچر نے مقالہ نگار کے لئے مہمیز کا کام کیا اور پھر وہ اپنی منزل کی طرف جادہ پیما ہو گئے اور بالآخر منزل کو پالیا۔

اس مقالہ میں چند خامیاں بھی نظر آئیں جن کی نشاندہی ضروری ہے۔ مقالہ نگار نے فہرست مضامین آخر میں دی ہے حالانکہ شروع میں دینی چاہیئے تھی۔ اس کے علاوہ فہرست ماٰخذ و مراجع کو جدید تکنیک کے لحاظ سے مرتب نہیں کیا۔ مصنفین کے نام کتابوں کے بعد آئے ہیں حالانکہ حروف تہجی کے اعتبار سے مصنفین کے نام پہلے آنے چاہئیں۔ اور پھر کتابوں کے نام۔ امید ہے کہ آئندہ اڈیشن میں ان خامیوں کو دور کر لیا جائیگا۔

مجموعی طور پر مقالہ قابل مطالعہ ہے خصوصاً قانون اسلامی کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے تو یہ ایک عمدہ تحفہ ہے۔ امید ہے کہ پاک و ہند کے طول و عرض میں اس کی پذیرائی ہو گی اور اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ آخر میں پھر ہم مقالہ نگار اور ان کے معاونین نیز پبلشر کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور ملت اسلامیہ کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں

۱۔ فاضل بریلوی اور امور بدعت

۲۔ پروفیسر سید فاروق القادری، ایم۔ اے

۳۔ رضا پبلی کیشنز، مین بازار داتا صاحب، لاہور

۴۔ صفحات ۳۱۲، کاغذ سفید، نفیس جلد

۵۔ قیمت ۲۴ روپے۔

فاضل مصنف سید محمد فاروق القادری نے یہ مقالہ ایم اے (اسلامیات کے سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی (لاہور) میں پیش کیا تھا۔ جس کو یونیورسٹی کے متعلقہ شعبے نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ــــــ کتاب کے عنوان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس میں بیان کیا گیا ہو کہ فاضل بریلوی نے امور بدعات پھیلانے میں کیا کردار ادا کیا، مگر ایسا نہیں ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے جو قاری کو اچنبے میں ڈالنے والی، اس کی آنکھیں کھولنے والی اور ایک ایسی دنیا میں لے جانے والی ہے جہاں وہ اپنے افکار و عقائد کی اصلاح کرتا نظر آتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کہنے والے مخالفین نے فاضل بریلوی کے متعلق جو

کچھ کہا وہ سراسر جھوٹ تھا ـــــ سچ یہ ہے جو اسی کتاب میں لکھا ہے۔

غالباً یہ حقیقت تفصیل و تشریح کے ساتھ پہلی مرتبہ اس کتاب میں نظر آتی ہے کہ فاضل بریلوی نے بدعات کو رواج نہیں دیا بلکہ انھوں نے تو بدعات کے خلاف سخت جہاد کیا۔ اب اگر کوئی بدعات و منکرات اور محرمات کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ فاضل بریلوی ذمہ دار نہیں۔

اس کتاب کی روشنی میں فاضل بریلوی کے مخالفین کے بہت سے الزامات تارِ عنکبوت کی طرح بکھرتے نظر آتے ہیں ـــــ فاضل مصنف نے فاضل بریلوی کے مسلک کی سچی تصویر ہمارے سامنے پیش کی ہے اور ان کے مخالفین کی ایسی باتیں بھی پیش کی ہیں جو اگر ان میں پائی جائیں تو وہ اپنی خوبیوں میں شمار کرتے ہیں اور فاضل بریلوی کے ہاں پائی جائیں تو انہیں کا نام شرک و بدعت ہو جاتا ہے ـــ اس حقیقت پسندانہ تجزیہ سے یہ راز معلوم ہوتا ہے کہ فاضل بریلوی سے عناد کی وجہ سے مخالفین نے روزِ روشن میں اہلِ علم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی اور یہ عناد اس لئے تھا کہ فاضل بریلوی عشق و محبت کے امین اور ناموس و عظمتِ رسالت کے علم بردار تھے ـــ ان کو یہ شکایت نہ تھی کہ کسی نے ان کے استاد و اجداد یا پیر و مرشد کو یہ کہا تو کیوں کہا؟ ـــ ان کو شکایت تھی تو صرف اور صرف یہ کہ کسی نے رب العالمین کو یہ کہا تو کیوں کہا اور رحمۃ اللعالمین کو یہ کہا تو کیوں کہا ـــــ؟

فاضل مصنف نے اس کتاب کے مباحث میں مورخانہ آن بان کو قائم رکھا ہے اور محاکمہ و تجزیہ کرتے ہوئے اپنے اور بیگانے کسی کی رعایت نہیں کی۔ جو سچی بات دیکھی اس کو سچائی کے ساتھ بیان کر دیا ـــ یہ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ جو اہلِ سنت کی اکثر کتابوں میں نا پید نظر آتی ہے۔ یہ کتاب تلخ و شیریں کا حسین امتزاج ہے۔

فاضل مصنف نے دیوبندی مکتبِ فکر کے علمائے سے پڑھا ہے اور ان کے قریب رہے ہیں اس لحاظ سے ان کی تحریر قابلِ مطالعہ ہے .... کیونکہ یہ ایسے قلمکار کی تحریر ہے جو عقیدت کے رنگ میں رنگا ہوا نہیں ہے۔ جس نے دوسروں کی آنکھوں سے نہیں دیکھا، اپنی آنکھ سے دیکھا اور پرکھا ہے۔

فاضل مصنف سید محمد فاروق القادری اور ناشر میاں محمد زبیر احمد قادری ضیائی قابلِ مبارک باد ہیں۔ اول الذکر نے اتنی اچھی کتاب لکھی اور ثانی الذکر نے اتنی خوبصورت چھپوائی۔ مولیٰ تعالیٰ دونوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین! اس مقالے کے محرک مخدوم حکیم موسیٰ امرتسری بھی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ موصوف مرکزی مجلس رضا لاہور کے صدر ہیں اور موصوف ہی نے پاک و ہند میں فاضل بریلوی پر تحقیق کرنے والوں میں ایک نئی روح پھونکی ہے۔

کتاب میں ایک کمی محسوس ہوتی ہے اور وہ ہے فہرس ماخذ و مراجع، آئندہ ایڈیشن میں اس کو ضرور شامل کر دیا جائے اس کے علاوہ متن میں جہاں جہاں مجمل حوالے لکھے ہیں ان کو ذرا مفصل کیا جائے اور ثانوی حوالوں کی جگہ اصل حوالے لکھے جائیں

مجموعی طور پر یہ کتاب بہت ہی مفید ہے اور قابلِ قدر اضافہ۔ امید ہے کہ اہلِ علم اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور نوجوانانِ ملت اس کی روشنی میں اپنے افکار و عقائد کی اصلاح کریں گے۔

ادارہ

رسالہ درعلم لوگارثم کے چند حواشی

اور

استخراجِ لوغارثمات

پروفیسر محمد ابرار حسین

امام احمد رضا کو کم وبیش ۵۵ پچپن علوم پر دسترس حاصل تھی۔ ان میں سے تقریباً ۴۳ علوم وفنون انہوں نے ذاتی مطالعے سے حاصل کیے۔ علوم ریاضی میں ان کی حیثیت مسلّم ہے۔ مولانا ظفر الدین بہاری کی مرتبت کردہ فہرستِ تصانیف اعلیٰحضرت میں تہتر کا تعلق علم ریاضی سے جنکی تفصیل اسطرح ہے

زیجات ۷

جبر ومقابلہ ۴

علم مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم . ۸

توقیت، نجوم، حساب . . . ۲۲

ہیئت، ہندسہ، ریاضی . . ۳۱

یہ تصانیف کتب، رسائل، مقالات، اور حواشی پر مشتمل ہیں - افسوس کا مقام ہے کہ علم کا یہ بے بہا ذخیرہ ابھی تک طباعت کا منتظر ہے۔

سید ریاست علی قادری کا یہ کارنامہ قابل ستائش ہے کہ انہوں نے رسالہ درعلم لوگارثم شائع کر کے دوسروں کو دعوتِ فکر وعمل دی ہے۔

ریاضی اور سائنس کے بیشتر طلباء چیمبرز (CHAMBERS) کے ریاضیاتی جداول سے شناسا ہیں - ۴ اعشاریہ، ۵ اعشاریہ، ۷، اعشاریہ کے جداول عام دستیاب ہیں - اس ادارے نے ۱۸۷۸ء میں "چیمبرز تعلیمی نصاب" کے سلسلے میں بڑے جامع جداول شائع کیے جنکا سرورق کچھ اسطرح ہے۔

Mathematical Tables
consisting of
Logarithms of Numbers
1 to 108000
Trigonometrical Nautical
& other Tables
Edited by

James Pryde F.E.I.S
W & R Chambers Ltd.,
London & Edinburg
1878

۱۹۲۰ء میں اسکا نیا اڈیشن شائع ہوا جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ ۱۹۳۰ء میں اس کی نظرثانی (Walter F Robinson) نے کی اور ادارت (Archibald Milne) نے کی۔ جداول کے شروع میں ان کی تشریحات تحریر کی گئی ہیں اور رسالہ در علم لوگارثم ان ہی تشریحات کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۸۹۴ء اڈیشن میں ۱۶۸ جداول ۴۵۴ صفحات پر دیے گئے ہیں اور تشریحات کے ۴۲ صفحات ہیں۔ ترجمے میں ۱۶۴ جداول کی تشریحات ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ اولین اڈیشن کا ہے۔ ۱۹۳۰ء کے اڈیشن میں تشریحات میں کہیں کہیں اضافہ کیا گیا ہے۔

صاحب ترجمہ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ اعلیحضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے بغور اسکا دو تین مرتبہ مطالعہ کیا اور جگہ جگہ حواشی میں اپنے تاثرات درج فرمائے۔ ان حواشی میں مزید تشریحات کی گئی ہیں۔ متبادل مگر سہل طریقوں کو بتایا گیا ہے۔ اور کچھ اغلاط کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

ان حواشی سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیحضرت کو لوگارثم، علم مثلث اور متعلقہ علوم پر زبردست مہارت حاصل تھی۔ اس میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اعلیحضرت نے کسی کالج یا یونیورسٹی میں مغربی کتب سے علوم ریاضی کا اکتساب نہیں کیا لیکن وہ جدید اور قدیم ریاضی سے بخوبی واقف تھے۔ لوگارثم کی ایجاد اور ترقی سولھویں صدی میں ہوئی لیکن اسکا استعمال

کم ازکم اس خطہ زمین پر بہت محدود تھا۔ بہت ... تبہ کالج میں جاکر ہی لوگارثم کا پتہ چلتا تھا۔ اب چند سالوں سے اسے اسکول کے نصاب میں شامل کرنے کا ناکام تجربہ کیا گیا ہے۔ لوگارثم کا مقام اس زمانے میں وہی تھا جو آج کیلکولیٹر کا ہے۔ اعلیحضرت نے لوگارثم کا استعمال ہر اس جگہ کیا ہے جہاں ضروری سمجھا۔ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل صفحات ۳۲۱ تا ۳۳۰ باب المیاہ میں آپ کا مشہور فتاویٰ "مسمی بالنمی الخیر فی الماء المستدیر" درج ہے۔ یہ آپ نے ۱۳۲۴ھ میں دیا۔ اس میں آپ نے لوگارثم استعمال کیے ہیں۔

زیر نظر حواشی ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں کیے گئے۔ صفحہ ۳۲ پر آپ نے اپنے دستخط ثبت فرمائے اور تاریخ ۲۶ شوال ۱۳۲۵ھ بھی درج فرمائی۔ ان حواشی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے لوگارثم پر ایک کتاب بھی تحریر فرمائی ہے۔ صفحہ ۱۹ کے حاشیہ پر رقم طراز ہیں (جسکا عکس مضمون کے آخر میں ہے) "اسکا بیان ہم نے لوگارثم کی کتاب سوم صفحہ ۵۶ و ۵۷ پر لکھا ہے"۔ تمام حواشی کے بارے میں تبصرہ اس لیے ممکن نہیں کہ عام قاری کے لیے ریاضیاتی تفاصیل بھی باعث ثقل ہوں گی۔ اس لیے ہم صرف ان حواشی کو لیں گے جو صفحات ۱۹ تا ۲۲ چھوٹی قوسوں کے قاعدے پر دیئے گئے ہیں۔ صفحہ ۱۹ پر تین بڑے حواشی درج ہیں۔ پہلے میں آپ نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ چھوٹے قوسوں کے لیے علیحدہ قواعد کی کیوں ضرورت ہے۔ آپ نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ نہایت چھوٹی قوسوں میں تنگی اعشاریہ کے باعث جیوب کے بعض روالح کا فرق دیتے ہیں۔

قوس صغیر کی لوگارثمی جیب مستوی معلوم کرنے کے طریقہ کتاب میں اسطرح بتایا گیا ہے:۔

« قوس کی لوگارثم میں جس کی تحویل ثوانی[1] کی طرف کی گئی ہو۔ ۴۵۶۰۸۵۵۷۴۹ ۔ جمع کرو۔ حاصل جمع سے ایک لوگارثمی سیکنڈ کا ۱/۲ تفریق کرو۔ اس آخر لوگارثم اقوت نما بقدر دس کے پیشتر سے کم کیا گیا ہے ۔ حاصل ارتق جیب مستوی مطلوبہ ہو گی ؛»

اعلیٰحضرت نے اوپر دیے ہوئے عدد مدام کے بارے میں فرمایا :-

« دانی کہ ایں از کجا آمد »

اور پھر خود ہی جواب دیا :-

« ایں لوگارثم جیب ظل یک ثانیہ است »[2]

دوسرا حاشیہ طریقہ مذکورہ پر دیا ہے ۔ پھر فرماتے ہیں :-

« بایں طریق لوح گرفتن ازانم اوق است کہ جیب اصلی بتعدیل مابین السطرین گرفتہ بہ لوگارثم برند »

اس کی وضاحت ایک مثال[3] سے فرمائی ہے اور مزید اس حاشیے میں چار طریقوں کا موازنہ فرمایا ہے ۔

(۱) جدول کے ذریعے بین السطرین لوگارثم کو معلوم کرنا۔

(۲) کلیہ مذکورہ سے ۔

(۳) جدول سے جیب قوس معلوم کر کے اس کی لوگارثم لی جائے ۔

(۴) جیب کی اصل قیمت پھیلاؤ کے ذریعے معلوم کر کے اس کی لوگارثم لی جائے اور یہی سب میں افضل ہے ۔

تیسرا حاشیہ اس کلیے کے بارے میں جو اوپر درج کیا گیا ہے اصل کتاب میں اس کا ثبوت نہیں دیا گیا ۔ ۱۸۹۴ء ایڈیشن میں صرف Woodhouse کی Trigonometry کے صفحہ ۲۶۲ کا حوالہ دیا گیا ہے ۱۹۳۰ء کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں ضرور اس کی مزید تشریح کی گئی ہے ۔

اعلیٰحضرت رقم طراز ہیں

« حاصل ایں عمل آں است کہ

$$\frac{\text{عدد ثوانی قوس} \times \text{جیب یک ثانیہ}}{\text{جزء الکعب قاطع محظ قوس}} = \text{جیب قوس}$$ »

کتاب میں دیے گئے کلیے کے استعمال میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ قاعدہ صرف بہت چھوٹی قوسوں کے بارے میں ہے اور ہم اسے آگے لے جائیں تو ۔

---

[1] اس زمانہ میں علم مثلث میں زاویے کی جگہ قوس کا لفظ مستعمل تھا۔ مثلثی تناسب دائرہ کے حوالے سے ہی حاصل کیے جاتے تھے ۔ اصل کتاب میں بھی لفظ (Arc) ہے ۔ [2] (Sexagesimal sines) سے seconds [3] اس کی دلیل اسطرح دی ہے کہ بہت چھوٹے زاویوں کے لیے ($\sin\theta \simeq \theta$) اس لیے $\sin 1'' \simeq \frac{\pi}{180 \times 60} \times \frac{1}{60} \simeq \frac{\sin 1'}{60}$ اور $\log \sin 1'' = \log \sin 1' - \log 60 = 6.4637261 - 1.7781513 = 6.6855749$

[3] آپ نے مثال کے لیے زاویہ ۱ ٬ ۳۰ ″ لیا طریقہ اوّل سے لوجیب ۱ ٬ ۳۰ ″ = ۴۵۴۱۲۲۱۱ طریقہ دوم سے 4.54398174 طریقہ سوم سے 6.56398847 اور طریقہ چہارم سے 4.56398174

"۴ درجے پر جیب میں ۳۰ کی کمی ہوگی، ۵ پر ۵ کی ۶ پر ۱۱ کی، ۷ پر ۲۲ کی، ۸ پر ۳۶ کی، ۹ پر ۵۹ کی، ۱۰ پر ۹۰ کی، ۴۰ درجے پر ۱۷۸۴۵۳ کی تو قاعدہ برباقی نہیں۔

اس کے بعد آپ نے ایک سہل طریقہ بیان فرمایا۔

"و ثم اقول بلکہ ایک ثانیے سے ایک سو بیس ثانیے تک نہ اوس تطویل کی حاجت ہے نہ اس تدقیق کی ضرورت بلکہ لوگارثم جیب یک دقیقہ لوگارثم ۶۰ کو تفریق کریں لوگارثم یک ثانیہ ہوجائے گا۔ اس میں دو کا لوگارثم جمع کرنے سے لوجیب ۲ ثانیہ ۳ کا لوملانے سے لوج ۳ ثانیہ۔ بعد کو نظر کی تو یہ وہی عدد عام ہے جو لوگارثم ثوانی میں جمع کیا جاتا ہے" ⁸

صفحہ ۲۱، ۲۲، ۲۳ پر دیے ہوئے حواشی میں آپ نے اپنے دیے ہوئے طریقے کا موازنہ دوسرے طریقوں سے کیا ہے۔ مثالوں سے اپنے حساب کی اقربیت پاکر یہ نتیجہ نکالا ہے:-

"ہمارا حساب ادق بھی ہے اور لیسر بھی"

اعلیحضرت کا بیان کردہ طریقہ انتہائی سہل ہے۔ زاویہ کے ثوانی بناکر اس کی لوگارثم میں 4.6855749 جمع کرنے سے لوجیب حاصل ہوجاتی ہے جبکہ کتاب میں درج کلیے میں عمل طویل ہے اور تفاوت زیادہ۔

اعلیحضرت کا طریقہ ۱۲۰ ثوانی سے بھی اوپر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ شروع میں فرق ساتویں اعشاریہ پر پھر چھٹے پر اور اسی طرح ۱ درجہ ⁹ پر چوتھے اور ۲ درجے پر تیسرے اعشاریہ تک نتیجہ صحیح ملے گا۔

ان چند حواشی کے بغور مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیحضرت کو علم مثلث اور لوگارثم پر زبردست عبور حاصل تھا۔ آپ ہر مسئلے کی گہرائی میں جاتے تھے اور استدلال کے بغیر کوئی بات قبول نہیں فرماتے تھے آپکے زمانے میں لوگارثم کا استعمال تو ایک طرف رہا کسور اعشاریہ کا استعمال بھی شاید ہی کوئی کرتا ہو۔ یہ حواشی انتہائی کاوش کا نتیجہ ہیں اور کیلکولیٹر کے بغیر حسابی عمل کافی محنت طلب ہے۔

---

⁷ ثبوت اسطرح ہے۔

$$\sin\theta = \theta - \frac{\theta^3}{3!} + \frac{\theta^5}{5!} - \cdots$$

$$\cos\theta = 1 - \frac{\theta^2}{2!} + \frac{\theta^4}{4!} \cdots$$

$$\frac{\sin\theta}{\theta} = 1 - \frac{\theta^2}{6} + \cdots = \left(1 - \frac{\theta^2}{2}\right)^{1/3} \simeq (\cos\theta)^{1/3}$$

$$\sin\theta = \theta\,(\cos\theta)^{1/3}$$

$$\sin x = x^{\circ}\,\frac{\pi}{180\times 60\times 60}\,(\cos x'')^{1/3} = \frac{x''\,\sin 1''}{(\sec x'')^{1/3}}$$

اور لوگارثم لینے سے کتاب میں درج کلیہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح حاشیہ صفحہ ۲۰ پر مماس قوس کا کلیہ بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

⁸ اعلیحضرت کے طریقہ کا ثبوت اسطرح ہے:-

$$\sin x'' \simeq \frac{\pi}{180\times 60}\cdot\frac{1}{60}\cdot x$$

$$\simeq \left(\frac{\sin 1'}{60}\right) x$$

$$\log \sin x'' \simeq (\log \sin 1' - \log 60) + \log x$$

$$= 4.6855749 + \log x$$ اور

⁹ degree

استخراج لوغارثمات

اعلیحضرت کو اپنے ہمعصر علمائے دین میں اعلیٰ ارفع اور منفرد مقام حاصل ہے۔ علوم دینیہ کی طرح آپ کو علوم عقلیہ پر زبردست عبور حاصل تھا۔ رسالہ "فوزمبین در رد حرکت زمین" (۱۳۳۸ھ) میں آپ نے ۱۰۵ دلائل سے جو مختلف علوم پر مبنی ہیں "فلسفۂ جدیدہ کو خود فلسفہ جدیدہ سے رد کیا ہے"۔ آپ کی یہ مایہ ناز تصنیف آج بھی ہمارے ماہرین طبیعیات کو تحقیق کی دعوت فکر دے رہی ہے۔ آپ کی تصانیف ہمارے لئے قابل فخر ہیں اور ہمیں اس احساس کمتری سے نکالتی ہیں جس میں ہمیں مغرب کی مادی ترقی نے مبتلا کر رکھا ہے۔

علوم ریاضی میں آپ کے کارہائے نمایاں ہمیں حیرت میں ڈالدیتے ہیں۔ ریاضی کے وہ اصول جو اس زمانے میں مروج نہیں تھے، اور جو اس دور کی انگریزی کتابوں میں بھی عام نہیں تھے۔ آپ کے یہاں پائے جاتے ہیں اور یقیناً آپ کی فکر کی پیداوار ہیں۔ اس کی ایک جھلک آپ کی تصنیف "مقالہ درحساب کسور اعشاریہ" میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ مقالہ فارسی زبان میں ہے اور آپ کی ہر تصنیف کی طرح عنوان سے اسکی تاریخ ۱۳۲۴ھ نکلتی ہے۔ اس میں کسور اعشاریہ کو جمع تفریق ضرب تقسیم کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس کا بیشتر حصہ لوگارثم کے باب میں ہے۔

ایک فصل "استخراج لوغارثمات" پر محیط ہے اور اس مضمون کا موضوع ہی فصل ہے۔ اعلیحضرت نے رسمی طریقے سے ہٹ کر لوگارثم کے استخراج کے لئے عمل تنفیف (BISECTION METHOD) استعمال کیا ہے۔ یہ طریقہ عددی تجزیے NUMERICAL ANALYSIS کے تحت آتا ہے جو ویسے تو ریاضی کی کافی پرانی شاخ ہے، لیکن اس کی ترویج اور ترقی اسی صدی کے تیسرے ربع سے شروع ہوئی۔ کمپیوٹر کے استعمال عام ہونے سے عددی تجزیے کے اطلاقات وسیع ہوتے جا رہے ہیں۔ مساوات کا عددی حل معلوم کرنا بھی اسی کی ضمن میں آتا ہے اور اس حل کے لئے ایک طریقہ عمل تنفیف کہلاتا ہے جس کا بیان اور جس کا کمپیوٹر پروگرام عددی تجزیے کی آجکل کی ہر کتاب میں دیا ہوتا ہے۔

اعلیحضرت کے زمانے میں مروج ریاضی کی انگریزی زبان میں غالباً کسی کتاب میں بھی اس کا ذکر نہیں۔ علاوہ ازیں اسے اعلیحضرت نے اپنے ہی انداز میں پیش کیا ہے اور ثبوت اور استدلال کا طریقہ اس سے مختلف ہے جو آجکل دیا جاتا ہے۔

نوٹ:۔ رسالہ لوگارثم محشیہ امام احمد رضا کے ایک صفحہ کا عکس صفحہ ۲۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مقالہ درحساب کسور اعشاریہ تصنیف امام احمد کے دو صفحات کے عکس صفحہ ۲۱۵ اور ۲۱۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

عکس صفحہ رسالہ ''لوگارثم محشّی'' - امام احمد رضا

۱۸۵۵۷۰٫ حاصل ہوتا ہے اور ۱۸۵۵۷۰٫۱ × (۱۰۵)^۲
= ۲۸٫۸۳۳۳ کہ رقبہ مطلوب ہے۔

زاویوں کی دوری پیمائش یا طول قوس بہ نصف قطر

(۳۳) کسی قوس کی دوری پیمائش معلوم کرنا جبکہ زاویہ کی پیمائش معلوم اور بالعکس
(الف) قوس کے درجات شروع صفحہ پر معلوم کرو اور منٹ بائیں ہاتھ پر، درجات کے نیچے اور دائیں
کے مقابل طول مطلوب ہے لیکن اگر زاویہ میں ثوانی بھی ہوں تو اس نتیجہ میں سکنڈ کے مقابل کا
عدد جمع کرو جو کہ صفحہ کے داہنے طرف ہے۔ حاصل جمع طول مطلوب ہوگا۔
(ب) بالعکس۔ جبکہ طول یا دوری پیمائش معلوم ہو تو دیا ہوا طول جدول میں معلوم
کرو پھر درجات کالم صفحہ کے اوپر اور منٹ بائیں ہاتھ کی جانب اور یہ زاویہ کی پیمائش مطلوب ہے
جبکہ طول جدول میں صحیح دریافت ہو جائے۔ لیکن اگر صحیح دریافت نہ ہو تو دوسری نزدیک کی
قوس کے مطابق درجات و دقائق معلوم کرو اور اس نزدیک والی قوس کو قوس معلومہ سے تفریق کرو
اور حاصل تفریق کے مقابل داہنے ہاتھ پر قوس کے ثانیے ملیں گے۔

اصلی جیوب مستویہ و جیوب التمام (سہام و اوتار)

(۳۴) یہ جیوب مستویہ اصلیہ یعنی جیوب التمام و سہام و اوتار وغیرہ جو کہ اس جدول میں قوسین ہیں
اس دائرہ کی قوسوں کی مقادیر کے طول ہیں جس کا نصف قطر = ۱ ہے۔ وہ کسر اعشاریہ
ہیں اگرچہ ہمزہ نہیں لگائی گئی ہے سوائے ان مقاموں کے جہاں وہ ایک کے برابر یا ایک سے بڑے ہیں
اس حالت میں ہمزہ لگائی گئی ہے۔ یاد رہے کہ ان مقادیر کے طول میں اعداد صحیح ہیں جبکہ نصف
قطر = ۱۰۰۰۰۰۰۰ ۔ اصلی جیوب مستویہ ۔ اور کوسائن قوسوں کی اور نیز قوسین

لوگارثم کسارزوی ضرب و تقسیم جمع و تفریق و تربیع و تجذیر تسہیل ترین یکی فرد ضعیف حقیر و ماخذ اعمال طوال عظیمۃ الاشکال بآسان ترین تقسیمی گرایند۔

استخراج لوغارثمات

لوغارثمات صحاح از سفرتا غیر متناہی متصاعد متباد متنازل منفیا چنانکہ دانستی بمجرد فرض متعین میشود این صحاح را فرنگیان کیرکٹرسٹک نامند۔ و ہر عدد کہ ما بین دو کل قوت افتد لوگارثمش میان آن دو لوگارثم صحیح باشد مثلا یک را قوت صفر و دہ را یک پس از ۲ تا ۹ جملہ اعداد را لوگارثم میان صفر و یک بود کہ صفر مع الاعشاریہ باشد و دہ را قوت یک و صد را دو پس از ۱۱ تا ۹۹ را لوگارثم میان ۱ و ۲ یعنی یک مع الاعشاریہ بود و ہکذا واستخراج این لوغارثمات مقدمہ تمہید کنیم۔ **فاقول** و باللہ التوفیق چند سطح عددین مختلفین دائما بین العددین می باشد اعنی اصغر از اکبر و اکبر از اصغر زیرا کہ اگر نفس احدہما باشد دو عدد مختلف متحد شود کہ حاصل ضرب فی نفسہ مجذور می شود و ہمون سطح آن عدد مختلف بود پس اصغر × اصغر = اصغر × اکبر پس اصغر = اکبر ہف و اگر از ہر دو اصغر بود واجب کہ سطح این دو اکبر از مجذور باشد کہ حاصل ضرب عددین کبیرین بالضرورۃ اکبر بود از حاصل ضرب صغیرین کہ عدد بعدد من و نفس دوست پس شے اکبر از نفس خود شود ہف و اگر از ہر دو اکبر بود لازم کہ سطح آن دو اصغر از مجذور بود پس شے اصغر از نفس خود باشد ہف۔ چون این ہمہ دانستی پس استعلام لوگارثم ہیچ عدد متوسط میان دو کل قوت مثلا دو را کہ میان یک و دہ واقع ست سہل امرہ چنان ست کہ آن دو کل قوت معلوم اللوغارثم را باہم زنند لوغارثم حاصل ضرب چنانکہ گذشت مجموع لوغارثم آنہا بود باز این حاصل ضرب را

یادگارِ اعلیٰحضرت

دعائے امام احمد رضا اور نوید سیدنا ابوالحسن نوری

از:- سید محمد ریاست علی قادری بریلوی

بریلی کے بڑے بازار میں آج صبح ہی سے غیر معمولی چہل پہل اور رونق تھی۔ لوگ انتہائی جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل کر بڑے بازار کی طرف آرہے تھے۔ انسانوں کا ایک جم غفیر ٹھاٹیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح جلوس کی شکل میں اس بازار سے گزر رہا تھا۔ لوگ دیوانہ وار ٹولیوں میں مختلف شاہراہوں سے گذرتے ہوئے اس جلوس میں شامل ہو رہے تھے بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ لوگ درختوں، چھتوں اور نجی و سرکاری عمارتوں پر کھڑے اس جلوس کا نظارہ کر رہے تھے۔ اہل بریلی نے اس سے قبل ایسا روح پرور سماں کبھی دیکھا نہ سنا تھا۔ ۱۵ر مئی ۱۹۵۶ء کا دن تھا جو اہل بریلی کے لئے بڑا ہی مبارک تھا۔ ہر شخص کی تمنا تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح جلوس کی اگلی صفوں تک پہنچ جائے لیکن یہ کام جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ جلوس کے آگے دو عجوبۂ روزگار ہستیاں جن میں ایک جوان اور دوسری ضعیف آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ یہ منظر بڑا ہی دلکش اور فرحت انگیز تھا۔ اہل بریلی نے دیکھا کہ اس جوان شخصیت کے پیچھے پیچھے چلنے والی بریلی کی عمر رسیدہ، سفید ریش اور نورانی چہرہ شخصیت برہنہ پا چل رہی ہے جیسے ایک غلام اپنے آقا کی تابعداری میں چلتا ہو۔ ان بزرگ کو جو اپنے وقت کے امام الفقہاء اور ولی کامل تھے اس سے پہلے کبھی ایسی نیازمندانہ حالت میں نہیں دیکھا گیا۔ ان بزرگ کی شان تو یہ تھی کہ ان کے دربار میں بڑے بڑے جید عالم اور مقتدر ہستیاں ہاتھ باندھے باادب کھڑی رہتی تھیں۔ یہ بزرگ ہستی تو وہ تھی جس کی آواز کو دبستانِ سنیت میں حرف آخر سمجھا جاتا تھا۔ ان کی مقبولیت اور ہردلعزیزی کا عالم تو یہ تھا کہ جس طرف نظر اٹھاتے لوگ فرطِ عقیدت سے اپنی گردنیں جھکا دیتے۔ ان بزرگ کے مریدوں کی تعداد ۹۰ لاکھ سے متجاوز ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں ان کے عقیدت مند اور مرید موجود ہیں۔ ان کی شہرت کا ڈنکا پورے عالم اسلام میں بج رہا ہے۔ یہ بزرگ اپنے مکان سے جب نماز پڑھنے مسجد کو جاتے تو راستے میں سیکڑوں لوگ ان کی قدمبوسی کے لئے بیتابانہ دوڑتے کوئی لپک کر قدم چومتا اور کوئی ان کا دستِ مبارک اپنے سر پر رکھواتا۔ جب یہ وضو فرماتے تو لوگ ان کے وضو کا پانی بوتلوں میں بھر لیتے۔ ان کا گزر جب بریلی کی شاہراہوں سے ہوتا تو لوگ دونوں جانب قطاریں بنا کر کھڑے ہو جاتے۔ ٹریفک جام ہو جاتی اور دکاندار اپنی دکانوں سے نیچے اتر آتے اور جب تک ان کی سواری وہاں سے نہ گذر جاتی یونہی دست بستہ کھڑے رہتے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ بزرگ اور وہ جوان ہستی کون تھی؟ وہ جوان ہستی پیر سیدنا طاہر علاؤ الدین دامت برکاتہم کی تھی جو حضور سیدنا غوث الاعظم

شہزادۂ اعلیحضرت تاجدار اہلسنت مولانا مصطفےٰ رضا خاں
شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے ہیں اور یہ بزرگ
بریلویؒ تھے۔

مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کی ولادت کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ ایک دفعہ اپنے
پیرومرشد اور روحانی پیشوا سیدنا حضرت شاہ آل رسول احمد مارہروی علیہ الرحمہ کے آستانۂ عالیہ پر حاضر تھے کہ یہ واقعہ
پیش آیا سجادہ نشین خانقاہ عالیہ حضرت ابوالحسن نوری علیہ الرحمہ بعد نماز عصر زینے سے اتر رہے تھے اور امام احمد رضا
ان کے پیچھے پیچھے تھے کہ اچانک حضرت نوری میاں صاحب علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا کو مخاطب کرکے فرمایا! مولانا صاحب!
بریلی میں آپ کے گھر ایک صاحبزادے کی ولادت ہوچکی ہے جب میں بریلی آؤں گا تو اس بچہ کو ضرور دیکھوں گا۔ وہ بڑا ہی مبارک
اور خوش بخت ہے۔ اس واقعہ سے ایک روز قبل خود امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنے پیرومرشد کے آستانہ پر خواب میں دیکھا
کہ ان کے گھر ایک فرزند پیدا ہوا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے خواب ہی میں اس کا نام آل رحمٰن رکھدیا۔ دوسرے دن بریلی
سے صاحبزادے نیک فال کی خبر پہنچی۔ حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ نے ابوالبرکات محی الدین جیلانی نام تجویز کیا۔ بعد کو محمد کے نام
پر عقیقہ ہوا اور مصطفےٰ رضا خاں عرف قرار پایا۔ آپ کی ولادت سے قبل امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے بارگاہ رب العزت میں دعا مانگی
تھی کہ الٰہی مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو عرصۂ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے۔ دعا قبول ہوئی اور حضرت مولانا
مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابوالبرکات محی الدین جیلانی
آل رحمٰن محمد شاہ مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے والد امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی دعا اور اپنے پیرومرشد حضرت ابوالحسن
نوری میاں علیہ الرحمہ کی نوید تھے۔ ان دو صاحب دل بزرگ کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ
پر اپنے والد بزرگوار اور پیرومرشد کی نگاہِ التفات وکرم کس درجہ مرکوز تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پورے عالم اسلام میں آپ کی علمیت و
روحانیت کا چرچا تھا۔ حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کی بیعت و خلافت کا واقعہ بھی اپنی جگہ بڑا ہی عجیب و غریب ہے
آپ کی ولادت کے چھ ماہ بعد حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ بریلی تشریف لائے اور اپنی دیرینہ خواہش کے بموجب بچہ کو دیکھا اور گود
میں لے کر اس نعمت خداوندی پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو مبارکباد پیش کی اور فرمایا! یہ بچہ بڑا ہوکر دین و ملت کی بڑی خدمت
کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بڑا فیض پہنچیگا۔ یہ بچہ ولی ہے یہ فیض کا دریا بہائے گا، اس کی نگاہوں سے لاکھوں
گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ نے شہزادۂ اعلیٰحضرت کے منہ میں اپنی
انگلیاں ڈالدیں اور سلسلۂ قادریہ میں بیعت سے مشرف فرماکر اجازت و خلافت سے نوازا۔

مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے اپنے بچپن کا زمانہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے زیر سایہ علمی ماحول میں
گذرا اور انہیں کی سرپرستی میں آپ نے تمام مروجہ علوم وفنون پر مہارت حاصل کی اور امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی زیر نگرانی اپنی تعلیم
مکمل فرمائی۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے دربار میں بڑے بڑے جید علماء اپنی اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ہر وقت حاضر رہا کرتے
تھے اور جب امام احمد رضا علیہ الرحمہ دقیق سے دقیق مسائل چٹکی بجاتے حل فرمادیا کرتے تھے تو مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ
پر اپنے والد بزرگوار کی علمی لیاقت اور خداداد ذہانت کا بہت اثر ہوتا۔ مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری

سے بھی درس لیا جو اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ آپ اپنے برادر محترم حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد سے اپنی حیات تک مسند رضویت پر فائز رہے ان سے بھی پڑھا اور فیوض و برکات حاصل کئے۔ جب آپ کی عمر شریف ۹ برس کی ہوئی تو اس وقت آپ کے والد ماجد امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے مشاہیر اور علماء کے مجمع میں بمقام بریلی بہت ہی واضح الفاظ میں اعلان فرمایا کہ "میرا یہ بچہ ولی ہے اس سے فائدہ حاصل کرنا" امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ کتنے سچ ثابت ہوئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر ولی کامل اور تاجدار اہل سنت کے نام سے دنیائے علمیت و ولایت پر آفتاب بن کر چمکا جس کے روحانی فیض سے لاکھوں گمراہ انسان راہ مستقیم پر آگئے جس کی پوری زندگی تبلیغ دین میں گزری۔ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ یاد الٰہی اور مخلوق خدا کی خدمت میں گزرا جو زندگی بھر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا جو دشمنان دین کے لئے ایک ننگی تلوار تھا اور جس کی ہیبت و جلال سے بدمذہبوں کے کلیجے تھراتے تھے جو عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک شفیق باپ کی طرح تھا۔ جس کے آگے بڑے بڑے جید علماء طفل مکتب نظر آتے تھے جس کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ رات و دن عبادت میں مشغول رہتے۔ آپ کے دربار میں حاضری کو لوگ ترستے تھے اور جو حاضر ہوتے وہ اپنی اپنی جھولیاں بھر کر واپس جاتے۔ آپ کے آستانہ پر ہر وقت سیکڑوں عقیدتمندوں کا ہجوم ہوتا اور مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے یہاں آتی تھی۔ یاد الٰہی، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خدمت خلق، عبادت و ریاضت ہی آپ کی زندگی کا سرمایہ تھا۔ حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "تمہاری ایک سانس کسی دوسرے انسان کے کام آجائے تو یہ سیکڑوں برس کی عبادت سے بدرجہا بہتر ہے" مولانا مصطفٰے رضا خاں علیہ الرحمہ کی تو پوری زندگی خدمت خلق میں گذری۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا غرض زندگی کا ہر لمحہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزرتا تھا۔ آپ اخلاص و محبت کا ایک عظیم پیکر تھے۔ آپ کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم کہ کوئی کام خلاف شریعت نہیں کرتے تھے۔ آپ کی نورانی شکل دیکھ کر ہزاروں غیر مسلموں نے آپکے دست حق پر اسلام کی لازوال نعمت کو قبول کیا۔ لاکھوں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور لاکھوں نفوس آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ آپ کے عقیدتمند اس وقت دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مولانا مصطفٰے رضا خاں علیہ الرحمہ نے دنیا کو تہذیب و اخلاق کا درس دیا۔ آپ تو اس خانوادے کے چشم و چراغ تھے اور اس مصلح و مجدد کے شہزادے تھے جس نے زمانے کو تہذیب و اخلاق، رواداری و دوستی، اخوت و مساوات کا درس دیا۔ آپ اخلاص و محبت کا پیکر تھے۔ آپ میں غرور و تکبر نام کو نہ تھا۔ آپ کا دامن ریاکاری اور تصنع سے پاک تھا۔ آپ کی طبیعت میں عجز و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ لوگوں سے بڑی محبت و شفقت کے ساتھ پیش آتے جو شخص بھی آپ کو دعوت دیتا، بلا امتیاز و تخصیص دعوت قبول فرماتے۔ مریضوں کی عیادت کو جاتے اور غرباء و مساکین کا بے حد خیال فرماتے تھے۔ لوگوں کو سلام کرنے میں سبقت فرماتے اور مصافحہ کے لئے ہاتھوں کو بخوشی بڑھاتے۔ لوگوں کی غیر شرعی حرکات سے ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے اور ان سے ناراض ہوتے۔ آپ کی زبان مبارک سے ہمیشہ حق اور نیک کلمات نکلتے تھے۔ آپ کے پاس جب کوئی آتا تو سب سے پہلے سلام کے بعد اس کا نام اور خیریت دریافت فرماتے معلوم کرتے کہ آنے والا کہاں سے آیا ہے۔ اس کے قیام و طعام کا انتظام کرواتے اور فرماتے کہ فقیر کیا خدمت کر سکتا ہے۔ بہت مہربان اور مہمان نواز تھے۔ غریبوں اور بے سہارا لوگوں کا خاص طور پر خیال فرماتے کسی

آپ کی زندگی علم و عمل کا ...... بہترین (پسند)
فرماتے تھے۔ آپ کی زندگی علم و عمل کا ...... بہترین
غریب کی دعوت کو کبھی نہیں ٹھکرایا مگر امیر و کبیر اور بڑے لوگوں سے دوری پسند فرماتے تھے۔ آپ کی زندگی علم و عمل کا ...... بہترین
نمونہ تھی۔ آپ لوگوں سے انتہائی خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ ان لوگوں کا حال بھی دریافت کرتے
جو آپ کی مجلس سے دور یا غیر حاضر ہوں۔ آپ ہر وقت مشغول عبادت رہتے اور درود و وظائف میں ہمہ تن معروف رہتے تھے لیکن
جب کوئی آپ سے ملنے آجاتا تو درود و وظائف چھوڑ کر اس سے حال دریافت فرماتے اور اس کی خیریت معلوم کرتے تھے۔ بقول سعدیؒ
"حاجت مندوں کی حاجت روائی درود و وظائف سے افضل ہے"۔ آپ کی ذات میں تواضع اور انکساری کا عنصر سب سے زیادہ تھا
جو تمام طاعتوں کی اصل اور کمال تقویٰ ہے۔ آپ اپنے وقت کے قطب الاقطاب اور امام الفقہا اور بے نظیر تھے۔ آپ کا تعلق
اس خاندان سے ہے خود علم جس کے آستانہ کا پہرہ دار ہے۔ عالم سنیت میں آپ کی رائے کو حرف آخر تصور کیا جاتا تھا۔ کوئی کیسا
ہی دقیق اور کتنا ہی اہم مسئلہ پیش آجائے تو تمام مفتیان کرام اور علماء کی نظریں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ فتاویٰ مصطفویہ دیکھئے
تو آپ کی علمیت کا اندازہ ہو جائیگا کیسے کیسے دقیق اور بظاہر لاینحل مسائل کو آپ نے یوں چٹکی بجاتے حل فرما دیا۔ مولانا مصطفےٰ رضا
خاں علیہ الرحمہ حق گوئی و بے باکی میں .... اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مومن کی شان ہے کہ وہ باطل سے نہیں ڈرتا اور تختہ
دار پر بھی حق بات کہتا ہے، اسے دنیاوی مصلحت حق بات کہنے سے نہیں روک سکتی پھر بھلا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کی مومنانہ شان
حق گوئی و بے باکی کا کیا عالم ہوگا۔ ہندوستان میں ایمرجنسی کے زمانے میں بڑے بڑے قائد و مصلح اور نام نہاد علماء نے اپنی اپنی زبانیں
سی لی تھیں۔ حکومت کا خوف اس قدر غالب تھا کہ اپنے اپنے عقائد اور مذہب کو بکتا ہوا دیکھ رہے تھے اور خاموش تھے۔ جبری نس
بندی جاری تھی ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا۔ ہندو اور مسلمان دونوں ہی جبری نس بندی کے خلاف تھے۔ لیکن حکومت وقت کے
آگے کسی کی مجال کہ زبان کھولے بڑے بڑے علماء اور مسلم رہنماؤں نے نس بندی کے جواز کا فتویٰ دیدیا تھا اور جو دل سے اس کے خلاف
تھے وہ خاموش بیٹھے تھے لیکن اس حق گو اور بے باک مرد مومن نے انتہائی جرأت کا مظاہرہ کرکے علی الاعلان نس بندی کے خلاف فتویٰ
صادر فرما دیا اور ملک کے طول و عرض میں پوسٹروں اور اشتہاروں کے ذریعہ اس کو عام کر دیا۔ حکومت وقت منہ دیکھتی رہ گئی .....
یہ کام وہی کر سکتا ہے جو اللہ پر کامل بھروسہ رکھتا ہو اسی لئے خدا کے فضل و کرم سے آپ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اس جبری نس بندی کے
زمانے میں جب آپ پر طرح طرح سے دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ نس بندی کے خلاف فتویٰ صادر نہ فرمائیں تو آپ نے کسی کی نہ سنی اور
جو حق بات تھی اس کو برملا بغیر کسی خوف و جھجک کہدیا۔ آپ کو اس موقع پر حکومت کی طرف سے ہراساں کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی
لیکن آپ کے پائے ثبات میں جنبش نہ آئی۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی کہ ایسی حکومت ہی ختم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے آپکی
دعا قبول فرمالی اور کچھ ہی عرصہ بعد اس حکومت کو شکست فاش ہوئی اور اس طرح اہل ہند جبری نس بندی سے محفوظ رہے۔
پاکستان میں جنرل محمد ایوب خاں سابق صدر کے دور حکومت میں سرکاری سطح پر ایک رویت ہلال کمیٹی قائم کی گئی تھی جس کے
ذمہ عید و بقر عید .... کے موقعوں پر ابر وغیرہ کی صورت میں ہوائی
جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنا ہوتا تھا اور پھر رویت ہلال کمیٹی کی تصدیق پر حکومت کی طرف سے ملک میں رویت کا اعلان کر دیا جاتا
تھا۔ ایک دفعہ عید کے موقعہ پر ۲۹ رمضان المبارک کو اس کمیٹی کے کچھ افراد ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے گئے۔ بنگلہ دیش سے
آتے ہوئے ان افراد کو چاند نظر آگیا اور انہوں نے اس کی اطلاع حکومت وقت کو دیدی جس کے نتیجہ میں حکومت نے رویت کا اعلان
کر دیا۔ حکومت کے اعلان کے باوجود اس سال پاکستان میں دوسرے دن عید نہیں منائی گئی۔ دنیائے اسلام کے بیشتر ممالک میں

مفتیان کرام سے اس سلسلہ میں فتویٰ مانگا گیا۔ تقریباً سب ہی نے اس کے حق میں فیصلہ دیا مگر مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے اسے نہیں مانا اور اپنا فتویٰ صادر فرمادیا۔ چاند کو زمین سے دیکھکر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شرعی شہادت پر قاضی شرع حکم دے گا۔ چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہو وہاں سے دیکھنا چاہیئے رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا ہے اس لئے کہیں چاند ۲۹ کو اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے اور اگر جہاز سے چاند دیکھکر رویت کا اعلان درست ہوتا تو مزید بلندی پر جانے کے بعد چاند ۲۷ اور ۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷ اور ۲۸ تاریخ کو چاند دیکھ کر یہ حکم دیا جاسکتا ہے کہ اگلے روز عید یا بقر عید جائز ہے؟ اس طرح جہاز سے چاند دیکھکر فتویٰ صادر کرنا کہ ۲۹ کا چاند دیکھنا معتبر ہے بھلا کس طرح صحیح ہوگا؟" مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کے اس جواب کو پاکستان وغیرہ ممالک کے اخبارات نے جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ اس فتویٰ کے پاکستان میں آنے کے بعد اگلے ماہ ۲۷ تاریخ کو حکومت کی جانب سے ہوائی جہاز کے ذریعہ اس بات کی تصدیق کرائی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آگیا تب حکومت نے مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کے فتویٰ کو تسلیم کرکے رویت ہلال کمیٹی توڑدی اور دنیا کے تمام مفتیان کرام نے آپ کے علم و فضل کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں اور اس کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے کا سلسلہ منسوخ کردیا گیا۔

یوں تو مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر مکمل عبور رکھتے تھے لیکن فقہ میں آپ کی حیثیت انتہائی بلند و منفرد تھی۔ فتویٰ نویسی کا فن تو آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ آپ کو دنیائے اسلام نے "مفتیٔ اعظم ہند" کا خطاب دیا اور آپ نے آخر عمر تک فتویٰ نویسی کو جاری رکھا۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ علمیت، روحانیت اور زہد و تقویٰ میں امام احمد رضا کے صحیح جانشین تھے۔ آپ کی پاکیزہ ہستی تو وہ ہے جن کو دیکھنا خود عبادت ہے۔ بھلا ایسے ولیٔ کامل کی عبادت و ریاضت کس درجہ کمال کو پہنچی ہوگی اور اس کے زہد و تقویٰ کا کیا عالم ہوگا۔ ریاضت کے متعلق مفتیٔ اعظم ہند کا ارشاد ہے جس میں آپ نے بعض مختلف مشائخ کرام کا حوالہ دیا ہے کہ "لگ ریاضتوں کی ہوس کرتے ہیں کوئی ریاضت و مجاہدہ ارکان و آداب نماز کی رعایت کرنے کے برابر نہیں خصوصاً پانچوں وقت مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا"۔ آپ ہر کام اخلاص سے خدا کی رضا کے لئے باتباع شریعت کرنا باعث نجات سمجھتے تھے جو ریاضت و مجاہدہ کی روح ہے۔ آپ کو اگر یہ معلوم ہوجاتا کہ کسی مرید نے نماز قضا کردی تو اس کی طرف التفات نہ فرماتے اور اس سے سخت ناراض رہتے۔ آپ کسی ایسے شخص سے اپنی خدمت لینا گوارا نہ فرماتے جو نماز ترک کرکے آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہو۔ آپ گفتار و کردار صورت و سیرت، علمیت و روحانیت میں امام احمد رضا کی تصویر تھے ایک دفعہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے خلیفہ ملک العلماء حضرت مولانا سید ظفر الدین بہاری مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کچھ دیر یہی خیال کرتے رہے کہ وہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے روبرو بیٹھے ہیں۔ اور جب نظر اٹھا کر مفتیٔ اعظم ہند کو دیکھتے یہی گمان ہوتا کہ امام احمد رضا سامنے تشریف فرما ہیں مگر تھوڑی دیر بعد جب مفتیٔ اعظم ہند نے مولانا ظفر الدین بہاری کے سلام کا جواب میں وعلیکم السلام کہا اور باآواز بلند خیریت معلوم کی تو معاً حضرت ظفر الدین بہاری آواز سنکر چونکے (اس سے پہلے مفتیٔ اعظم ہند نیچی نظریں کئے ایک فتویٰ لکھ رہے تھے) کہ یہ آواز تو حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ہے۔

مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کا اسم گرامی ان ہستیوں میں بڑی اہمیت کا حامل ہے جنہوں نے خالق کائنات کے اس ارشاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا کہ سرکار دو عالم، تاجدار مدینہ، مالک دوسرا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر کوئی عبادت، عبادت نہیں۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام عبادتوں کی عبادت اور روح عبادت ہے اور عشق ہی روح ایمان ہے

اور ایمان کی جان ہے ۔ مفتی اعظم ہند زندگی بھر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچار کرتے رہے ۔ وہ صاحب شریعت بھی تھے اور صاحب طریقت بھی ۔ خلاف سنت کوئی کام نہیں کرتے اور اس کی ادائیگی میں بے حد احتیاط برتتے تھے ۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے صحیح جانشین تھے اور آپ بھی سادات کرام سے بے حد محبت فرماتے اور ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے ۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ عرس اعلیحضرت امام احمد رضا کے موقعہ پر ایک غریب سید صاحب جو ابھی جوان تھے اور دیوانوں کی طرح باتیں کرتے تھے تشریف لائے اور کہا ! مجھے پہلے کھانا دو ۔ منتظمین نے کہا ۔ ابھی نہیں ۔ اتنی دیر میں سید صاحب عالم دیوانگی میں حضور مفتی اعظم ہند کی خدمت میں پہنچ گئے اور فرمایا ! کہ دیکھئے حضرت یہ لوگ مجھے کھانا نہیں دیتے ۔ میں بھوکا ہوں اور میرا تعلق سادات گھرانے سے ہے یہ سننا تھا کہ مفتی اعظم ہند فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور ان سید صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور ڈبڈبائی آنکھوں سے فرمایا ۔ حضور سید صاحب پہلے آپ ہی کو کھانا ملے گا ۔ یہ سب آپ ہی کا ہے ۔ وہ سید صاحب بہت خوش ہوئے ۔ حضور مفتی اعظم ہند نے جناب ساجد علی خاں صاحب کو بلاکر فوراً ہدایت کی کہ سید صاحب کو لے جایئے اور ان کی موجودگی میں فاتحہ دلوایئے اور سب سے پہلے کھانا ان کو دیجئے جب یہ تبرک فرمالیں تو دوسروں کو بھی کھلایئے ۔

حضور مفتی اعظم ہند کو جناب سیدنا غوث الاعظم سے خاص عقیدت تھی اور بلاشبہ آپ نائب غوث الاعظم تھے ۔ جناب حافظ رحمت نبی خاں صاحب بریلوی عرصہ دراز سے شیخ طریقت کی تلاش میں تھے لیکن جس طرح کا مثالی مرشد ان کے تصور میں تھا وہ کہیں نظر نہ آتا تھا انہیں سنہ ۱۹۵۱ء میں خواب میں زیارت سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ ہوئی جس کے بعد سے مرشد کی تلاش صرف قادری سلسلہ میں ہی تھی ۔ تلاش شیخ میں بے قرار ہو کر حافظ صاحب موصوف نے بغداد شریف کے سفر کا ارادہ کیا اور وہاں پہنچ کر یہ خیال کیا کہ آستانہ سرکار غوث الوریٰ کے سجادہ نشین ہی سے بیعت ہو کر غلامان غوثیت کے زمرہ میں شامل ہو جاؤنگا مگر کچھ وجوہات کی بناء پر یہ آرزو پوری نہ ہو سکی آخر کار جب دل کی بے قراری حد سے زیادہ بڑھی تو محبوب سبحانی غوث الاعظم علیہ الرحمہ نے صاحب موصوف کو ان کے ہونے والے شیخ طریقت کے بارے میں بتادیا کہ جاؤ بریلی شریف میں میرے نائب ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ بالآخر رحمت نبی خاں صاحب سرکار مفتی اعظم ہند کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے ۔

ایک دفعہ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمت میں ایک صاحب مرید ہونے کے لئے تشریف لائے ۔ مرید کرتے وقت حسب معمول اور باتوں کے علاوہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ان صاحب سے کہا " کہو کہ میں نے اپنا ہاتھ حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا لیکن وہ صاحب ہر وہ بات دہراتے گئے جو مفتی اعظم ہند فرماتے رہے لیکن یہاں آکر وہ خاموش ہو گئے اور کہا کہ میں یہ نہ کہوں گا کہ " میں نے اپنا ہاتھ حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا ہے میں نے تو اپنا ہاتھ حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں ابن اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں کے ہاتھ میں دیا ہے حضور مفتی اعظم ہند یہی کہتے رہے کہ " کہو میں نے اپنا ہاتھ حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا ۔ لیکن وہ صاحب اس جملے کو ادا نہ کرتے ۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو جلال آگیا اور آپ نے بلند آواز سے پھر یہی جملہ دہرایا آپ کی آواز کی ہیبت اور چہرہ مبارک کو دیکھ کر انہوں نے فوراً وہ الفاظ دہرا دیئے اور اس طرح وہ حضرت مفتی اعظم ہند سے بیعت ہو گئے ۔ جب وہ صاحب مرید ہو کر رخصت ہونے لگے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ تو کہتے تھے کہ یہ جملہ میں ہرگز نہ دہراؤں گا لیکن آخر میں آپ کو یہ کہنا پڑا کہ " میں نے اپنا ہاتھ حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا " حالانکہ آپ

کا ہاتھ حضور مفتیٔ اعظم ہند کے ہاتھ میں تھا۔ اُن صاحب نے لوگوں سے کہا خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنا ہاتھ غوث الاعظم کے ہاتھ میں دیا تھا ورنہ میں یہ الفاظ ہرگز نہ دہراتا۔ اللہ اللہ کیا شان تھی۔ ایک دفعہ مفتیٔ اعظم ہند کی خدمت میں ایک صاحب نے آپ کی شان میں منقبت پڑھی تو سن کر آپ نے فرمایا! "میں ایسا تو نہیں ہوں جیسا آپ نے فرمایا مگر ایسا ضرور ہے کہ جو فقیر کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہے تو اس کو حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنی غلامی میں قبول فرما لیتے ہیں۔"

حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ سفر میں گذارا۔ آپ ہندوستان کے گوشے گوشے میں تبلیغ دین کی خاطر جاتے تھے کمزوری اور بیماری کے باوجود آپ ہر ماہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میل کا سفر اختیار کرتے اور ہر دعوت دینے والے کی دل جوئی کی خاطر لمبے سے لمبا سفر کرتے تبلیغ دین ہی سے آپ کو گوناں سکون ملتا تھا۔ آپ کے سفر میں رہنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا کہ آپ کی ذات سے زیادہ سے زیادہ لوگ فیضیاب ہوں اور دوسری طرف آپ خود بہ نفس نفیس وطن، عزیز و اقارب اور اہل و عیال سے دور رہ کر جدائی کی تلخیوں کو سہیں اور صبر کریں اور اپنے آرام و سکون سے زیادہ خدمت خلق اور تبلیغ دین کے فریضہ کو مقدم سمجھیں۔ وطن سے دور عزیز و اقارب سے منقطع۔ صبر پر تکیہ کئے، رضائے الٰہی کی خاطر سفر کی تکلیف سے دوچار اور موسمی اثرات سے بے پرواہ ہو کر اللہ کے لئے باہر نکلنا ایک بہت ہی عظیم مجاہدہ و ریاضت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ فضیلتیں ہیں۔

مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے تین حج کئے۔ تیسرا حج ١٩٧١ء میں کیا جو ایک تاریخی اور یادگار حج تھا جو آپ نے بغیر فوٹو کے پاسپورٹ پر ادا کیا۔ جس عاشق رسول کے دل میں اپنے آقا و مولا کی تصویر بسی ہو اور جس کا دل حبیب خدا کی محبت و عظمت کا مدینہ ہو بھلا وہ اپنی تصویر کیسے کھینچوا سکتا ہے اور اس کو کب گوارہ ہوگا کہ وہ کوئی کام خلاف شرع کرے جبکہ تصویر کھینچوائی جا سکتی ہے (پچھلے دونوں حج برصغیر کی آزادی سے پہلے ادا کئے تھے جس میں فوٹو کی کوئی قید نہیں تھی۔) پہلا حج آپ نے ١٩٠٥ء میں اپنے والد بزرگوار امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ساتھ ادا فرمایا۔ اور دوسرا پاکستان بننے سے تقریباً ایک سال قبل۔ تیسرے حج کے موقعہ پر آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ سعودی عرب میں مقیم ہندوستانی سفارت خانے کے افسران نے آپ کو جدہ میں بڑے پرتپاک طریقے سے خوش آمدید کہا دوسرے دن ہندوستانی سفارت خانے کے سکریٹری نے آپ کو دعوت دی اور اسی روز خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین صاحب علیہ الرحمہ مہاجر مدنی مع اہل و عیال استقبال کے لئے مدینہ منورہ سے جدہ پہنچے۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ سچے عاشق رسول تھے اور یہ دولت عظمیٰ آپ کو اپنے والد ماجد امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے ورثہ میں ملی تھی۔ جب آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ننگے پیر اور پیدل تھے آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور جسم پر رقت طاری تھی یہ منظر بڑا ایمان افروز تھا مدینہ منورہ میں آپ کا قیام حضرت مولانا ضیاء الدین علیہ الرحمہ کے دولتکدے پر رہا۔ قیام مدینہ کا ایک غیر معمولی واقعہ جس کے راوی مولوی الحاج عبد الہادی صاحب افریقی ہیں جو حضور مفتیٔ اعظم ہند کے ساتھ تھے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن محفل میلاد میں وقت کی تین اہم ترین شخصیات یعنی حضرت پیر سید عبد المعبود، تاجدار اہل سنت حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا ضیاء الدین علیہ الرحمہ موجود تھیں۔ اول الذکر بزرگ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے اور ان کی عمر اس وقت ١٤٦ سال تھی اور ہر سال حج بیت اللہ سے مشرف ہوتے تھے۔ اختتام مجلس پر تینوں بزرگوں نے ازراہ عجز و انکساری ایک دوسرے سے دعا کرنے کو کہا۔ اس ایمان افروز منظر کو دیکھ کر سامعین کے قلوب پر رقت طاری ہوگئی اور بے تحاشہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ الغرض ہر بزرگ ایک دوسرے سے دعا کے لئے کہتا رہا۔ مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے حضرت جیلانی صاحب سے کہا! حضور آپ دعا فرمائیں۔ میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں آپ آلِ رسول ہیں۔ حضرت جیلانی

نوٹ:- اسلامی فقہ کی رو سے ناجائز ہے گو کہ حج کے لئے بحالت مجبوری تصویر کھینچوائی جا سکتی ہے۔

صاحب نے فرمایا! میاں صاحبزادے آپ دعا کریں میں آمین کہوں گا۔ ابن غوث الوریٰ کے اس فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے دعا مانگی اور ان دونوں بزرگوں اور جملہ حاضرین نے آمین کہا۔ اس واقعہ سے حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے منصب رفیع کا اندازہ ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ کی قیام گاہ پر ہر وقت اہل مدینہ اور دوسرے ممالک کے حجاج کرام کا ہجوم رہا کرتا تھا۔ ایک دن حلب کے علماء کرام حضور مفتی اعظم ہند کی زیارت کو آئے تو حضور نے انہیں چائے پیش کی تو انہوں نے اس شرط پر چائے پی کہ حضور پہلے ایک گھونٹ پی کر اس کو تبرک کر دیں۔ بعد کو ان میں سے کچھ حضرات حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے مرید ہوئے اور کچھ نے اجازت و خلافت حاصل کی۔ مدینہ شریف میں ایک شخص حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب علیہ الرحمہ سے مرید ہونے آیا تو انہوں نے اس کو ڈانٹا کہ شہنشاہ کی موجودگی میں مجھ سے بیعت ہوتا ہے اور پھر اسے حضور مفتیٔ ہند علیہ الرحمہ سے بیعت کرایا۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ ۱۴؍ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲؍ نومبر ۱۹۸۱ء بدھ اور جمعرات درمیانی شب وصال کر گئے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر شریف ۹۰ برس تھی۔ مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دلی تمنا تھی کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے مشن کو آگے بڑھایا جائے اور امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی غیر مطبوعہ کتب و رسائل کو شائع کر کے عالم اسلام کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا جائے۔ ۱۹۷۹ء میں آپ نے اپنی اس آرزو کا اظہار اس حقیر سے کیا تھا اور خلافت عطا فرماتے وقت کہا تھا کہ میں امید کرتا ہوں کہ آپ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے مشن کو پاکستان میں آگے بڑھانے میں مستعدی اور ہمت سے کام لے کر اپنی آخرت کو سنواریں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ہمت و حوصلہ عطا فرمائے کہ میں حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کی آرزو و خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس عظیم مشن کو آگے بڑھانے میں کوئی کام کر سکوں تاکہ میرا بھی نام اعلیٰ حضرت احمد رضا کے عقیدتمندوں میں آجائے جو آخرت میں میرے کام آسکے۔ آمین!

حضور مفتیٔ اعظم ہند نے اپنے وصال سے چند گھنٹے پہلے بعد نماز عشاء فرمایا تھا کہ "میں اپنے تمام مریدوں کو غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ میں نے اپنے تمام مریدوں کو بارگاہِ غوثیت میں دیا اور ان تمام معتقدین کو مرید کیا جو مجھ سے مرید ہونا چاہتے تھے۔

بروز جمعہ آپ کو اپنے والد محترم اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کے جنازے میں بیس لاکھ انسانوں نے شرکت کی۔ پورے ہندوستان سے لوگ جنازے میں شرکت کے لیئے آئے۔ چودہ مسلم ملکوں کے سفیر آپ کے وصال کی خبر سنکر بریلی آئے۔ بریلی کا فوجی ہوائی اڈہ کھول دیا گیا تاکہ ملک کے مختلف گوشوں سے لوگ بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے براہ راست بریلی آسکیں۔ آپ کے جنازے میں مسلمانوں کے علاوہ لاکھوں ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں نے بھی شرکت کی۔ جس وقت آپ کا جنازہ بریلی کی شاہراہوں سے گزر رہا تھا تو لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ غسل کے وقت آپ نے ایک ایسی کرامت دکھائی جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک جہان سے دوسرے جہان کو کوچ کر جاتے ہیں۔ ان پر موت بس ایک آن کو آتی ہے اور پھر وہ حیات جاوِدانی پا جاتے ہیں۔ آپ کو جس وقت غسل دیا جا رہا تھا تو اس وقت آپ کی ران کے اوپر سے کپڑا سرک گیا جس سے ستر پوشی قائم نہ رہنے کا خدشہ تھا۔ لہٰذا آپ نے فوراً اپنی دو انگلیوں سے کپڑے کو پکڑ لیا۔ اس واقعہ کے چشم دید گواہ وہ حضرات ہیں جو آپ کو غسل دینے کے وقت وہاں موجود تھے۔
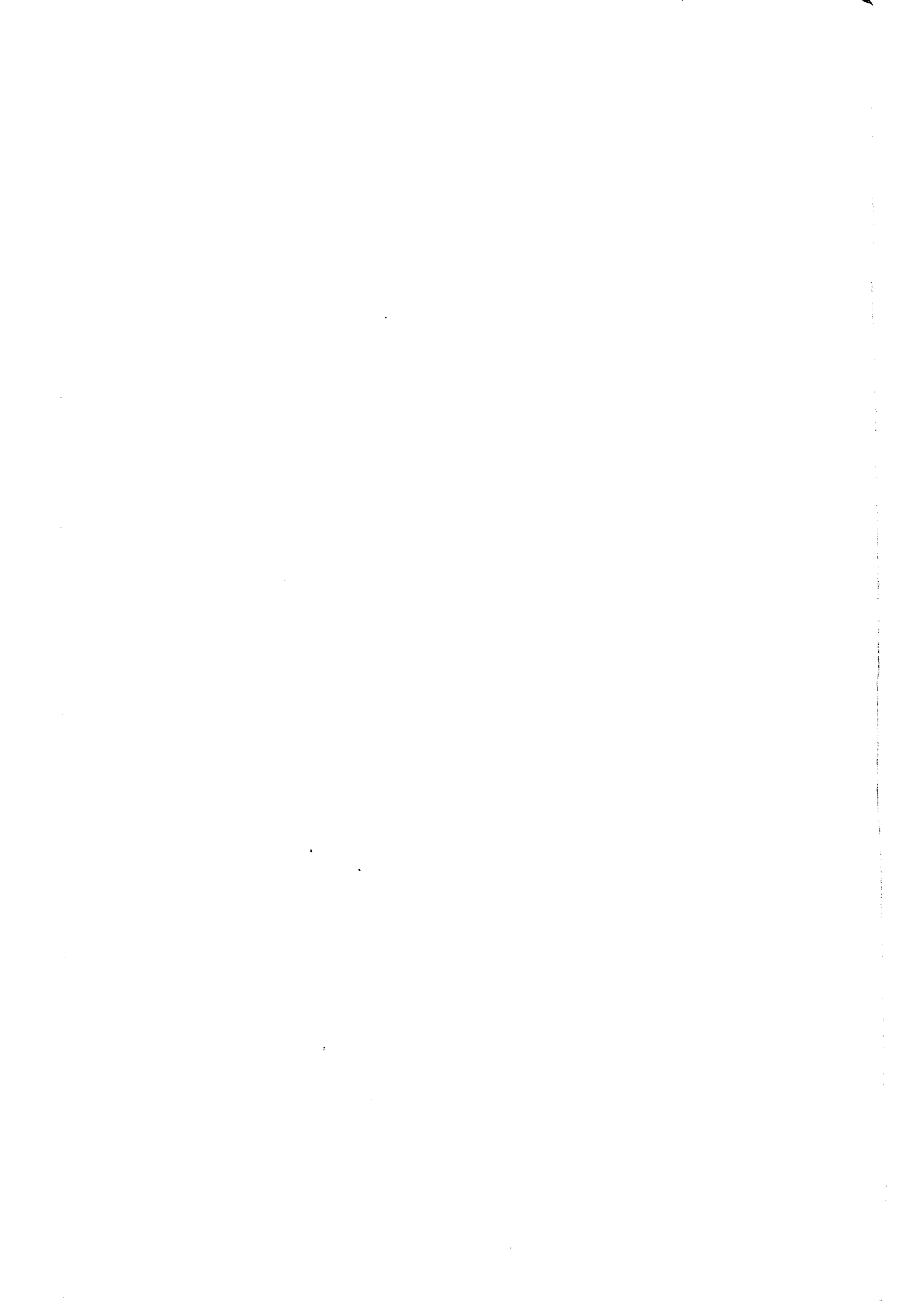
فہرست

۱۔ اِمام احمد رضا اور عالمِ اِسلام — از پروفیسر محمد مسعود احمد

۲۔ تحفۂ حنفیہ یعنی طبقات الحنفیہ — از شمس بریلوی

۳۔ امام احمد رضا کے چند حواشی کا تعارف — از شمس بریلوی

۴۔ زُبدۃ الفتاویٰ رضویہ، اِمام احمد رضا — از سید محمد ریاست علی قادری

۵۔ مبسوط سوانح امام احمد رضا (۱۵ جلدوں پر مشتمل) از پروفیسر محمد مسعود احمد

۶۔ BIBLIOGRAPHICAL ENCYCLOPAEDIA OF IMAM AHMED RIDA KHAN
BY: Professor Dr. MUHAMMAD MASUD AHMAD

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی